مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عہد ساز شخصیت

مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
پوسٹ باکس نمبر ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

جملہ حقوق محفوظ

بار دوم

ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ ـــــــ جنوری ۲۰۰۷ء

نام کتاب: .... مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔ عہد ساز شخصیت
مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں

صفحات: ۳۶۰

کمپوزنگ: .... اقبال احمد ندوی۔ حامد خوشنویس

تعداد اشاعت: گیارہ سو

طباعت: .... کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

قیمت: .... Rs.120/- مجلد

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

Academy of Islamic Research & Publications
P. O. Box. No. 119 Nadwatul Ulama Lucknow. 226007
Ph: 0522-2741539, Fax: 2740806 Email: Info@airpindia.com

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست

عرض ناشر ۵

عرض مؤلف ۹

مقدمہ ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی ۲۱

باب اول

حالات زندگی ایک مختصر جائزہ ۲۳

باب دوم

تعلیم وتربیت اور تعمیر شخصیت ۵۵

۱- شخصیت کی تشکیل میں کارفرما اہم اسباب وعوامل ۵۶

۲- امتیازات وخصوصیات اور اخلاق وصفات ۷۶

۳- صلاح باطن اور تزکیہ واحسان ۹۲

باب سوم

عملی زندگی اور جدوجہد کے مختلف پہلو ۱۰۷

۱- دینی دعوت ۱۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

۲- اصلاح معاشرہ ۱۲۲
۳- قائدین ملک وملت اور ممالک اسلامیہ کے زعماء کو مشورے ۱۳۶
۴- نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح ۱۵۱

باب چہارم ۱۶۷
تحریکیں اور ادارے

۱- مغربی فکر وفلسفہ کا مقابلہ اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کا قیام ۱۶۸
۲- ادب کے اسلامی تصور کے لئے جدوجہد اور رابطہ ادب اسلامی کا قیام ۱۸۵
۳- غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا کام اور تحریک پیام انسانیت ۲۰۰
۴- بنیادی دینی تعلیم کا کام اور دینی تعلیمی کونسل ۲۱۱
۵- تحفظ ملت وشریعت کا کام اور مسلم مجلس مشاورت وآل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ۲۲۲
۶- ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۲۳۵

باب پنجم ۲۵۱
دعوتی اسفار بیرون ملک میں

۱- بلاد عربیہ میں ۲۵۲
۲- یورپ وامریکہ میں ۲۷۴
۳- پڑوسی ممالک (پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا) اور برما وملیشیا میں ۲۸۴

باب ششم ۲۹۹
تصنیفات ورسائل

۱- تصنیفات ورسائل: ایک نظر میں ۳۰۰
۲- مولانا کی شخصیت کے تعارف میں اہل قلم کی تصنیفات ۳۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسّلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ۰

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی، خدمات اور افکار ونظریات پر مختلف زاویوں سے متعدد اہل قلم نے روشنی ڈالی ہے، عربی زبان میں متعدد کتابیں، دعوتی، فکری، سیاسی اور علمی زاویوں سے شائع ہوئیں، اور مقبول عام ہوئیں، اس سے عالم عربی میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب عالم عربی میں حضرت مولانا کی شخصیت سے اتنا تعلق اور ان کے افکار ونظریات وطریقۂ عمل کی افادیت کا احساس پایا جاتا ہے تو ہندوستان میں اس کی افادیت اور ان کی شخصیت کی مقبولیت کا پایا جانا طبعی بات ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ہندوستان میں متعدد سیمینار ہوئے، اور ان کی سیرت اور دعوت اور علمی خدمات پر متعدد مقالات کے مجموعے اور مستقل کتابیں شائع ہوئیں، یہ کتابیں ان اہل قلم کے قلم سے تحریر کی گئیں جن کا تعلق شخصی سے زیادہ علمی تھا، یا ان کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے اور استفادہ

www.abulhasanalinadwi.org

کا موقع ملا تھا، یا انہوں نے مولانا کی تصنیفات سے استفادہ کیا تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر سب سے زیادہ مستند اور مفصل کتاب ''میر کارواں'' کے نام سے استاذ گرامی مولانا ڈاکٹر سید عبد اللہ عباس صاحب ندوی سابق استاذ ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ اور معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء کے قلم سے خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں شائع ہوئی، جس میں حضرت مولانا کے افکار و نظریات، منہج تربیت اور طرز تدریس، اور اسلوب پر روشنی ڈالی گئی تھی، وہ تأثراتی انداز کی تصنیف تھی۔ اس میں بہت سے ایسے گوشے بھی آگئے جو اگرچہ تحدیث نعمت کے طور پر ''کاروان زندگی'' میں بھی آسکتے تھے، مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مزاج نہیں تھا، اس لئے وہ موضوعات ''کاروان زندگی'' میں ذکر سے رہ گئے تھے۔ یہ تصنیف بہت مقبول ہوئی اور جلد ہی اس کا پہلا اڈیشن جس کے شائع کرنے کی سعادت خود مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے حصہ میں آئی ختم ہوگیا۔ دوسرا ایڈیشن مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اور اس میں بھی بعض ایسے موضوعات شامل کردیئے گئے تھے جو مولانا کی زندگی میں ذکر نہیں کیئے گئے تھے، مولانا کے مزاج کی رعایت کی وجہ سے۔

مولانا عبد اللہ عباس صاحب کی اس تصنیف کے علاوہ، مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر ''سوانح مفکر اسلام'' کے نام سے ایک تصنیف خاندان ہی کے ایک عزیز اہل قلم مولوی بلال عبد الحی حسنی ندوی کے قلم سے دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی، عزیزی مولوی بلال حسنی کو خاندانی تعلق کے علاوہ مولانا کی زندگی کے آخری دور میں مولانا کی خدمت میں رہنے اور خدمت کرنے کا اچھا موقع ملا تھا۔ انہوں نے مولانا کی ''کاروان زندگی'' کو بنیاد بنایا، اور خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے مولانا کے افکار ونظریات اخذ کر کے مولانا کی زندگی پر روشنی ڈالی جو مقبول ہوئی، اور اس کا بھی پہلا اڈیشن جلد ختم ہوگیا، اور دوسرا اڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کو اب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس صاحب ندوی کی تصنیف کے بعد دوسری سیرت ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: عہد ساز شخصیت مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں'' شائع کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ یہ تصنیف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قلم سے ہے، اس کتاب کی خصوصیت اس کے عنوان سے ظاہر ہے۔ اس میں مولانا کی زندگی کو، مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں، پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب بچپن سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں رہے، اور اس کے بعد مولانا سے ان کا قریبی تعلق رہا، ان کے اسفار میں ان کے مرافق رہے، اور ندوۃ العلماء اور دوسرے اداروں اور تحریکوں میں مولانا کے مشیر اور معاون رہے، حضرت مولانا کو ان پر جتنا اعتماد تھا وہ دوسری کسی شخصیت کو حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ان کی یہ تصنیف وثائقی حیثیت رکھتی ہے، اس کی حیثیت ایک مشاہد کے بیان کی ہے، اس میں فکر یا مطالعہ سے زیادہ تجربہ اور مشاہدہ کا عنصر پایا جاتا ہے۔

مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی کا اسلوب بیان بھی وصفی یا واقعہ نگاری کا اسلوب ہے، اس لئے یہ کتاب عوام اور خواص، دونوں کے لئے مفید ہے، اور قابل استفادہ ہے۔ اس میں بہت سے ایسے پہلو آگئے ہیں جو دوسری کتابوں میں مذکور نہیں ہیں، اس لئے یہ ایک اہم اضافہ ہے۔ استاذ گرامی مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی مدظلہ العالی نے مقدمہ میں کتاب کی اس خصوصیت اور انفرادیت کا ذکر کیا ہے، جو کتاب کی اہمیت پر بڑی شہادت ہے۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے لئے یہ سعادت کی بات ہے کہ وہ ''میر کارواں'' کے بعد حضرت مولانا کی شخصیت پر ایک دوسری اہم تصنیف شائع کر رہی ہے۔ اس میں کوئی تکرار نہیں ہے، بلکہ نیا مواد ہے جو تعلیم وتربیت، دعوت و

www.abulhasanalinadwi.org

اصلاح، سیاست وقیادت سے تعلق رکھنے والے ہر طبقہ کے لئے نیا مواد ہے۔ اور مصنف کے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے اس مواد کو حجیت کی حیثیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سب کے لئے مفید بنائے اور کتاب کی تصنیف کا جو مقصد ہے اس کی تکمیل ہو۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
سکریٹری
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
لکھنؤ

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی
۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ
۲۹ر اکتوبر ۲۰۰۵ء

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف الأنبياء وخاتمهم سيد المرسلين وإمام المتقين محمدبن عبدالله الصادق الأمين وعلى آله وصحبه وذريته ومن تبعه ودعا بدعوته، واستن بسنته، واهتدى بهديه إلى يوم الدين أمابعد!

شام کے ایک بڑے ادیب اور سپریم کورٹ کے سابق جج سے ایک ریڈیو انٹرویو میں دریافت کیا گیا کہ آپ کا سب سے محبوب شہر کون سا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرا وطن دمشق، اس کے بعد میرے دوست مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا شہر لکھنؤ۔ اسی طرح عراق کے ایک بڑے عالم نے ایک ہندوستانی عہدہ دار کو بتایا کہ ہم ہندوستان کو لکھنؤ سے، اور لکھنؤ کو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے تأثرات جو عالم عربی میں سننے میں آئے ان سے مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی بین الاقوامی شخصیت کا پتہ چلتا ہے، مولاناؒ کی یہ شخصیت کیسے اور کیوں کر بنی؟ اسے جاننے کے لئے ہمیں مولاناؒ کی شخصیت کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں کارفرما عوامل کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان عوامل میں سے ایک اہم عامل مولاناؒ کی گھریلو تعلیم وتربیت اور خاندانی ماحول ہے، جس میں

ایک طرف دین داری، شریفانہ اقدار، نیک و صالح معاشرہ، اخلاق اور علم وادب سے خصوصی لگاؤ تھا، تو دوسری طرف غیر ملکی سامراج سے گلو خلاصی کی جدو جہد اور ملک کی آزادی کی خواہش وطلب تھی، اور آپ کے جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالیؒ شاعر وادیب، پدر بزرگوار حکیم سید عبدالحیؒ مورخ و ناقد اور سیرت نگار، برادر بزرگ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلیؒ حکیم حاذق اور قدیم و جدید کے مجمع البحرین، والدہ محترمہ صاحبہ خاندان کی تسلیم شدہ نیک اور بزرگ خاتون اور علم وادب کی حامل اور سوز و گداز رکھنے والی خاتون و صاحب دیوان شاعرہ تھیں، ہمشیرہ صاحبہ مصنفہ اور مؤلفہ، اور پھر سب سے بڑھ کر جد اعلیٰ حضرت سید احمد شہیدؒ مرد مجاہد او رہبان باللیل و فرسان بالنہار کے زندہ شاہکار، غرض ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کی ایک منہ بولتی تصویر، اور پھر ان گوناگوں اثر ڈالنے والے اسباب سے حاصل ہونے والی خصوصیات کی جامع حضرت مولاناؒ کی ذات گرامی تھی، اس طرح مولاناؒ کی شخصیت میں مختلف پہلو جمع ہو گئے تھے، وہ علم وادب کے خوشہ چیں، ہندوستانی سماج کی اعلیٰ انسانی قدروں کے مطابق تشکیل کے لئے کوشاں، اور ملک کی تعمیر و ترقی، ابنائے وطن کے مابین ہمدردی و رواداری اور اخوت و بھائی چارگی اور مسلمانوں کی اخلاقی و علمی بلندی کے حریص تھے۔ انہوں نے وہ دور بھی دیکھا تھا جب ہندوستان غلام تھا جس سے سامراجی ظلم و چیرہ دستی کا ان کو اندازہ ہوا، اور ہندوستانی عوام کی زبوں حالی اور خاص طور پر مسلمانوں کی پسماندگی کا احساس ہوا جس سے مولاناؒ کے اندر آزادی اور خود مختاری کی قدر پیدا ہوئی، چنانچہ ملک کے آزاد ہونے پر انہوں نے اس کی بڑی ضرورت محسوس کی کہ ملک کے رہنے والے مختلف باشندے اپنی مذہبی اور انسانی قدروں کے مطابق ترقی کریں، اور اپنا اعلیٰ مقام بنائیں، مسلمانوں کو ان کا جو مذہبی حق ہے اور ان کا جو ملی تشخص ہے وہ ان کو پورا پورا ملے، اور ملکی

www.abulhasanalinadwi.org

معاملات میں وہ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے ہمدردی اور تعاون کی زندگی گذاریں، اس سلسلہ میں مولاناؒ نے جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو ایک طرف انہوں نے تعلیمی محاذ پر کام کیا، دوسری طرف اصلاح معاشرہ اور تہذیب اخلاق کے لئے کوشاں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قلم اور زبان دونوں کی بلاغت اور اثر انگیزی عطا کی تھی، انہوں نے ان دونوں سے کام لیا اور تعلیم اور اصلاح کی لائن میں فائدہ پہنچایا، مولاناؒ کا تاریخ کا مطالعہ بہت اچھا تھا، اس کے ذریعہ مولاناؒ نے قوموں کے عروج وزوال اور ان کے اسباب کو بہت اچھی طرح سمجھا تھا، اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا، اس سلسلہ میں مولاناؒ نے صرف لکھنے اور بولنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باا‌ثر شخصیتوں سے ملکر انہیں ملت کی خدمت اور ملک کی ترقی کی طرف توجہ دلائی، اور پھر ملک وملت کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ تعاون کیا، مولاناؒ کا طریقہ کار سنجیدہ اور سلجھا ہوا اور خیر خواہانہ تھا، اسی لئے وہ ملک کے مختلف الخیال قائدین کے نزدیک ایک مخلص اور خدا ترس انسان کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی نظر میں مقبول تھے۔ مولاناؒ ایک بڑے عالم دین بھی تھے اس لئے مسلمان علماء میں ان کو معزز مقام حاصل ہوا، اور جلد ہی مولاناؒ کو پورے عالم اسلام میں قدر ومحبت کی نظر سے دیکھا جانے لگا، مولاناؒ کا اصل وطن رائے بریلی تھا لیکن ان کی نشو ونما اور تعلیم کا زمانہ لکھنؤ میں گذرا، پھر عملی زندگی کا مرکز بھی لکھنؤ رہا، اس طرح لکھنؤ سے ان کو نسبت حاصل رہی۔

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے ملی، تعلیمی اور دینی معاملات میں جو مفکرانہ اور قائدانہ دلچسپی لی اور ان کی اس دلچسپی سے امت کو جو فائدہ پہنچا اس سے سب دانشور مسلمان واقف ہیں، انہوں نے امت اسلامیہ کے معاملہ سے خصوصی دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ ملک کی بھی صلاح وفلاح کی فکر کی مسلمانوں کے دائرہ میں ان کی خصوصی توجہات، ان کی تعلیم، ان کے کردار، پھر ان کی شریعت کی

حفاظت کے مسائل پر خاص طور پر مرکوز رہیں مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء ان کا اصل میدان فکر و عمل بنا، جو ایک صدی قبل قدیم صالح اور جدید نافع کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، اس کو گزشتہ چالیس سال میں مولاناؒ نے اپنی سربراہی میں اسلامی تعلیم کے ایک مشہور و مقبول بین الاقوامی ادارہ کی حیثیت تک پہنچا دیا۔ اور اس سیکولر و ہندو اکثریت کے ملک میں مسلمان بچوں کی دینی بنیاد کو ان کی ابتدائی تعلیم کے زمانہ ہی میں مضبوط کرنے کے لئے دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ جو نظام قائم ہوا اس کی بھی پوری سرپرستی فرمائی، اور تاحیات اس کے صدر رہے۔

شریعت اسلامیہ کی حفاظت کے سلسلہ میں تحفظ شریعت کی اس عظیم تحریک میں حصہ لیا جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت ملک میں چلائی گئی، اور حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کی وفات کے بعد آپؒ اس کے صدر منتخب کئے گئے اور زندگی کی آخری سانس تک اس عہدہ پر فائز رہے، اور اس کے مسئلوں کے حل میں کلیدی کردار انجام دیا، پھر برصغیر کے باہر کے مسلمان ملکوں اور مسلمان سوسائٹیوں کی خیر خواہی کا حق بھی ادا کیا اور مدد پہنچائی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ملت اسلامیہ کی فکر کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کی خیر خواہی و خیر طلبی کی فکر بھی رہی، اور اس کے لئے انہوں نے پیام انسانیت کی تحریک چلائی، جس میں تمام مذاہب کے خیر پسند لوگوں کو بھی شریک کرتے، اور ملک و قوم کی بھلائی کی طرف توجہ دلاتے، اس طرح مولاناؒ نے ملی، ملکی، و بین الاقوامی تینوں دائروں کو اپنا دائرۂ کار بنایا، اور نمایاں خدمات پر سب سے خراج تحسین حاصل کیا۔

وہ جہاں جس تعاون کا تقاضہ سمجھتے اس کے کرنے کی کوشش کرتے، اور جہاں کمزوری اور انحراف محسوس کرتے وہاں اصلاح و تنقید کی اپنی آواز پہنچاتے، اور صحیح اسلام اور ملت کی صحیح مصلحت کی پاسداری کی طرف توجہ دلانے کا جرأت مندانہ کام انجام

www.abulhasanalinadwi.org

دیتے تھے، اس کے لئے عوام میں عمومی خطاب کا، اور حکومت کے ذمہ داروں کے لئے ملاقات وافہام وتفہیم کا طریقہ اختیار کرتے۔ مولاناؒ نے دینی وملی خدمت کے لئے اپنا جو مزاج بنایا تھا اس میں مخاطب کے لئے اس کے مقام وحیثیت کے لحاظ سے جو اسلوبِ کلام مناسب ہوتا اور اس کا جو اچھا کام ہوتا اس کے لحاظ اور اس کے اعتراف کے ساتھ بات کرتے، تنقید ہوتی لیکن انداز محبانہ ومشفقانہ ہوتا، چنانچہ ان کی تلخ بات بھی برداشت کرلی جاتی، اس سلسلہ میں ان کو اپنے ملک کے چوٹی کے لیڈروں اور غیر ممالک کے سربراہانِ مملکت سے بات کرنے کے جو مواقع حاصل ہوئے انھوں نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا، اور استغناء کے ساتھ اور یہ محسوس کراتے ہوئے بات کی کہ ان کی کوئی مادی غرض نہیں ہے، اور یہ محض خیر خواہی میں ہے، اس کی تھوڑی بہت تفصیل ان کی خودنوشت سوانح اور ان کے مضامین و سفرناموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علمی وفکری لائن میں مولاناؒ کی موقر اور اثر انگیز تصنیفات منظر عام پر آئیں، جن کی شہرت عام طور پر صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ہوئی، ان میں سے کئی تصنیفات نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور ان میں سے بعض کو پوری صدی کی منتخب واہم ترین تین چار کتب میں سے ایک شمار کیا گیا۔

ادبی پہلو کے لحاظ سے مولاناؒ نے ادب کو زندگی کے لئے مفید اور انسانی واسلامی فائدے کے حصول میں ایک معاون کے طور پر پیش کیا، اور اس کی حیثیت کو عالم اسلام سے منوایا، جس کے اثر سے رابطہ ادب اسلامی عالمی انجمن وجود میں آئی، جس کے وہ تاحیات صدر قرار پائے، اس کا صدر دفتر خود مولاناؒ کے مستقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں قائم ہوا۔ اس سلسلہ میں مولاناؒ کا کام صرف نظری اور تحریکی ہی نہیں رہا بلکہ خود مولاناؒ کے قلم نے ادب کے ایسے شہ پارے پیش کئے جو ان کے ادبی

www.abulhasanalinadwi.org

نقطۂ نظر کے عملی نمونے ہیں۔

مولاناؒ کی فکری ونظریاتی خصوصیات میں اصلاح باطن وتزکیۂ نفس کا خصوصی امتزاج تھا، جوان کے عہد کے عامل بالسنہ بزرگوں سے ربط اور تزکیۂ باطن کے حاملین سے تعلق واستفادہ کے اثر سے پیدا ہوا تھا، مولاناؒ کے اس پہلو نے ان میں زہد فی الدنیا، استغناء وقناعت اور تصور آخرت کے غلبہ جیسی صفات پیدا کیں، ان کے اثر سے مولاناؒ کے تعلق والوں میں مولانا سے محبت وعقیدت میں اضافہ ہوا اور کام میں اثر پذیری بڑھی، اور اس طرح ان کے کاموں اور کوششوں کو قبولیت حاصل ہوئی۔

مولاناؒ کے کاموں کا دائرہ کار اتنا وسیع اور متنوع تھا، اور ان کی فکرمندی ملت اسلامیہ اور قوم ووطن کے مفاد کے اتنے پہلوؤں میں تھی کہ ایک شخص میں وہ شاذ ونادر جمع ہوتی ہے، اسی لئے مولاناؒ کی رحلت کو ملت اسلامیہ کے ہر طبقہ اور ہر جماعت نے ایک بڑا سانحہ سمجھا، اور اس کو صرف امت اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ملک ووطن کے دیگر بہی خواہوں نے بھی خسارہ سمجھا، اور اظہار افسوس کیا، اور اس کو ایسا خلا قرار دیا جس کے آسانی سے پُر ہوجانے کی توقع نہیں ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دین وعلم اور ملک وملت کے لئے جو فکر وجد وجہد کی ان کے قدردانوں کا فرض ہے کہ اس کو جاری رکھنے کی فکر کریں۔ مولاناؒ جیسی شخصیات خال خال ہی پیدا ہوتی ہیں شاد عظیم آبادی نے خوب کہا ہے۔

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اے اہل زمانہ قدر کرو نایاب نہ ہوں کمیاب ہیں ہم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وحالات پر مختلف اہل قلم نے تصنیفات تیار کی ہیں، ان میں محترمی مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کی وقیع تصنیف ''میر کارواں'' بھی ہے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی

www.abulhasanalinadwi.org

حیات ہی میں شائع ہوگئی تھی۔ خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی زندگی کے واقعات اور حالات پر ''کاروانِ زندگی'' کے نام سے کئی جلدوں میں اپنی سوانح لکھی ہے، یہ سوانح تنہا کافی ہوسکتی تھی، اور مولانا کی جو غیر معمولی شخصیت اپنے عہد میں ابھری تھی، اور بین الاقوامی سطح پر دادو تحسین اور اظہار قدردانی کے لائق ثابت ہوئی تھی، وہ خود صاحب شخصیت کے قلم سے زیادہ واقعیت کے ساتھ سامنے آتی تھی، اور ان کی شخصیت کے سلسلہ میں، نیز ان کے اردگرد کے واقعات کے تعلق سے بڑا مواد پیش کرتی ہے، لیکن مولانا نے اپنی شخصیت کے خصوصی پہلوؤں کے سلسلہ میں صرف عمومی اور مختصر تذکرہ کیا ہے، لیکن ملک وملت کے تعلق سے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اس طرح گویا کہ ان کی سوانح ان کے عہد کی ایک تاریخ ہے۔ لیکن اپنی شخصیت کے اوصاف اور اس کی خصوصیات جو شخصی پہلو سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، ان کو مولانا نے تواضعاً کم ذکر کیا ہے، حالانکہ ان کی شخصیت میں ان کے شخصیت ساز پہلو بہت اہمیت رکھتے ہیں، اور ان سے مولانا کی کامیابیوں اور کارکردگی کی صلاحیتوں پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

بعض حضرات نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے یہ ضرورت ظاہر کی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ جس نے ان کو قریب سے بلکہ وابستگی کے ساتھ دیکھا ہے، مولانا کے وہ حالات بھی سامنے آجائیں، جن سے ان کی شخصیت کی تصویر بہت حد تک وسیع اور تقریباً مکمل سامنے آسکے۔ اس ضرورت کے احساس کی بنیاد پر مجھ سے بعض لوگوں نے اس کام کے کرنے کی فرمائش کی، میں نے کچھ تردد کے بعد اس فرمائش کے معقول ہونے کے احساس سے حامی بھرلی، لیکن میری مصروفیات ایسی ہیں کہ میں باقاعدہ اس کام کو انجام دینے سے قاصر تھا، لہٰذا میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں مختلف فرصت کے موقعوں پر زبانی عرض کروں گا، کوئی

www.abulhasanalinadwi.org

صاحب صلاحیت میرے کہنے کو قلم بند کرلے۔

چنانچہ میں نے جستہ جستہ اوقات میں اپنے مشاہدات و معلومات کو تحریر کرانا شروع کیا، اور اس کے لئے عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ کا۔ جو میری بھتیجی (۱) کے بڑے بیٹے ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندویؒ کے اخیر زمانہ میں ان کے قریب بھی رہے ہیں اور ان کو لکھنے پڑھنے کا سلیقہ بھی ہے، مولانا سے قریب رہنے کی وجہ سے متعدد باتوں سے واقفیت بھی رکھتے ہیں۔ انتخاب مناسب معلوم ہوا، اور انہوں نے اس کام کو اچھے انداز میں انجام دیا، اور مختلف موقعوں پر جب مجھے موقع ملا انہوں نے میری لکھائی ہوئی باتوں کو قلم بند کیا۔ اور پھر مختلف موضوعات کے سلسلہ میں جو مواد انہوں نے ضبط تحریر کیا اس کی ترتیب کا کام بھی انجام دیا، اس طرح اس کتاب کی تیاری میں وہ خاصی حد تک شریک کار رہے۔ ان کی فکرمندی اور تعاون نہ ہوتا تو شاید میں یہ کام انجام نہ دے سکتا۔

میں نے اپنی اس کتاب میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً میرے مشاہدات اور قریب سے واقفیت کا نتیجہ ہیں، امید ہے کہ اس سے وہ ضرورت جس کا اظہار لوگوں نے کیا ہے، مشاہدہ اور واقفیت کی حد تک پوری ہو سکے گی، اور وہ فائدہ سے خالی نہ ہوگی۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت سے متعلق مذکورہ بالا واقفیت کے حاصل کرنے کے لئے میرا انتخاب غالباً اس لئے کیا گیا کہ میری طالب علمی کے عہد سے مولانا کی وفات تک شاید مجھ کو سب سے زیادہ مولانا سے قریب رہنے کا

---

(۱) افسوس کہ وہ ۱۴ ارشعبان ۱۴۲۶ھ (۱۹ ستمبر ۲۰۰۵ء) دوشنبہ کی شب کو مختصر علالت کے بعد لکھنؤ میں قدرے کم عمری میں انتقال کر گئیں۔ اور رائے بریلی میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ غفر اللہ لها ورحمها رحمة واسعة

www.abulhasanalinadwi.org

موقع ملا۔ وہ میرے ماموں تھے، لیکن انہوں نے میرے اور میرے بھائیوں کے سلسلہ میں ہمارے والد سید رشید احمد حسنی کی پوری نیابت کی، وہ زمیندار خاندان کے فرد تھے، اور ان کے والد یعنی میرے دادا جناب سید خلیل الدین احمد صاحبؒ (برادر زادہ حضرت شاہ سید ضیاء النبی حسنیؒ) کو زمیندار کی حیثیت سے اپنے وطن میں بڑی عزت وشہرت حاصل تھی۔ اور انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے یعنی ہمارے والد صاحب کی بہتری کے لئے جو بولنے اور سننے میں کچھ معذوری رکھتے تھے خاص فکر کی۔ چنانچہ سوجھ بوجھ اور پڑھ لینے میں اور اپنی بات کو ایک حد تک ادا کر لینے میں ان کو صلاحیت حاصل ہوگئی تھی، وہ زندگی کے ضروری تقاضوں کو بحسن وخوبی انجام دے لیتے تھے، ان کی کوششیں زیادہ تر زمینداری کے دائرہ تک محدود رہیں لیکن ہم بھائیوں کی تعلیم وتربیت میں ہمارے ماموؤں کو اختیار دیا۔

ہم لوگوں کا زمانہ جب آیا تو اس وقت ہندوستان کی آزادی کا وقت قریب آچکا تھا، لیکن زندگی کے وسائل کچھ زیادہ کارگر نہیں تھے، انگریزوں کی بالادستی اور تعلیم وزندگی کے نظام پر ان کی گرفت ایسی تھی کہ مستقبل میں کامیابی کا انحصار انگریزی نظام تعلیم وتربیت کی راہ ہی سے سمجھا جاتا تھا، لیکن ہمارا ننھیال علماء کا اور دینی تعلیم وتربیت کے نظام کو ہی ترجیح دینے والا تھا۔ ہمارے نانا مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف ممتاز عالم دین اور دوسری طرف حکیم وطبیب تھے، اور ان کی فکری اور علمی مشغولیت اسلامی دائرہ کے اندر معروف ومشہور تھی، وہ ندوۃ العلماء جیسے ادارہ کے ناظم بھی تھے، انہوں نے اپنی اولاد یعنی مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب حسنی اور مولانا سید ابو الحسن علی صاحب حسنی ندوی کے لئے یہی راہ پسند کی تھی۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ہماری نانی صاحبہ جو ہمارے دادیہالی خاندان ہی سے تھیں، خاندان میں سب سے زیادہ دینی ذہن رکھنے والی تھیں، اور دین کی بڑی حمیت رکھتی

www.abulhasanalinadwi.org

تھیں، ان کا خاص اثر ان کے صاحبزادہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندوی پر اور اپنی دو صاحبزادیوں یعنی میری والدہ صاحبہ سیدہ امۃ العزیز اور میری خالہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ پر خاص طور پر پڑا، اور ہمارے نانا صاحب کا جلدی انتقال ہو جانے سے ان کو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی فکر بھی زیادہ کرنی پڑی۔

بہرحال ہماری والدہ صاحبہ رحمہا اللہ نے ہم لوگوں کی تعلیم و تربیت کی نگرانی اور سرپرستی ہمارے ماموؤں ہی کے ذمہ رکھیں، اور ہمارے والد صاحب نے اس کی پوری تائید کی، اگرچہ اپنے دوسرے داد یہالی عزیزوں کے درمیان دنیاوی تعلیم کے رجحان کو انہوں نے دیکھا تھا، اور اس کی اہمیت بھی کچھ نہ کچھ ان کے ذہن میں تھی، لیکن انہوں نے ہم لوگوں کے لئے دینی تعلیم ہی کا راستہ مناسب سمجھا۔ اس طریقہ سے ہم بھائیوں کو اپنے دونوں ماموؤں کی سرپرستی اور نگرانی حاصل ہوئی۔ اور ہم بھائیوں میں اتفاق سے مجھ کو اپنے چھوٹے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندویؒ کی نگرانی اور سرپرستی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوا، بلکہ میری تعلیم کا خاصا حصہ براہ راست ان کی استادی میں گزرا۔ اور پھر شاید اسی مناسبت سے بعد میں مجھ کو ان کی علمی مشغولیتوں میں خدمت اور تعاون کی سعادت بھی زیادہ ملی، اور عربی سے تعلق کے کاموں میں خدمت اور ذیلی طور پر تعاون دینے کا موقع ملا، اور باہر کے سفروں میں جو زیادہ تر بلاد عربیہ میں ہوئے، اکثر ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ ان کے علمی مسودات کو صاف کرنے اور پروف دیکھنے اور طباعت واشاعت کے سلسلہ میں جو خدمت درکار تھی، اس میں بھی خاصی حد تک لگنا ہوا۔ اس طریقہ سے مولانا کے ساتھ رہنے اور ان کو مختلف موقعوں پر کام کرنے اور کسی مسئلہ میں رائے رکھنے سے واقفیت کا موقع ملا، اور ان خدمات سے بڑی حد تک ان کے اطمینان و رضامندی کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک طرف مجھے ان کا بھانجہ ہونے کی وجہ سے شفقت حاصل رہی، دوسری طرف شاگردی کا تعلق ہونے کی وجہ سے عقیدت حاصل ہوئی، اور تیسری طرف ان کے کاموں میں خدمت کا شرف حاصل ہونے سے ذیلی مناسبت بھی حاصل ہوئی، شاید یہی وجوہ تھے کہ جن کی بنا پر ان کے قریبی حالات اور خصوصی صفات کو بیان کرنے کے لئے میرا انتخاب لوگوں کے ذہن میں آیا۔

مولانا سے میرا قرابت کا تعلق صرف نانیہالی نہیں بلکہ دادیہالی بھی ہے، میرے دادا اور میرے نانا دونوں ماموں پھوپھی زاد بھائی تھے، اور اوپر چند پشتوں کے بعد ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔ اس طرح نانیہالی رشتہ کے ساتھ دادیہالی رشتہ بھی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ نانیہالی تعلق اقرب ہے، اور دادیہالی تعلق اس کے بعد ہے۔ یہ تعلق میرے لئے سعادت وشرف کی بات ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے مجھے ان مضامین کے لکھنے کی فرمائش کو قبول کرنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ان مضامین کی نقل وترتیب اور پھر ان کو کتابی شکل میں لائق طباعت بنانے میں مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ کا تعاون تو خصوصی رہا، ان کے علاوہ میرے بھتیجے اور مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے چھوٹے صاحبزادہ مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی سلمہ کا تعاون بھی رہا اور وہ بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری برسوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریب اور وابستہ رہے تھے۔ ان کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے مولوی اقبال احمد ندوی سلمہ (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) کا بھی حصہ رہا، ان کا تعاون مجھے میرے دیگر علمی کاموں میں پہلے سے رہتا رہا ہے۔ میں ان تینوں کے تعاون کی قدر کرتا ہوں۔

میں اسی کے ساتھ مزید لائق قدر وشکریہ محترمی مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس

www.abulhasanalinadwi.org

ندوی صاحب (اطال اللہ بقاءہ) کے تعاون کو سمجھتا ہوں، جنہوں نے ایک قریبی واقف کار کی حیثیت رکھتے ہوئے اپنے شگفتہ اور رواں قلم سے کتاب کا مقدمہ تحریر فرمایا۔(۱)

برادر عزیز مولوی سید محمد واضح سلمہ نے بھی اس کتاب پر نظر ڈالی اور مفید مشورے دیئے، اللہ ان سب کو بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں ہم بھی قاری حبیب احمد صاحب لکھنوی کے خاص طور سے ممنون ہیں کہ ان کی کوششوں کا بھی اس کتاب کی اشاعت کے مصارف میں اہم حصہ رہا، اللہ تعالیٰ انہیں اور سب معاونین کو(۱) جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں تعاون دیا اجر جزیل عطا کرے، اور اس کو امت کے لئے نافع بنائے اور ہمارے لئے باعث اجر وثواب کرے، آمین۔

محمد رابع حسنی ندوی
حال وارد مہمان خانہ انجینئر شمیم احمد انصاری صاحب
دہرہ دون، اترانچل

یکم رجمادی الاول ۱۴۲۶ھ
۹ رجون ۲۰۰۵ء، جمعرات

---

(۱) افسوس کہ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی نے یکم ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ کو حجاز مقدس میں انتقال کیا، اور مسجد حرام مکۃ المکرمہ میں ان کی نماز جنازہ حج کے موقع سے لاکھوں افراد نے ادا کی اور جنت المعلی میں تدفین عمل میں آئی، رحمۃ اللہ واسعۃ وادخلہ فی جنت النعیم ادارہ کے لئے مسرت کی بات ہوتی کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں شائع ہوتی۔(ناشر)

(۱) جن میں خاص طور پر مولوی انیس احمد ندوی قابل ذکر ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مقدمہ

از: حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، ومعتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہ کی وفات کو پانچ سال گذر گئے، چھٹا سال چل رہا ہے، اس عرصہ میں آپ کی سوانح کے مختلف گوشوں پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی۔ ان میں ایک مکمل ترجمہ حیات ہے۔ بلال میاں کے قلم سے ہے۔ ان کے والد عالم اسلام کے تسلیم شدہ صاحب قلم مولانا سید محمد الحسنی تھے، جو حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کے لخت جگر، نور نظر، امیدوں کے مرجع اور وہبی صلاحیتوں کے جامع تھے۔ سوانح نگاری اور وہ بھی اہل دین، اہل علم اور صاحب فیوض و برکات بزرگوں کی سوانح لکھنا اس خاندان کا خاص ذوق ہے، "نزهة الخواطر" جس کی مثال ہے۔ اسی طرح حضرت مولاناؒ نے اپنی خودنوشت سوانح ''کاروان زندگی'' کے پہلے حصہ میں تحریر فرمادی ہے، جب کہ دوسرے حصہ میں حضرت کی زندگی میں پیش آنے والے عزیمت کے واقعات جیسے مسلم مجلس مشاورت کا قیام، دینی تعلیمی کونسل کا کام، تحریک پیام انسانیت کا قیام اور ہزیمت کے قصے جیسے مصر پر اسرائیل کا غلبہ اور سقوط ڈھاکہ وغیرہ، ان پر حضرت کا تأثر۔ اسی دوران مسلم پرسنل لا کے ذریعہ کام، ادب اسلامی کی تحریک

www.abulhasanalinadwi.org

عالمی حوادث اور عربوں سے صاف صاف باتیں ہیں۔ ایسی باتیں جن میں کوئی لچک اور خوشامد یا جھکاؤ کا پہلو نہیں تھا، بلکہ ایک فریضہ کی ادائیگی مقصود تھی، اور وہ فریضہ کی ادائیگی بھی قانونی، اصولی اور سیاسی نوعیت کی ضرور تھی مگر حضرت کی فطرت کا ابال تھا، ایک اندرونی جوش تھا، ایک ہیجانی کیفیت تھی، جوان کے ہر بُنِ مُو سے آشکارا تھی۔

حضرت کے دوسرے سوانح نگار یا ان پر اپنے ذاتی تأثرات کا اظہار کرنے والے اور ان کی زندگی کے الہامی پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے بھی ایک نہیں، کئی ہیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، اور ان میں یہ راقم خاکسار بھی ہے، جس نے ''میر کارواں'' کے نام سے اپنا عقیدت نامہ مرتب کیا ہے۔ لیکن ان تمام لکھنے والوں میں حضرت مولاناؒ کی حیات پر جو سب سے زیادہ قوت کے ساتھ اپنے مشاہدات کی روشنی میں لکھ سکتا تھا وہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے تادیر کام لے۔ مجھے بعض مرتبہ یہ خیال آیا کہ مولانا رابع میاں خود حضرت مولاناؒ کی تصویر ہیں اور تصویر مجسم ہیں، صورت شکل بھی حضرت سے مل گئی ہے۔ خیر یہ بات اس لئے بھی ہے کہ وہ ان کے حقیقی بھانجے ہیں، اور ایک خون کے دو پیکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ پر جو انعامات خصوصی فرمائے ہیں ان میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بخشش کا نمونہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کو ایسا جانشین دیا جو بلا نزاع ان کا آئینہ ہے، لیکن پھر بھی دل یہ چاہتا تھا کہ وہ لکھتے تو کچھ اور ہی بات ہوتی۔ لوگوں کے لئے جو کانوں سنی باتیں ہیں ان کے لئے آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ لوگوں نے یہ سنا کہ حضرت مولاناؒ کی تربیت اور ان کے اندر للّٰہیت کا جوہر اور دین کے لئے خدمت کا جذبہ اور دین پر قربان ہونے کی تمنا ان کی والدہ کا عطیہ تھا، ان کی تربیت کا ثمرہ، ان کی مناجاتوں اور دعاؤں کی قبولیت کا تحفہ تھا۔ مولانا رابع میاں کے لئے یہ باتیں سنی ہوئی نہیں بلکہ ان کی نانی صاحبہ کے اوراد و وظائف، طویل دعائیں اور شب بیداریاں

www.abulhasanalinadwi.org

گھر کی باتیں تھیں۔ پھر وہ سفر اور حضر میں حضرت کے شریک سفر ہی نہیں، مختار عام بھی تھے، وکیل بھی تھے، ان کی طرف سے ان کے مزاج کے مطابق بیانات بھی دینے والے تھے، اور جس بات کی ذمہ داری حضرت نے اپنے لئے لی، اس کو عملی طور پر نافذ کرنے والے بھی مولانا رابع میاں رہے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ سوانح کے نام پر تو نہیں، لیکن وہ کانٹے کی باتیں اور ایسے مشاہدات بیان کئے جو گویا خود ان پر گذرے ہوئے حالات تھے، ان کو جستہ جستہ مقالات کی شکل میں لکھتے رہے، جن کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے، اور لوگوں نے بھی لکھا اور دلی عظمت و محبت کے جذبہ سے لکھا، میں کسی کی خدمت کی ناقدری کرنے کا قائل نہیں، بلکہ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

جس نے بھی لکھا ہے، اپنے مشاہدات اور جذبات کا نچوڑ پیش کیا ہے، کسی سے لکھوایا نہیں گیا ہے، ہر ایک نے اپنے مشاہدات و جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں ضخیم اور مختصر بھی، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، تأثراتی خاکے، مقالات کے مجموعے، مستقل سوانح مختلف عناوین سے شائع ہوتے رہے، اور الحمدللہ ان کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا رابع میاں کا مضمون "مولانا علی میاںؒ کی شخصیت کی تشکیل کے اہم عوامل" ابتدائی زندگی کا بہترین خاکہ ہے۔ مولانا نے اس میں ۱۸۵۷ء سے لے کر آخری دور تک کے عرصہ میں ابھرنے والی شخصیات کا حوالہ دیتے ہوئے مولاناؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا گھرانہ ننھیال کے اعتبار سے زمیندار اور رکھا تا پیتا خاندان تھا، مگر دین کی سطوت اور اس کا غلبہ پوری طرح حاوی تھا، زمینداری اور دینداری دونوں دوش بدوش چلتی رہی، اور آبائی وراثت، زہد اور عفاف، دعوت و سرفروشی، دعا اور مناجات، تزکیہ اور انابت کی دولت عطا کرتی رہی۔ اور یہ دونوں دھارے ایک

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرے میں مدغم ہوکر چلتے رہے۔ مولانا رابع میاں کی بات کو اگر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طرز تفہیم میں منتقل کرنا چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ بشریت کے تقاضے اور روحانیت کا جذب دونوں طاقتیں اپنی اعلیٰ قوت کے ساتھ آپ کے خاندان میں جمع تھیں، اوران دونوں کے درمیان اتفاق وتوازن تھا، افتراق ونزاع نہیں تھا۔ اور جس مٹی سے مولاناؒ کا ڈھانچہ گوندھا گیا اس میں نہ جوگیوں اور سنیاسیوں کی جیسی رہبانیت تھی اور نہ اہل ہوس کے جیسی نہ ختم ہونے والی دنیاوی طمع۔ حضرت مولاناؒ کی شخصیت کی تشکیل میں جن عناصر نے کام کیا اس پر تمام سوانح نگاروں کا اتفاق ہے، اور یہی مولانا رابع حسنی نے لکھا ہے کہ والدہ کی تربیت، مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تعلیم، حضرت مدنی مولانا حسین احمد قدس سرہ کی دعائیں، حضرت تھانویؒ کا جوہر پاک کو پہچان لینا اور دعائیں دینا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مجدد دعوت وتبلیغ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، شیخ طریقت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کی روحانی توجہات اور وقت کے تمام دوسرے مشائخ جیسے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، شاہ محمد یعقوب مجددیؒ اور پرتاپ گڑھ کے مولانا محمد احمد صاحب پھولپوریؒ، سب کی دعائیں اوران کی گرویدگی نے ایک انسانی مجسمہ کو عنایت الٰہی کا مورد اور آماجگاہ بنادیا۔ مولانا رابع میاں نے بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے، اوران کی بات مستندترین بات ہے، ان کے گھر کی بات ہے، آنکھوں دیکھی بات ہے۔

لیکن ایک دورافتادہ عاجز راقم کا خیال اوراس کا تجزیہ دوسرا ہے۔ ناچیز کے خیال میں اول وآخر حضرت کی والدہ اور بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کی ظاہری اور باطنی پرورش اور تربیت نے مولاناؒ کے مسِ خام کو کندن بنادیا، اور وہ جوہرِ قابل بنادیا جس کو وقت کے تمام جوہریوں اور ہیرے موتی سجانے والے، فطرت انسانی کو نکھارنے والے اللہ تعالیٰ سے بندۂ خاکی کا تعلق قائم کرنے والے بزرگوں

نے اپنی عنایات وتوجہات کا مرکز بنا دیا، اصل چیز وہ جوہر تھا جس نے ان جوہریوں کو ان کی طرف متوجہ کیا۔ ہم ان کے تذکرہ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، امام تبلیغ حضرت دہلوی مولانا محمد الیاس صاحبؒ، بعد کے دور میں مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کو پہلی ملاقات میں ان کا جوہر نظر آگیا، اور برسوں کے آنے جانے والوں کے درمیان مولاناؒ کی شخصیت بزرگوں کی قریب ترین شخصیت بن گئی، اس کا سبب ۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

یہ آداب فرزندی خود ان کی والدہ نے ودیعت کیا تھا، بڑے بھائی نے اس کی تربیت کی تھی، پھر وہ جہاں گئے ایک گلاب بن کر گئے، اور بزرگوں کی نظرہائے التفات نے ان کے وجود کو کلی سے پھول اور پھول سے گلاب کر دیا۔

مولانا رابع میاں نے یہ باتیں اپنے پاکیزہ اسلوب بیان میں لکھی ہیں، جن کو میں نے اپنے رکیک انداز گفتگو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، شخصیت کی تشکیل کے اہم عوامل یہی تھے۔

حضرت مولاناؒ نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے آپ کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کا ایک فرد پایا، جن کے کارنامے آج بھی اہل ایمان کی رگوں میں محبت، اللہ کی طرف یکسوئی، انابت اور جان دینے کی تمنا پیدا کرتے ہیں، مولاناؒ نے یہ صفات وراثت میں پائیں، تبلیغ و دعوت کا سیدھا سادہ طریقہ جوریا اور نمائش کے کاموں سے دور، بادشاہ اور مزدور دونوں کی رعایت منظور تھی۔

انہوں نے ملک سعود اور ملک فیصل کو مخاطب کیا، اور پاکستان کے صدر ضیاء الحق کو بھی، اور اردن کے شاہ عبداللہ کو بھی، اور مراکش کے شاہ حسن کو بھی، اور لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

کے دیہی علاقوں کے باشندوں کو بھی دعوت دی، اور ہر ایک کے قد و قامت کو دیکھتے ہوئے اس کی سمجھ اور قوت ادراک کے مطابق اللہ کا پیام ان کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی۔ ان کا طریقۂ کار ہندوستان میں وہی تھا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا رہا ہے، اللہ نے جن کو بروقت خبردار کیا تھا، اور جو ہندوستان میں ملت بیضا کے نگہبان تھے، نگہبان تو صرف اللہ تھا، لیکن اس نے اپنے جن بندوں سے یہ خدمت لی اور تعمیر جہاں کے لئے منتخب کیا ان میں مولانا علی میاںؒ بھی یہاں نہیں تو وہاں، دنیا میں نہیں تو آخرت میں، یقینی شمار کئے جائیں گے۔ مولاناؒ نے عملی زندگی میں پہلا قدم دعوت کی سرزمین پر اٹھایا اور اللہ سے وابستگی کی زمین پر رکھا، اور زندگی کی آخری سانس اس وقت لی جب کہ ان کے لبوں پر ﴿فبشره بمغفرة و أجر كريم﴾ کی آیت پاک تھی۔

مولانا کا تعلیمی نظریہ مدرسہ کی چہار دیواری میں بند نہیں تھا، انہوں نے مشرق و مغرب کے پیمانے دیکھے تھے، معیار تعلیم کو پرکھا، جانچا اور ٹٹولا تھا۔ تاریخی اعتبار سے کس میں کن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، اس کا مطالعہ وہ کر چکے تھے، اور کس زمانہ میں معیار قابلیت کیا تھا، اور اس زمانہ میں دینی دعوت پیش کرنے والوں کو کن صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے، چنانچہ خود انہوں نے اپنا ایک تعلیمی نصاب تجویز کیا۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس نصاب کی تنفیذ میں دست و بازو بن کر کام کرتے رہے، اس لئے اس موضوع کا بھی حق تھا کہ مولانا رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اس پر روشنی ڈالیں، یہ کام انہوں نے بہت خوبصورتی سے ان اوراق میں پیش کیا ہے جو آپ کے پیش نظر ہے۔

مولاناؒ کے نزدیک ''ادب'' الفاظ و ترکیب کی نمائش کا نام نہیں ہے، بقول سید علی طنطاوی مرحوم کے کہ الفاظ و ترکیب کے کیچڑ جو ہمارے نصاب کی کتابوں

www.abulhasanalinadwi.org

میں پیش کیے گئے ہیں وہ ادب نہیں ہے، ادب وہ ہے جس کو ایک ہندوستانی عالم شیخ ابوالحسن علی ندوی نے سمجھا اور اس کا نمونہ " قصص النبیین " اور " القراءۃ الراشدۃ " اور " مختارات "میں پیش کیا ہے۔اور جس کے متعلق سید قطب شہیدؒ نے کہا ہے کہ بچوں کے لئے دینی کتابوں کی تصنیف اور تصنیف شدہ کتابوں کا جائزہ لینے کی خدمت میں خود انجام دے چکا ہوں، لیکن حق یہ ہے کہ سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ان سب پر فائق ہے، اور جس کے متعلق ریاض کے ماہر تعلیم معالی الشیخ عبدالعزیز رفاعی نے کہا ہے کہ میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر کتاب لکھی، ان کی شاعری کا تجزیہ کیا، لیکن میری نگاہ کو ان کی ادبی جمال کی طرف مائل کرنے کا کام شیخ ابوالحسن علی ندوی نے کیا۔ خاکسار راقم کی نظر میں تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس لئے آئیں کہ میں نے مختلف رسالوں میں اور کتابوں میں پڑھا ہے، مگر مولانا رابع حسنی ندوی مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ مولانا کا نظریۂ تعلیم کن خطوط پر مبنی تھا، مولانا رابع حسنی نے لکھا ہے کہ:

’’مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عصری تعلیم رکھنے والے اعزہ کے ذریعہ نیز خود اپنے براہ راست مطالعہ سے یورپ کی برتری کے اسباب سے اچھی واقفیت ہوگئی تھی، اس کی بناپر مولانا رحمۃ اللہ علیہ مغربی قوموں کی دنیاوی برتری کو ذہنی برتری کا نتیجہ تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کی برتری کو ان کے مخصوص علمی و عملی اسباب کا نتیجہ سمجھتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اسلام کے عطا کردہ ذہن اور نبوت محمدی کے عطا کردہ طریقۂ عمل کی برتری کا پورا یقین تھا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ اگر ہم اس طریقۂ عمل کو اختیار کرلیں اور مغربی قوموں کی اجتہاد کردہ اور تجرباتی کوششوں سے حاصل کردہ علمی و عملی تدابیر سے بھی کام لیں جن سے مغربی قوموں نے فائدہ اٹھا کر برتری حاصل کی ہے تو ہم مغربی قوموں سے بہتر مقام و حیثیت

حاصل کرسکتے ہیں"۔

مولانا رابع حسنی اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

"مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں تعلیم کے دونوں پہلو تھے، عصری تعلیم کے تعلق سے یہ دیکھنا کہ دینی وعملی زندگی کے لحاظ سے وقت کے لحاظ کیا ہیں ان تقاضوں کے مطابق زندگی کے جو انفرادی اور اجتماعی ہیں ان سے متعلقہ کے مضامین میں ضرورت کے مطابق صلاحیت پیدا کرنا، اور دینی تعلیم کے دائرہ میں اسلام کی فطری اور دینی برتری کو دیگر افکار کے مقابلہ میں بہتر وبرتر محسوس کرنا، اور اس کی اس برتری پر اعتماد پیدا کرنا، اور امت کے خیر امت ہونے کی بنیاد پر دعوت کے کام کی صحیح صلاحیت پیدا کرنا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا نصاب ایسا بنانا چاہئے جو مذکورہ بالا صلاحیتوں کو پیدا کرسکے، عصری تعلیم کی درس گاہوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ وہاں سماجی اور انسانی علوم کا نصاب مغربی فکر کے حاملین کا تیار کردہ ہے، جن کا عقیدہ خالص مادی اور ملحدانہ نقطۂ نظر کا ہے، یہ امت مسلمہ کی ضرورت اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔"

مولانا رابع حسنی نے مولاناؒ کے نظریۂ تعلیم کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے، اور یہی حال مولانا محمد الحسنی مرحوم کا تھا، یہ دونوں اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے صرف معلومات نہیں حاصل کی ہیں، نظریہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، بلکہ نظریہ کو پی لیا ہے، اپنے اندر جذب کرلیا ہے، وہ خود ایسی آنکھ بن گئے ہیں

جس سے مولاناؒ دیکھا کرتے تھے، اور یہ ان کے خاندان کی خصوصیت بھی ہے۔

مولاناؒ کی زیر تصنیف کتاب میں جو مقالات پر مشتمل ہے، میرا خیال ہے کہ یہ بات ہر شخص نہیں لکھ سکتا تھا، جب تک کہ اس کو وہی صحبت نہ حاصل ہوئی ہوتی جو مولانا کو اور ان سے پہلے محمد میاں کو حاصل تھی۔

ادب اسلامی کے سلسلہ میں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا صرف یہاں تک محدود نہیں تھی کہ ادب کی کتابوں میں دینی مضامین کا ایک حصہ ہے۔ آج کل عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کی وزارت تعلیم کے لئے جو کتابیں تیار کی جاتی ہیں ان میں بڑا جزء قرآن واحادیث کا بھی ہوتا ہے، کئی کئی سورتیں اور متعدد احادیث پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اردن نے بھی ثانویہ کی کتابیں سعودی وزارت میں استعمال کردہ قبول کی ہیں۔ مصر تو اس معاملہ میں امامت کا درجہ رکھتا ہے، اور اس کی تیار کردہ کتابیں پورے خلیج اور عرب ممالک میں بلکہ مغربی عرب مراکش، الجزائر، مورتانیا اور لیبیا میں چل رہی تھیں۔ لیبیا نے اس سے ضرور انحراف کیا ہے، اس کا ذکر نہیں، لیکن دوسرے ممالک میں جو ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لئے نصاب تیار ہوئے ہیں، ان میں ادب کا حصہ دینیات سے خالی نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نظریۂ تعلیم مصری نظریۂ تعلیم سے مختلف تھا، وہ ادب میں دین کو اس طرح داخل کرتے جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں شکر یا نمک ملا کر ایک کر دیا جائے، وہ ادب کی موجودہ تعریف کو پسند نہیں کرتے تھے، اور عرب ماہرین فن نے جو ان کی تصنیف کردہ کتابوں کو اپنی تصنیف کردہ کتابوں پر ترجیح دی، وہ صرف یہ نہیں تھا کہ وہ اچھے کاغذ پر خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مصور اور رنگین بنا کر پیش کیا گیا ہے، اور عربی کے غریب الفاظ اور پیچیدہ ترکیبوں کو ادب سمجھا جانے لگا، حالانکہ اس سے زیادہ بے ادبی کے نمونے نہیں مل سکتے جو "نفحة اليمن"

www.abulhasanalinadwi.org

میں پائے جاتے ہیں۔قلیوبی اس سے غنیمت ہے مگر فنی لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

مولانا نے ایک تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے کہ ادب کا ڈھانچہ بدل دیا، اس کی تعریف جو کئی سو برس پہلے سے چلی آرہی تھی غلط نظر آنے لگی۔اسی سلسلہ میں ادب اسلامی کی تحریک جب مصر وشام کے فضلاء نے شروع کی تو اس کی صدارت حضرت مولاناؒ کے سپرد کی، اور مولاناؒ نے اس ادب کو متعارف کرایا جس کا نمونہ آج مراکش سے نکلنے والے "المشکاۃ" اور ریاض سے نکلنے والے "الأدب الإسلامي" اور ہندوستان سے شائع ہونے والے ''کاروان ادب'' میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کے اندر جدید علم الاصنام کو جب حکومت وقت نے پھیلانا شروع کیا اور اسلام کو ساتویں اور آٹھویں نمبر پر منجملہ دیگر مذاہب کے رسوم ورواج کا ایک نمونہ دکھلانا چاہا تو اس کی مخالفت مولاناؒ نے کی، اور قاضی عدیل عباسی مرحوم نے جب اس کا توڑ اپنے طریقہ پر کیا تو اس کا کھل کر ساتھ دیا۔مولاناؒ کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ کوئی مفید کام میرے گھر سے شروع ہو تو کام ہے، ورنہ وہ بے کار اور ناکام ہے۔مولاناؒ کے یہاں یہ نہیں تھا کہ اس کام سے میرا اور میرے باپ دادا اور میرے ادارہ کا نام روشن ہوگا۔مولاناؒ کے یہاں اس بات کی اہمیت تھی کہ رسول کریم (ﷺ) کا نام نامی جہاں روشن ہو، اللہ کا کلام اور اللہ کی باتیں ہماری ذہانت کی اعلیٰ سطح اور ہماری عقلیت کا معراج ہو، وہ قابل قبول ہے، خواہ وہ کام مشرق سے شروع ہو یا مغرب سے۔وہ دیوبند کے بھی قدرداں تھے، سہارنپور کے بھی بہی خواہ تھے، اور جہاں جہاں اللہ کا نام جس پیمانہ پر لیا جارہا ہے، وہ ان کی قبلہ گاہ تھی۔اور جہاں اس سلسلہ میں کوتاہی ہو اس کے وہ دشمن تھے۔خواہ مصر کے جمال عبد الناصر ہوں جن کے ذاتی پروپیگنڈے سے محیط سے خلیج تک ایک ہوا بہہ رہی تھی، اس کو بھی خاطر میں نہیں لائے، اور اعلانیہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اس کا انکار کرتے

رہے۔ ہندوستان کی ایک مظلوم اور مقہور قوم کا ایک فرد جس کا حکومت میں ایک کاغذ کو بھی ہلانے کا اختیار نہ ہو وہ پچاس ملین آبادی کے ملک نیل وفرات کے شہنشاہ، فراعنۂ مصر کے تخت نشیں، روس اور امریکہ کے نورِ دیدہ اور لختِ جگر کی مخالفت کرے اور سینہ ٹھونک کر سامنے آجائے، یہی وہ غیرت ہاشمی تھی جس نے سید احمد شہیدؒ کو اپنی جگہ سے اٹھایا، اور وہی ورثہ تھا جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ملا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سیرت وسوانح پر عربی اور اردو میں بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں اور نکل رہی ہیں، ان کا نام ایک سکۂ رائج الوقت بن چکا ہے، ان کی ذات اور ان کے قلم سے جس کتاب کو نسبت ہے اس کو عرب پریس فخر کے ساتھ شائع کر رہا ہے، یہاں تک کہ کتابوں پر لکھے ہوئے مقدمات، تبصرے اور آراء پر بھی مشتمل مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے اور وہاں کی مقبولیت کا ثمرہ ہے جو تمام مسلمانوں کی آبرو و سرچشمہ ہے ع

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

کا سبق الحمد للہ آج اسی قوت کے ساتھ لیا جا رہا ہے، پڑھا جا رہا ہے، لوگوں کو سنایا جا رہا ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھا۔

میرا خیال ہے کہ اگر یہ کتاب مولانا سید محمد رابع حسنی نہ لکھتے تو اسلامی لٹریچر میں ایک بڑی کمی رہ جاتی، اور انہوں نے یہ کتاب لکھ کر اپنے ''ماموں جی'' کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ امت اسلامیہ کی ایک خدمت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت اور نوازشات سے سرفراز رکھے۔

عبداللہ عباس ندوی

مکہ مکرمہ ۲۹/۵/۲۰۰۵ء

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

باب اول

حالات زندگی

ایک مختصر جائزہ

www.abulhasanalinadwi.org

حالات زندگی - ایک مختصر جائزہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ (خاندانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ محرم الحرام کی ۶ر، اور دسمبر کی ۵ر تاریخ تھی، اور جمعہ کا دن تھا)۔ مولانا کا وطن رائے بریلی کا ایک مضافاتی گاؤں ہے جو دائرہ شاہ علم اللہ کے نام سے موسوم ہے، اور عرف عام میں تکیہ کلاں کہلاتا ہے، مولانا کی پیدائش اسی گاؤں میں ہوئی، اور بچپن کے آغاز کا زمانہ بھی وہیں گذرا، اس گاؤں میں صرف مولانا کے اعزہ ہی کے مکانات تھے، جو عام طور پر پڑھے لکھے تھے، اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کے بچپنے کی تعلیم و تربیت اسی ماحول میں ہوئی، نو سال کی عمر میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا جو ممتاز عالم دین اور محقق و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ طبیب بھی تھے، طبابت کا پیشہ ہی ان کے گھریلو مصارف کا ذریعہ تھا، اس کے ساتھ وہ ندوۃ العلماء جیسے بڑے تعلیمی ادارہ کے ناظم (سربراہ) بھی تھے۔ مولانا کی والدہ صاحبہ بہت پاکباز اور بلند سیرت و اخلاق کی خاتون تھیں، اور علم و ادب میں بھی دستگاہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے مولانا کو دنیاوی لحاظ سے تعلیم و ترقی کی راہ پر ڈالنے کے بجائے دینی راہ اور علوم دینیہ کی تحصیل میں لگایا۔

مولانا اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے، مولانا سے بڑی ان کی دو بہنیں تھیں، جو مولانا کا چھوٹے بھائی ہونے کی حیثیت سے بہت خیال کرنے والی

www.abulhasanalinadwi.org

بہنیں تھیں، اور گھر کے اندر مولانا کو ان کی شفقت بھی حاصل تھی۔ دونوں بہنوں کا ذوق اپنے والد صاحب کی طرح علمی بلکہ خاندان کے علمی اور دینی رجحان کا تھا۔ اور اس کے اثر سے مولانا کو بھی ان کے ساتھ اپنی کم عمری ہی میں کتابوں کو سمجھنے سے پہلے ہی سے کتابوں سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اور والد صاحب اور بھائی صاحب کے علمی ذوق ور جحان کا اثر بطور مزید تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب، جو مولانا سے عمر میں بیس سال بڑے تھے، انہوں نے دینی تعلیم مکمل کر کے اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر طب یونانی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ مزید یہ کہ طبابت کی جدید لائن اختیار کی، اور M.B.B.S. ہوئے، لیکن اپنی میڈیکل تعلیم کی تکمیل سے قبل اپنے والد کی سرپرستی سے محروم ہو گئے، لہذا یہ چھوٹا سا گھرانہ بہت مشکلات میں پڑا، ان ہی مشکلات کے ساتھ بڑے بھائی نے تعلیم کی تکمیل کی، اور پھر انہوں نے جدید طبابت کا پیشہ اختیار کیا، اور اس میں ان کو کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نہ رہنے کی کمی کو بھی پورا کیا، اور حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت کی کی طرف خصوصی توجہ کی۔ ان ہی کی سرپرستی میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیم کی تکمیل کی، اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس کا منصب حاصل کیا، تعلیم کے دوران حدیث، تفسیر، ادب کے علوم کی تحصیل میں خصوصی توجہ رکھی تھی، چنانچہ مدرسی کے دوران تفسیر و ادب ان کے خصوصی مضمون رہے، مولانا کا چونکہ ادب عربی سے ذوق اور علمی حیثیت سے گہرا ربط تھا، اس لئے تفسیر میں قرآن مجید کی اصل عبارت کے فہم و تفہیم میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خصوصیت حاصل تھی۔

عربی ادب میں مولانا کے دو اہم استاد رہے تھے، ایک شیخ خلیل عرب صاحب جنہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کو ادب کا ذوق و استعداد پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے میں مددودی تھی، اور مدرس ہو جانے کے بعد مولانا کوایک دوسرے ماہرفن ادب شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کی بھی توجہ حاصل رہی تھی، جنھوں نے ادب کی فنی خصوصیات سے گہری واقفیت کے حصول میں بڑی مدد کی۔ اردوادب میں مولانا نے اپنے خاندان کے بعض محترم عزیزوں سے جن میں مولانا ابوالخیر صاحب برق خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، استفادہ کیا تھا۔

تفسیر میں مولانا نے اپنے عہد کے مشہور صاحب طرز استاد تفسیر جوتزکیۂ باطن وللّٰہیت کی خصوصیات کے بھی مالک تھے، لاہور جاکراستفادہ کیا تھا، اوران کے تفسیری دروس میں باقاعدہ شرکت کی تھی۔ اس سے پہلے ایک سفر میں ان سے حجۃ اللہ البالغۃ بھی پڑھ چکے تھے۔ اوران سے تزکیۂ باطن میں بھی تعلق قائم کیا تھا، اوراس لئے اس سلسلہ میں بھی وہاں جاکر کچھ مدت قیام کیا تھا۔ حدیث شریف کی تعلیم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا حیدرحسن خاں صاحب ٹونکی سے حاصل کی تھی، اور بطوراستفادۂ مزید دارالعلوم دیوبند جاکروہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بھی استفادہ کیا تھا۔

تیرہویں صدی کے مجددومجاہد اور ہندوستان کی تحریک اصلاح وجہاد کے علمبردار امیرالمومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳ سال کی عمر میں اردو میں اپنی پہلی تصنیف ''سیرت سید احمد شہید'' لکھ کر وقت کی اہم ضرورت پوری کی، جس کو مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے بہت قدر سے لیا، اوراس کووقت کی ضرورت محسوس کیا، اس کتاب سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف پورے ملک کے دین پسند تعلیم یافتہ طبقہ میں عام ہوا، یہ کتاب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۶ء میں شروع کی، اور تین سال میں اس کی تکمیل واشاعت ہوئی۔

اس کتاب کی تصنیف سے خود مولانا میں ایک جذبۂ عمل پیدا ہوا، جس کے

www.abulhasanalinadwi.org

نتیجہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پورے برصغیر کا ایک دورہ کیا، اور اسلام کی دعوت اور اسلام کے فروغ کے سلسلہ میں کام کرنے والوں کے متعلق معلومات حاصل کیں، اس کی روشنی میں میدان عمل میں جن کی خصوصیات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں آئیں، ان سے مولانا کے ذہن نے دعوتی دینی مقصد کے لئے کام کرنے کی راہ منتخب کی۔

اس سلسلہ میں جہاں دین کے مختلف داعیوں اور مربیوں سے ملاقات ہوئی، وہاں وقت کے اسلامی الفکر شاعر ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات ہوئی، ڈاکٹر محمد اقبال سے مولانا کی یہ آخری ملاقات تھی، جو سیرت سید احمد شہید کی تصنیف کے بعد ہوئی، مولانا لاہور کے اپنے پچھلے سفروں میں ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کر چکے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکٹر صاحب کے اسلامی سر بلندی کے مضمون کے موثر شاعرانہ اظہار سے بڑا اچھا تأثر ہوا، اور ڈاکٹر اقبال کی اسلامی خودداری اور سر بلندی کی حامل شاعری کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ جس کے نتیجہ میں مولانا نے ڈاکٹر اقبال کے اس نقطۂ نظر کو اپنی تصنیفات میں سراہا ہے کہ اسلامی سر بلندی اور دنیا کی قیادت اور انفرادی زندگی میں خود اعتمادی اور بلند حوصلگی کو خدا کا خصوصی عطیہ سمجھتے ہوئے اختیار کرنا چاہئے۔ یہ نقطۂ نظر اور ڈاکٹر اقبال کی خودی کی اصطلاح ان کے دواوین میں پوری طرح جھلکتی ہے۔

مولانا نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنے مقررہ مضامین درس کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہن سازی اور نئی نسل کی تعلیمی وتربیتی فکر کے کام کو اپنایا، مولانا رحمۃ اللہ کی ملاقات مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سے بھی ہوئی، اور ان کی تحریریں اور جدید ذہن کو موثر انداز میں مخاطب کرنے کا طریقۂ کار مولانا کو پسند آیا، اور انہوں نے اس کی اہمیت محسوس کی، اور موجودہ جدید تعلیم یافتہ ذہن کے لئے بھی اس کی اہمیت سمجھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہما سے مولانا نے اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس

www.abulhasanalinadwi.org

کے سلسلہ میں خصوصی تعلق پیدا کیا اور ان دونوں بزرگوں کا اعتماد اور شفقتیں حاصل کیں، اور ان کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ ان کی تربیت وارشاد نے مولانا کے ذہن وطریقۂ عمل کو بہت متاثر کیا۔ اس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دعوت واصلاح کو قریب سے سمجھنے کا موقع ملا، اور مولانا نے اس کی بہت اہمیت محسوس کی، اور اس میں بھرپور حصہ لینا شروع کردیا۔ اس کے نتیجہ میں مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات مولانا کو حاصل ہوئیں، اور رفاقت و معاونت کا بھی موقع ملا، مولانا ان ساعتوں کو اپنی زندگی کی قیمتی ترین ساعات سمجھتے تھے نیز عالم جلیل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے عنفوان شباب سے ہی تعلق قائم ہوگیا تھا، جو بڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے سب سے زیادہ انس اور قرب محسوس ہونے لگا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ اپنے مربی اور سرپرست کی حیثیت سے معاملہ رکھا۔(۱)

دینی ودعوتی افکار میں مسلمان پڑھے لکھے طبقہ کو ان کے کام ومقام کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو معرکۃ الآراء تصنیفی کام کیا وہ ان کی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کے نام سے ظاہر ہوئی، اصل کتاب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں لکھی، جو " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين " کے نام سے مصر کے ایک موقر ادارہ کی طرف سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوکر مقبول ہوئی، یہ معرکۃ الآراء علمی کام مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۲-۳۳ سال کی عمر میں ہی انجام دے دیا تھا، اور وہ ایسا مؤثر اور مقبول ثابت ہوا کہ وہ اس اثر سے بہت زیادہ بڑھ گیا جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تصنیف سیرت سید احمد شہید سے برصغیر کے مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ پر پڑا تھا، اس کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين "

(۱) ان حضرات کے اس تعلق کو سمجھنے کے لئے ان مکاتیب کا مطالعہ کافی ہوگا جو ان کے مابین لکھے گئے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کو عربوں نے بیسویں صدی کی ممتاز ترین تصنیفات میں سے ایک شمار کیا، اور مقبولیت کا حال یہ ہوا کہ کوئی اسلام پسند عرب طالب علم سے لے کر استاد کے طبقہ تک ایسا نہیں رہا جس نے کتاب کو پڑھا نہ ہو، اور اس کی اہمیت کو محسوس نہ کیا ہو۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف درحقیقت مسلمانوں کے عروج و ترقی اور مؤثر قائدانہ عہد کی تاریخ اور مسلمانوں کے زوال اور یورپ کے عروج کے حقیقی اسباب کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھی، اور انہوں نے کم عمری ہی میں اپنے گھر کے علمی ماحول کے اثر سے اور ہندوستان میں اپنے اپنے عہد کے مجددین و مصلحین کی تجدیدی واصلاحی کوششوں کے مطالعہ سے جو فکر اخذ کیا تھا، اس کو اپنے زمانہ کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے محققانہ انداز میں ظاہر کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۷ء میں پہلا حج کیا، اور ۱۹۵۰ء میں دوسرا، اور تیسرا حج ۱۹۵۱ء میں کیا، اور دوسرے اور تیسرے حج کے درمیان عالم عربی کے مشہور ملکوں خاص طور پر مصر، شام، سوڈان اور اردن و فلسطین کا علمی و دعوتی دورہ بھی کیا، جگہ جگہ تقریریں کیں اور ملاقاتیں کیں، اور لوگوں کے سامنے یہ بات ان کی قدردانی اور تاثر کا باعث بنی کہ مولانا اپنے اعلیٰ افکار کو کسی ترجمان کے ذریعہ نہیں، بلکہ براہ راست اہل زبان کی صلاحیت کے مطابق عربی میں پیش کرتے ہیں، جو عربی زبان کے عملی طور پر سیکھنے اور اس کی صلاحیت پیدا کرنے کے نتیجہ میں ان کو حاصل ہوگئی تھی، اور مولانا کی اپنے افکار کی خود اپنی زبان اردو میں مؤثر ترجمانی نے اردو زبان میں بھی خراج تحسین حاصل کیا تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و ذہنی تربیت کا اپنا عملی کام اتنی توجہ اور تنوع سے کیا کہ اس کو تدریس کی مصروفیت کے ساتھ زیادہ قائم رکھنا مشکل معلوم ہوا، چنانچہ ۱۹۴۴ء سے تدریس کی جو باقاعدہ ذمہ داری ان کی چل رہی تھی اس سے انہوں نے

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے کودس سال کے بعد باقاعدہ ملازمت سے علیحدہ کرلیا، اور حسب گنجائش وقت اس کو رضاکارانہ قائم رکھا۔

مولانا کا تعارف اور شہرت اب برصغیر کے علاوہ عالم عربی میں بھی پھیل گئی تھی چنانچہ دمشق یونیورسٹی سے ان کو توسیع خطبات کے لئے باقاعدہ دعوت دی گئی، جس کے لئے وہ ۱۹۵۶ء میں دمشق میں ایک ماہ رہے، اور محاضرات دیئے، جو بعد میں تاریخ دعوت وعزیمت کا پہلا حصہ بنے۔ ان میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں مزید اضافہ کر کے اس کو عہد اول سے عہد جدید تک پھیلا دیا، جو اردو میں چھ جلدوں میں اور عربی میں بھی لگ بھگ اتنی ہی جلدوں میں کتاب منتقل ہوئی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ودعوتی اور فکری کاموں کی شہرت نے مسلمانوں میں ان کی قدر دانی میں اضافہ کیا، اور وہ متعدد علمی ودینی اداروں کے سربراہ منتخب ہوئے چنانچہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں بستی میں دینی تعلیمی کانفرنس کے انعقاد پر دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر منتخب ہوئے، اور اسی سال مئی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا کی ہی تحریک سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں کو صحیح اسلامی فکر سے واقف کرانے کے لئے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کا قیام عمل میں آیا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے سربراہ ہوئے۔

۱۹۶۱ء میں کویت کا ایک علمی ودعوتی سفر ہوا جہاں انہیں حجاز مقدس آنے کی دعوت دی گئی، اور ۱۹۶۲ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز کا تیسرا سفر کیا، اور اس موقع پر مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ (اسلامی یونیورسٹی) کی تشکیل ہوئی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی اعلیٰ کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ اور اسی سال رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل ہوئی، اس میں بھی بنیادی رکن منتخب ہوئے۔ اور تقریباً اسی زمانہ میں جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ایک اسلامک سینٹر کا قیام عمل میں آیا، جس کے سربراہ وبانی مصر کے ایک بڑے

داعی حق اور اسلامی رہنما ڈاکٹر سعید رمضان تھے، مولانا کو اس کا بھی بنیادی رکن منتخب کیا گیا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۹۶۳ء میں جب مشرقی ہندوستان میں فسادات کا ایک دور چلا جس سے مسلمانوں میں بڑی کم ہمتی اور مایوسی کی کیفیت پھیل گئی اور یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ اگر اس مایوسی کا جو پھیل رہی ہے تدارک نہیں کیا گیا تو مسلمان بحیثیت مسلمان کے اس ملک میں بڑی شکست خوردگی اور پستی کا شکار ہو جائیں گے، اس پر غور کرنے کے لئے مولانا نے ملک کی متعدد نمایاں مسلم شخصیتوں کے مشورہ سے اجتماع بلایا جو ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا، اور لکھنؤ میں مسلمانوں کے مشترکہ قومی وملی ادارہ مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے بھی بنیادی رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے انتقال پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے، اس سے قبل وہ کئی سال سے یہاں کے معتمد تعلیم رہے تھے۔

۶۰۔۱۹۷۰ء کے درمیانی عرصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں کی تکلیف اتنی زیادہ ہوگئی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خود اپنی آنکھوں سے پڑھنا لکھنا ناقابل عمل ہو گیا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خاصا کام املا کرا کے لکھانے کا تھا، اور دوسرے سے پڑھوا کر سننے کا۔ اسی حالت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سارا علمی کام انجام پایا، اور متعدد اہم تصنیفات اسی دور کی تیار کردہ سامنے آئیں، جن کو دیکھ کر آدمی اندازہ نہیں کر سکتا کہ آنکھوں سے دیکھے بغیر تیار کی گئی ہوں گی۔ اس میں حضرت مولانا اپنے شاگردوں کو املا کرانے کے ساتھ مآخذ میں مطلوبہ جگہوں کو پڑھوا کر حوالوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پیام انسانیت کا آغاز کیا کہ اصلاح ودعوت کا کام صرف مسلمانوں تک محدود نہ رہے، سارے اہل ملک کو اس میں شریک کیا جائے، اور تمام لوگوں کو اس کا مخاطب بنایا جائے، اس کا ملک کے تعلیم یافتہ

www.abulhasanalinadwi.org

طبقہ پر بلا اختلاف مذہب بڑا اچھا اثر پڑا۔

تعلیم کو ملت اور عقیدہ کی ضرورت کے مطابق اور ملت کو انسانی ضرورت کے لائق بنانے کا فکر ورجحان مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شروع ہی سے تھا، چنانچہ اس کی دعوت بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے برابر اپنی تحریروں اور تقریروں میں دی، اور اس کے لائق نصاب درس کی تیاری کی بھی فکر کی، خود عربی زبان وادب کی تعلیم کی متعدد کتابیں تیار کیں، جو اپنے عہد کی اس موضوع پر کامیاب کتابیں قرار پائیں، اور پورے عالم اسلام میں بشمول عالم عربی مقبول ہوئیں، دوسرے موضوعات پر اپنے شاگردوں سے تیار کرائیں، جو پسند کی گئیں، اور مقبول ہوئیں۔

۱۹۷۵ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک عالمی کانفرنس ندوۃ العلماء میں بلائی، جو ندوۃ العلماء کے قیام کے ۸۵ سال گذرنے پر اور موضوع کے ندوۃ العلماء کے کام و پیام سے مطابق ہونے پر " ندوہ کا پچاسی سالہ تعلیمی جشن " کے عنوان سے موسوم ہوئی، یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی، اور عالم اسلامی کے مختلف خطوں کے ممتاز مندوبین کی شرکت سے اس کو تقویت اور اہمیت حاصل ہوئی۔

اسی ۷۶-۱۹۷۵ء کے زمانہ میں ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان سے حکومت وقت نے بہت جبر وتشدد سے کام لیا، اور ایمرجنسی نافذ ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے غلط ہونے اور جمہوری حقوق کے منافی ہونے کا جرأت مندانہ اظہار کیا، اور اس وقت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو اس سلسلہ میں خط بھی لکھا، اور جا کر ملاقات کر کے جرأتمندانہ بات کہی، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کے ناگوار حالات کی طرف اپنے عام اظہار خیال میں لوگوں کی توجہ مبذول کرائی، اس کے نتیجہ میں اور ملک میں حالات سے عام ناگواری ہونے کے اثر سے برسر اقتدار پارٹی کانگریس کو نئے الکشن میں وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی کہ اس کو حکومت ملتی، اس

طریقہ سے تقریباً ۳۰ سال سے حاصل شدہ کانگریسی اقتدار اس ملک میں تبدیل ہوا۔

۱۹۷۷ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا امریکہ کا سفر ہوا، جو وہاں کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے تھا، اسی سفر میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کا آپریشن کرایا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بصارت حسب ضرورت عود کر آئی۔ اور امریکہ کے اس سفر کے دوران میں جو دو ماہ پر مشتمل تھا، مولانا نے امریکہ کے مختلف شہروں اور علاقوں کا دورہ کیا، اور مسلمانوں کو اس دور دراز ملک اور غیر اسلامی ماحول میں اپنے اسلامی تشخص کے تحفظ کی ضرورت پر توجہ دلائی۔

۱۹۷۸ء میں پاکستان میں ایک بڑی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی، اور پاکستان کی بڑی یونیورسٹیوں اور علمی و دینی اداروں میں تقریریں کیں، جو ایک بہت مفید اور رہنما مجموعۂ مضامین کی صورت میں شائع ہوئیں۔ (۱)

۱۹۷۹ء کے آغاز میں مولانا کا ایک اہم سفر خلیج کی ریاستوں (U.A.E) کا ہوا، جس میں انہوں نے وہاں کی با اثر شخصیات سے ملاقات کی، اور ان لوگوں میں ان حالات میں جس میں وہاں کی دولت کی فراوانی اور جدید تمدن کا غلبہ ہو رہا ہے، ایمانی و اخلاقی ذمہ داریوں و تقاضوں کی طرف متوجہ کیا۔

۱۹۸۰ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو علمی و دینی خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل مرحوم کے نام سے سعودی عرب میں قائم ادارہ کی طرف سے عالمی ایوارڈ ملا، اس کی رقم مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے تعلیمی و عملی کام کرنے والے اداروں میں تقسیم کردی۔ اور اسی سال قطر میں سیرت نبوی کے عنوان پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی، مولانا کی اس موقع پر بڑی مؤثر تقریر ہوئی، جسے سب نے سراہا، اور اسی سال دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کا انعقاد ہوا، جس میں مولانا کا مؤثر اور رہنما خطاب

---

(۱) یہ مجموعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے "دعوت فکر وعمل" کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا، جسے حاصل اجلاس کہا گیا۔

اگلے سال ۱۹۸۱ء میں شیخ سلطان بن محمد القاسمی حاکم شارقہ آپ سے ملنے کے لئے ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لائے۔ مولانا نے ان کو خوش آمدید کہا اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں تقاضوں اور ان کی اپنی وطنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ اسی سال دار العلوم ندوۃ العلماء میں ایک بین الاقوامی سیمینار مولانا کی سرپرستی وصدارت میں منعقد ہوا، جس کا موضوع ''عربی ادب میں خصوصاً اور دوسری زبانوں کی ادبیات میں عموماً اسلامی عناصر کی تلاش قرار پایا۔ اس سیمینار میں عالم اسلام کی چیدہ چیدہ موقر شخصیات شریک ہوئیں، جن میں خاص طور پر عالی مرتبت سید عبد العزیز رفاعی سابق سکریٹری مجلس وزراء مملکت سعودیہ، ڈاکٹر عبد الرحمٰن رافت الباشا، مصر کے وزیر اوقاف ڈاکٹر زکریا برّی، حکومت قطر کے دینی امور کے ناظم شیخ عبد اللہ ابراہیم الانصاری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ستمبر ۱۹۸۱ء کے پہلے ہفتہ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اہم جلسوں میں شرکت کے لئے حجاز کا سفر پیش آیا، اور اس میں مولانا نے ''اسلامی مزاج اور ماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار'' کے موضوع ایک وقیع اور اہم مقالہ پیش کیا۔

اکتوبر ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی نے مولانا کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔

۱۹۸۲ء میں سری لنکا کا ایک اہم سفر کیا، اور اسی سال دار المصنفین اعظم گڑھ کے ''اسلام اور مستشرقین'' کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار کی سرپرستی بھی فرمائی۔

۱۹۸۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سینٹر کا قیام عمل میں آیا، جو ایسی بڑی سیکولر یونیورسٹی میں قائم ہونا غیر معمولی بات تھی، اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ

کورکنیت کی دعوت دی گئی، اوراس کا صدر بھی مولانا ہی کومنتخب کیا گیا۔

۱۹۸۳ء میں تحفظ شریعت اسلامی کے ادارہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوجانے پر اس کے صدر منتخب کیے گئے۔

۱۹۸۴ء ہی کے آغاز میں ادب ولٹریچر کے اسلامی تصور کے فروغ کے لئے ایک عالمی ادارہ رابطہ ادب اسلامی کے نام سے قائم کیا گیا، جس کے موضوع کی حمایت اور تقویت کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً چار دہائیوں سے کام کررہے تھے، اس عالمی ادارہ کا صدر بھی مولانا ہی کو بنایا گیا۔ اس کی ضرورت پرغور کرنے کے لئے ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں عالم اسلام کے دانشوراورادب کے اساتذہ اوراہل قلم اپنے اپنے اداروں کی نمائندگی کرتے ہوئے جمع ہوئے تھے۔

۱۹۸۶ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحفظ شریعت تحریک کے تحت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وزیراعظم ہند سے بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے ساتھ بار بار ملاقاتیں کر کے انہیں اس بات پر راضی کیا کہ مسلم پرسنل لا کے قانون میں پارلیمنٹ سے مسلمانوں کی شریعت کے مطابق بل پاس کرائیں، اوراس میں ان کو جو کامیابی ہوئی وہ تحفظ شریعت کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی ایک بڑی کامیابی سمجھی گئی۔

۱۹۸۶ء میں ہی مولانا نے رابطہ ادب اسلامی کی کانفرنس کے سلسلہ میں استنبول ترکی کا سفر کیا، واپسی میں پاکستان ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔ پاکستان میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب سے ملاقات ہوئی، جنرل صاحب مولانا کی تشریف آوری کی خبرسن کر اسلام آباد سے کراچی تشریف لائے۔ مولانا نے

ملاقات میں ان کو توجہ دلائی کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین تعلقات خوشگوار بنانے کی کوشش کریں، انہوں نے مولانا کی بات سن کر اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

اسی سال الجزائر میں سالانہ منعقد ہونے والے فکر اسلامی کے سیمینار میں مولانا نے شرکت کی، اور مفید و مؤثر مقالہ پیش کیا، اور عالم اسلام کی ممتاز اہل فکر شخصیتوں سے دعوت و فکر اسلامی کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا۔

۱۹۸۷ء میں ملیشیا کے ایک اہم تعلیمی ادارہ کی طرف سے ملیشیا آنے کی دعوت پر ملیشیا تشریف لے گئے، اور وہاں تعلیمی و دعوتی اداروں میں خطاب کیا۔ اور اسلامی عالمی یونیورسٹی میں بھی دعوت کی ضرورت و اہمیت کے موضوع پر خطاب کیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد مولانا کو معدہ میں زخم ہو جانے کی سخت تکلیف ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے مولانا کو کئی ماہ اپنے پروگرام روکنے پڑے۔

۱۹۸۸ء میں مولانا کا سفر رابطہ عالم اسلامی میں شرکت کے لئے ہوا تو ان کے پاس ابوظہبی کا بھی ایک دعوت نامہ موجود تھا، اور ابھی تک دعوتی مقصد سے مولانا کا کوئی سفر باقاعدہ عرب امارات میں نہیں ہوا تھا، اس لئے مولانا نے اس دعوت نامہ پر عمل کرنے کو مناسب سمجھا۔ اس سفر میں میرے علاوہ انجینئر محمد عثمان صاحب حیدرآبادی بھی ساتھ تھے (۱)۔ مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی پہلے سے وہاں موجود تھے جو وہاں کے قیام و سفر میں مشیر و معاون رہے۔ ایک نیم سرکاری سطح پر جلسہ کو مولانا نے خطاب کیا، اور اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارے معاشرہ کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے، اور اس میں حکمت اور اعتدال کا طرز اپنانا چاہئے، تاکہ ہمارا معاشرہ متوازن اسلامی معاشرہ بنے۔ یہ تقریر بہت پسند کی گئی، بعد میں "ترشید الصحوة

---

(۱) انجینئر محمد عثمان صاحب حضرت مولانا کے مزاج شناس مخلصین میں سے ہیں، جو سفروں میں راحت پہنچانے کے لئے اپنی مشغولیت سے وقت نکال لیتے تھے، انہیں امریکہ کی قومیت حاصل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

الإسلامية " کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع بھی ہوئی۔ اس سفر میں یونیورسٹی کی کلیۃ البنات میں بھی مولانا کا خطاب رکھا گیا، اس وقت اتفاق سے اس کے عمید شام کے استاذ محمد المبارک کے بھائی تھے، استاذ ڈاکٹر محمد المبارک سے مولانا کا جو قریبی ربط تھا اس کی بنا پر انہوں نے بھی بڑا خیال کیا۔ کالج کے ہال میں طالبات اور ان کی مدرسات جمع ہوئیں، اور مولانا نے اسٹیج سے ان کو خطاب کیا، اور ان کو اسلام کے تقاضوں اور زندگی کو اسلامی روح کے مطابق ڈھالنے کی طرف متوجہ کیا، اور عہد جدید میں جو حالات کا دباؤ ہے اس میں صحیح دینی فکر کے ساتھ اپنے کو اخلاق و کردار کے تحفظ کے ساتھ رکھنے اور کام کرنے کی اہمیت بتائی۔ مملکت کے متعدد ذمہ داروں سے شخصی ملاقاتیں بھی رہیں جن میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی تھے، اور صدر مملکت شیخ زاید کے خصوصی مشیر بھی تھے، قابل ذکر ہیں۔

۱۹۹۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم اسلامک سینٹر جس کے مولانا چیرمین بھی تھے، اس نے سعودی حکومت کے ذمہ داروں سے تعارفی ملاقات کا پروگرام بنایا، اور اس سلسلہ میں مولانا کے قیام حجاز کے موقع پر عمل کیا گیا۔ اس کے لئے اسلامک سینٹر کے متعدد ارکان کے ساتھ مولانا کی ملاقات امیر سلطان سے ہوئی جو کہ وزیر دفاع ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دعوت کی کمیٹی کے سربراہ بھی تھے، اور دیر تک دعوت اسلامی کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ امیر سلطان نے بھی اپنے اسلامی خیالات کا اظہار کیا۔ پھر ریاض کا سفر ہوا، اور وہاں امیر سلمان سے جو کہ ریاض منطقہ کے گورنر بھی تھے، اور امیر عبداللہ جو اس وقت ولیعہد تھے اور اب بادشاہ ہیں، ان سے ملاقات ہوئی۔ اور امیر احمد سے (جو وزارت داخلہ کے نائب وزیر داخلہ تھے) ملاقات ہوئی۔ اس طریقہ سے مولانا کی اسلامی فکر و دعوت کی اہمیت، اور یورپ میں اسلامک سینٹر کے ذریعہ سے ذہنوں کو اسلامی فکر سے آگاہ کرنے کے لئے جو کام ہو رہا ہے اس کا تعارف

www.abulhasanalinadwi.org

مناسب ڈھنگ سے انجام پایا، اور مولانا کے ذہن میں موجودہ عہد کے جو رجحانات مغرب پرستی کی طرف لیجاتے ہیں، ان کے تدارک کے لئے اسلام کے راہ اعتدال اور صائب فکر کو ذمہ داران حکومت کے سامنے رکھنے کا موقع ملا۔

ادھر ہندوستان میں بابری مسجد کا مسئلہ بہت گرم تھا، اور مولانا اس سلسلہ میں وزیر اعظم ہندراجیو گاندھی کو پوری توجہ دلا چکے تھے کہ اس کے حل کے لئے جلدی کریں اور معاملہ کو خراب صورت حال تک پہونچنے سے بچائیں۔ اور آزادئ ملک کے موقع پر عبادت گاہوں کی جو پوزیشن تھی، وہ حسب اصول وقاعدہ برقرار رکھنا ہی ایسے مسائل کا صحیح حل ہے۔ مولانا نے وزیر اعظم کو توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ مدراس (چنئی) کے شنکر آچاریہ کے ساتھ جو ملک کے چار شنکر آچاریوں میں سے سب سے بڑے شنکر آچاریہ سمجھے جاتے تھے، بات کرنے کی تجویز رکھی، جو خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الکریم صاحب پاریکھ (بارک اللہ فی حیاتہ) اور ہندوستان کے دو گورنروں جناب یونس سلیم صاحب مرحوم گورنر بہار، اور کرشن کانت جی گورنر آندھرا پردیش جو بعد میں نائب صدر جمہوریہ بھی ہو گئے تھے، کی تجویز تھی۔ مولانا نے ان حضرات کے ساتھ مدراس کا سفر کیا، اور شنکر آچاریہ سے ملاقات کی۔ شنکر آچاریہ نے اس بات سے اتفاق کیا کہ مسجد کو مسجد برقرار رہنا چاہئے، اور وہ اس سلسلہ میں کوشش کر سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت ہوگی، جو ایک طرح سے مسجد کی متولی کمیٹی کی حیثیت کی مالک ہو، اور شنکر آچاریہ اس کے سربراہ ہوں۔ اس کے ممبران میں مسلمانوں کے ساتھ بعض ہندو شخصیتیں بھی ہوں تو وہ اس کمیٹی کے دباؤ سے مسجد کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے کی مہم انجام دے سکتے ہیں۔ یہ تجویز مولانا لے کر دہلی آئے تو بابری مسجد کے مسئلہ سے تعلق رکھنے والی مسلمانوں کی کمیٹیوں کو اس سے واقف کرایا، کمیٹیوں نے مولانا کی اس کوشش کو جو ان کمیٹیوں کے مشورہ کے بغیر ہوئی تھی، ناقابل

www.abulhasanalinadwi.org

قبول قرار دیا۔ چنانچہ شنکر آچاریہ کی مسئلہ کو حل کرنے کی دلچسپی زیر عمل نہیں آسکی، اور مولانا نے خود تنہا اپنی بنیاد پر اس حل کو نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور مسئلہ کو ان ہی سرگرم لوگوں کے حوالہ رہنے دیا۔ بعد میں شنکر آچاریہ کی طرف سے کئی مرتبہ یاددہانی بھی کرائی گئی، لیکن ان کی یاددہانی پر خاموش رہا گیا۔

وی پی سنگھ جی کے وزیر اعظم ہونے کے موقع سے ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو بھی توجہ دلائی گئی اور اس خطرہ سے بچنے کے لئے کہ مسجد کے مخالفین مسجد کی اردگرد کی زمین میں کارروائی نہ شروع کردیں، وہاں کی زمین کو مرکزی حکومت کے زیر تولیت لے لینے کی تجویز سامنے آئی جس کی مولانا نے احتیاطی تدبیر سمجھتے ہوئے تائید کی، اس پر آرڈیننس کے ذریعہ سے وہ زمین مرکزی حکومت کے زیر تولیت آگئی، لیکن اس کو بابری مسجد کے مسئلہ سے تعلق رکھنے والوں نے بہت غلط اقدام قرار دیا، اور اس میں خطرہ بتایا۔ چنانچہ مولانا نے وزیر اعظم سے کہہ کر وہ آرڈیننس ختم کرادیا۔ اور خود اس مسئلہ میں محض اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی بڑا اقدام کرنے سے گریز کیا۔ بہر حال وہ مسئلہ بگڑتا چلا گیا، اور بالآخر بابری مسجد کو گرادیا گیا، اور اس طریقہ سے مسئلہ مزید سنگین بن گیا۔ اور بابری مسجد کمیٹیوں کو بھی جو بہت زور شور سے اس مسئلہ پر رائے زنی کرتی اور احتجاج کرتی تھیں، ایک طرح سے خفت اٹھانی پڑی، اور انہوں نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اپنے ذمہ سے مسئلہ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف منتقل کردیا، جس کو پرسنل لا بورڈ عدالتی اور قانونی راہ سے حل کرنے کے طریقہ پر کاربند ہے۔ اور اس کی طرف سے ایک کمیٹی قانونی معاملات کو دیکھتی اور عدالت کی کارروائیوں کو انجام دیتی ہے۔

۱۹۹۳ء میں شیکاگو (امریکہ) میں مذاہب عالم کی سوسالہ کانفرنس کا انعقاد طے ہوا، وہاں کے اس کے منتظمین میں ڈاکٹر احمد عبدالحی نے جو پٹنہ کے بڑے سرجن ہیں اور مولانا سے بہت قریبی ربط رکھتے ہیں، اپنے بھائی ڈاکٹر حامد عبدالحی کی طرف

www.abulhasanalinadwi.org

سے جو شیکا گو میں مقیم ہیں، کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ مولانا کو بھیجا اور اس میں ان کی شرکت کو مفید بتایا۔ مولانا کو آکسفورڈ کا سفر کرنا ہی تھا، اور اپنی آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں امریکہ میں جو قیام کیا تھا، اور اس میں لوگوں سے جو ربط و تعلق قائم ہوا تھا، ان سے ملاقات اور کانفرنس میں اپنی بات کہنے کے خیال سے دعوت نامہ قبول کرلیا۔ لیکن آکسفورڈ کے پروگرام کے اختتام پر ہی جانے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے مولانا دو روز تاخیر سے سفر کر سکے، اور کانفرنس کے اختتام سے ایک روز پہلے پہونچنا ہوا، خیال یہ تھا کہ آخری دن مولانا کا خطاب ہوجائے گا، اور بات مولانا کی وہاں حاضری میں آجائیگی، چنانچہ کانفرنس کے پروگرام میں مولانا تشریف لے گئے، پروگرام کے شروع ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی، مجمع کانفرنس کے میدان میں کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اور ہر مذہب کے نمائندے بھی یکے بعد دیگرے پہنچ رہے تھے، وہاں بعض مذاہب کے نمائندوں نے اپنا بھجن اور منتر وغیرہ پڑھنا شروع کردیا تھا، مولانا کو انتظار کے لئے الگ ایک جگہ بٹھایا گیا، مولانا کو فضا میں اتنی شدید ظلمت محسوس ہوئی کہ وہاں ٹھہرنا اور شریک ہونا پسند نہیں کیا، اور اصرار کیا کہ ہم واپس جائیں گے۔ مسئلہ یہ تھا کہ سفر پورا اسی غرض سے ہوا تھا، جس میں مولانا کے ساتھ بحیثیت رفیق کے یہ خاکسار بھی تھا، اور سفر خرچ داعیوں نے برداشت کیا تھا، جن میں واسطہ ڈاکٹر حامد عبدالحی صاحب تھے۔ مولانا کا اصرار دیکھ کر انہوں نے وسعت قلبی کا ثبوت دیا اور کہا کہ مولانا کی گرانی ہم کو منظور نہیں ہے، خواہ اس میں نقصان ہو، چنانچہ مولانا واپس آگئے، اور ڈاکٹر حامد عبدالحی صاحب سے اپنے اس قلبی احساس کے نتیجہ میں وہ پروگرام نہ کرسکنے کی معذرت کی، اور ان کی وسعت قلبی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد مولانا دو ایک روز شیکا گو میں احباب سے مل کر اور ایک روز نیویارک میں وہاں کے احباب سے مل کر ہندوستان واپس آگئے۔

اسی سال مولانا کو تاشقند و سمرقند و بخاریٰ کا سفر کرنے کا موقع بھی ملا، اور وہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس طور پر کہ اسلامک سینٹر آکسفورڈ نے جس کے مولانا چیرمین تھے، اوزبکستان کے صدر سے یہ بات منظور کرائی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک سیمینار منعقد کیا جائے، اور امام بخاری کے نام پر ایک یونیورسٹی کا قیام ہو، جس میں امام بخاری کے تعلق سے ریسرچ اور تعلیم کا نظام قائم ہو۔ اس کی جگہ سمرقند کا شہر تجویز ہوا، جہاں پہلے بھی دینی مدرسے رہ چکے تھے، جن کی عمارتیں اب بھی موجود ہیں، اور وہاں تیمور لنگ کا مقبرہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان مجاہدین جن کی سربراہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی، ان کا مقبرہ بھی وہاں موجود ہے۔ تجویز حکومت نے منظور کی اور اس کی تاریخیں طے ہوئیں، اور دنیا کے مختلف حصوں سے بخاری شریف کے مدرسین میں متعدد افراد کو شرکت کی دعوت دی گئی، مولانا اسلامک سینٹر کے چیرمین تھے، جو گویا کہ اس سیمینار کا داعی تھا، اور میں رکن ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں کے پاس دعوت نامہ آیا، ندوۃ العلماء سے بخاری شریف کے استاد مولانا ناصر علی صاحب ندوی کو دعوت نامہ ملا، اور یہ سفر انجام پایا، اور تاشقند ہوتے ہوئے سمرقند پہنچنا ہوا، وہاں دنیا کے مختلف حصوں کے علماء و محدثین پہنچے ہوئے تھے۔ بڑا اچھا ماحول بن گیا تھا، سیمینار کا انعقاد ہوا اور اچھے مقالے پڑھے گئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مجوزہ یونیورسٹی کا ماڈل بھی پیش ہوا جس کو سب نے سراہا۔ کانفرنس میں شریک ہونے والوں میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی تھے، جن کی رفاقت سے ماحول اور خوشگوار ہو گیا تھا۔ پھر ان ہی کے مشورہ سے بخارىٰ کا سفر بھی طے ہوا، اور شہر سے کچھ پہلے وہ بستی ملی جو خواجہ بہاء الدین نقشبند کا مستقر تھی، اور جہاں ان کا مزار ہے۔ وہاں تھوڑی دیر قیام کر کے شہر بخارىٰ جانا ہوا، بخارىٰ کی جامع مسجد جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ درس دے چکے تھے، وہ مسجد دیکھی اور اسی سے متصل بخاری کا وہ مدرسہ دیکھا جو اب بھی قائم ہے، لیکن پسماندہ حالت میں ہے، طلبہ سے بھی ملاقات

ہوئی، اور معلوم ہوا کہ مولانا کی بعض کتابیں درس میں داخل ہیں۔ وہاں کے لوگ بہت مانوس ہوئے، ایک شب اسی مدرسہ میں قیام کے بعد سمرقند واپسی ہوئی۔ اس سفر میں شیخ ابوغدہ کے علمی افادات اور حضرت مولانا اور ان کے مابین علمی گفتگو سے سب رفقاء محظوظ ہوئے۔ اس سفر میں عزیزی سلمان بھی ساتھ تھے، ان کا شیخ ابوغدہ سے جو تعلق تھا، اس کی بناپر وہ مزید ربط و تعلق کا واسطہ رہے۔ سمرقند آنے پر وہاں کے آثار دیکھے۔

۱۹۹۶ء میں حرمین شریفین کے ایک سفر کے موقع پر آپ کو کلید کعبہ پیش کی گئی، اور در کعبہ کھولنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کعبۂ مشرفہ کے اندر داخلہ کا شرف اس سے پہلے بھی حاصل ہوتا رہا تھا، مگر یہ سعادت اس بار حاصل ہوئی۔

اس کے اگلے سال پاکستان میں رابطہ ادب اسلامی کے ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے لاہور کا سفر کیا اور صدر پاکستان فاروق احمد خاں لغاری سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مولانا سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، اور ان سے استفادہ کا ذکر کیا۔ اس کے چند ماہ بعد امیر حسن سے اردن میں ملاقات ہوئی، جو وہاں بادشاہ کے قائم مقام کے طور پر کام کر رہے تھے، انہوں نے مولانا کے ساتھ بڑے اکرام ومحبت کا معاملہ کیا۔

۱۹۹۸ء میں دبئی کا بین الاقوامی عظیم شخصیت کا دیا جانے والا ایوارڈ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیا گیا۔ اس کے چند ماہ بعد برونائی کی حکومت کی طرف سے عالمی ایوارڈ جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے مرکز اسلامی کے تحت دیا جاتا ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیا گیا، ان دونوں ایوارڈوں کی رقمیں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے علمی ودینی اداروں اور ملت کی دینی وعلمی اہم شخصیتوں کو تقسیم کر دیں۔

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو نماز جمعہ سے کچھ قبل مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی میں اس

جہان فانی سے رحلت کی، اور ۲۳ ویں شب کو بعد نماز عشاء آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جہاں ان کے والد، والدہ اور بھائی، بہنوں، بھانجہ اور بھتیجہ کے علاوہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رحمہم اللہ مدفون ہیں۔(۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحت برسوں سے خراب اور کمزور چل رہی تھی، رحلت سے دس ماہ پہلے ان پر فالج کا بھی ایک حملہ ہوا تھا، جس کا ظاہری اثر بتدریج ختم ہوگیا تھا، لیکن کمزوری باقی رہی تھی، رحلت کے وقت ظاہری طور پر صحت ٹھیک تھی، اور بظاہر حرکت قلب بند ہونے سے ان کی وفات ہوئی۔ اس وقت تلاوت قرآن مجید سے ان کی زبان تر تھی۔ سورہ یٰس شریف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کا واقعۂ وفات پورے عالم اسلامی میں بہت زیادہ محسوس کیا گیا، اور عالم اسلام اور غیر عالم اسلام ہر جگہ ان کی نماز جنازہ غائبانہ ہوئی، اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ خود حرمین شریفین میں ۲۷ ویں شب کے عظیم مجمع میں نماز جنازہ غائبانہ و دعائے مغفرت ہوئی، بعد میں ان کی یاد میں جگہ جگہ سیمینار اور جلسے ہوئے، اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اور ان کے نام سے منسوب کر کے ادارے بھی قائم ہوئے، اور مختلف رسالوں نے ان پر یادگاری نمبر نکالے، اور اکیڈمیاں قائم ہوئیں اور ادارے معنون ہوئے۔ اور پس از مرگ ایوارڈ بھی دیئے گئے، مثلاً آبجیکٹیو اسلامک اسٹڈیز دہلی کا شاہ ولی اللہ ایوارڈ اور بین الاقوامی ادارے ایسسکو کا ایوارڈ، جس کو ان کے شاگردوں اور متعلقین نے وصول کیا۔

رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة، و غفر له و أدخله في جنات النعيم مع النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين، و حسن أولئك رفيقاً.

---

(۱) حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ (م ۱۰۹۶ھ) تکیہ کلاں سے موسوم اس بستی کے بانی اور اپنے وقت کی بڑی اور ممتاز دینی شخصیت تھے۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کا ان سے محبت و عقیدت کا تعلق تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

باب دوم

تعلیم و تربیت اور تعمیر شخصیت

www.abulhasanalinadwi.org

شخصیت کی تشکیل میں کارفرما اہم اسباب وعوامل

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ایسے ماحول میں گزرا جو شمالی ہند کے شریف اور پڑھے لکھے مسلمانوں کا ماحول تھا، مولانا کا خاندان اپنے نانیہال کی طرف سے زمیندار خاندان تھا، وہ زمانہ انگریزوں کے غلبہ وسطوت کا تھا، ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش میں مسلمانوں کی ناکامی کے نتیجہ میں انہیں انگریزوں کی طرف سے انتقامی کارروائی سے گذرنا پڑا تھا، جس نے مسلمانوں کو مرعوب سا کر دیا تھا، اور انگریزوں کی عظمت عام طور پر ایسے طبقوں کے احساس وتصور میں بیٹھ گئی تھی جن کا تعلق علم دین سے اور دیندارانہ تربیت ونشو ونما سے نہیں تھا، اس کی وجہ سے جدید تعلیم کا رجحان بڑھا، جس کا منہج اور روح انگریزوں کی دی ہوئی تھی، عام طور پر رجحان پیدا ہوگیا تھا، اس تعلیم نے انگریزوں کی برتری دلوں میں بٹھادی تھی، اور اسلامی تعلیم کی برتری کے احساس کو دبا دیا تھا، اس کی وجہ سے ایسے طبقوں میں جو دنیادار طبقے کہے جاسکتے ہیں، اہل دین کی عظمت وعزت ماند پڑ گئی تھی، البتہ علماء کا طبقہ جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی وہ اپنی مشعل ہدایت جلائے ہوئے تھا، مولانا کا دادیہال حامل علم دین طبقہ سے تھا، مولانا کا دادیہال اور نانیہال تقریباً ایک ہی خاندان تھا، اور ایک ہی جگہ ایک ہی

www.abulhasanalinadwi.org

بستی کے رہنے والے تھے، مولانا کا ننیہال اگرچہ زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس میں بھی دین کی قدر اور اس کی اہمیت کا احساس تھا، خاص طور پر مولانا کے نانا حضرت مولانا سید شاہ ضیاء النبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کی بزرگ شخصیت تھے، ان سے قرب و جوار میں دینی فیض بھی پھیلا تھا، لیکن زمیندارانہ ماحول کے اثر سے خاندان کے افراد جدید تعلیم کے اثرات سے متاثر تھے، یہ ایک مخفی کشمکش کی صورت تھی، جس کا اثر اپنی اپنی جگہ پر اس وقت کی نئی نسل پر پڑتا تھا۔ مولاناؒ کی والدہ نے اپنے والد سے جو بزرگ اور دینی مربی تھے خصوصی اثرات قبول کیے تھے، اور بہت زیادہ ایمان و یقین کی حامل تربیت کی مالک بنی تھیں، اس طریقے سے مولانا کو اپنی والدہ اور والد دونوں طرف سے دیندارانہ سرپرستی حاصل ہوئی تھی، لیکن ماحول جو کہ مخلوط کیفیت کا تھا اس میں بچپن گذرنے سے مولانا کو زندگی کے دونوں طرح کے رجحانات کا مشاہدہ ہوا۔

مولانا ۹ سال کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ان کی قائم مقامی مولانا کے بڑے بھائی نے کی، جو رجحان و مزاج کے لحاظ سے اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، مزید یہ کہ جدید تعلیم سے بھی آراستہ تھے، دینی تعلیم پہلے مکمل کر چکے تھے، اور عصری تعلیم تکمیل کی منزل میں تھی کہ والد کا انتقال ہوا، دونوں طرح کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ دونوں کی خوبیوں سے آراستہ ہو گئے تھے، اس کی وجہ سے دینی رجحانات پیدا ہو کر ان کو ان پر ایمان و یقین حاصل تھا، اور جدید تعلیم کے رجحانات سے واقفیت کی بنا پر ان سے مرعوبیت بالکل نہیں تھی، مولانا کو ایک طرف اپنی والدہ کے دینی اقدار پر یقین تھا، اور والدہ کو اپنے بیٹے میں انہیں اتار دینے کی فکر حاصل تھی، تو دوسری طرف مولانا کو اپنے جامع صفات بھائی کی تربیت حاصل تھی، مولانا کا نو سال کی عمر کے بعد کا زمانہ اس دوہری جامع سرپرستی میں گزرا، اور ان میں اس طرح ایک طرف

دنیا کے حالات کی بصیرت پیدا ہوئی، اور دوسری طرف صلاح وتقوی اور دینی طبیعت بنی، والد کے انتقال سے معاشی مسئلہ بھی ایک برداشت وتحمل کا باعث مسئلہ رہا، جو مولانا میں قناعت اور زہد کی صفت کو تقویت پہنچانے کا باعث بنا، مولانا نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے حاصل ہونے والی معلومات سے بھی واقفیت حاصل کی، اور دونوں جہتوں سے حاصل ہونے والی صلاحیت نے ان میں وہ اعتماد پیدا کیا جو اس عہد کے مغربی تعلیم سے مرعوب ذہن کے سامنے مولانا کو کسی طرح کی احساس کمتری سے محفوظ رکھنے کا باعث بنا، مولانا کو اپنی والدہ کی مربیانہ سرپرستی سے قناعت اور دینی حمیت ملی، اور اپنے بڑے بھائی کی جامع فکر ورجحان سے فکر وعمل میں خود اعتمادی حاصل ہوئی۔

مولانا نے تعلیم سے فراغت پر ملت اسلامیہ ہند کو پست حالی اور مرعوبیت سے نکالنے کی کوششوں کی اہمیت کو بہت محسوس کیا، اور اس کے لیے اپنے ہی خاندان کی مجددانہ کارنامہ انجام دینے والی شخصیت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا مطالعہ کیا، اور اپنے مطالعہ کو ایک رہنما تصنیف میں منتقل کیا، مولانا نے اس میں جو حالات پیش کیے وہ مسلمانوں کے ملی شعور کے حامل طبقہ میں امنگ پیدا کر دینے والے اور ملت کی عظمت اور کارگذاری پر اعتماد بڑھا دینے والے حالات تھے، مولانا کی اس تصنیف کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور اسی سے مولانا کے فکر بلند اور داعیانہ عمل کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کے اثرات وسیع دائرہ میں پڑتے چلے گئے، جو مولانا کی پوری زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

مولانا کی بچپن سے جس طرح کی تربیت ہوئی تھی، اور پھر ان کو زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے جو مربی اور اساتذہ ملے اس کو اللہ تعالی کا خصوصی فضل وانعام کہنا چاہیے، مولانا کی پُر اثر اور فعال مفکرانہ اور داعیانہ خصوصیات کے پیدا ہونے

www.abulhasanalinadwi.org

میں گھر کی تربیت اور مربیوں کی رہنمائی کو بہت دخل تھا، جس کا عمومی تذکرہ مولانا کی خودنوشت سوانح حیات میں ملتا ہے، اس تربیت کا اثر مولانا کے اس مزاج کی تشکیل میں بھی ملتا ہے جو اپنے معاصروں کے مقابلہ میں ایک علٰیحدہ انداز رکھتا تھا، اس میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ اور خود دنیاوی فائدہ اٹھانے میں احتیاط اور سب کے ساتھ اخلاق وانکساری اور ہر صاحب صلاحیت کی قدر اور اپنی کوششوں میں دعوتی مقصد کو پیش نظر رکھنا، خود نقصان اٹھالینا، دوسرے کو نقصان نہ پہنچنے دینا حتی کہ مخالف اور دشمن سے بھی انتقام نہ لینا، اور اصحاب حقوق کے حقوق کی پورے تحمّل کے ساتھ ادائیگی، اور حق بات کے سامنے آجانے پر اپنے تقاضے کو دبا دینا، بزرگوں کا پورا احترام اور ان سے استفادہ اور ان کے سامنے تواضع، اور چھوٹوں پر شفقت اور ان کی رہنمائی اور تربیت کی فکر، مولانا کی خصوصیات میں تھیں، مولانا کو سماجی اصلاح اور دینی دعوت و تربیت اور پیغام حق کو پہونچانے کے راستے میں ہر طرح کے طبقات سے سابقہ پڑا، دولت مندوں سے بھی، حکمرانوں سے بھی، اور غریبوں اور خواص وعوام سب سے، امیروں اور حاکموں کی طرف سے مولانا کی قدر دانی بھی ہوئی لیکن مولانا نے ان سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہیں کیا، بلکہ ایسا موقع خود بخود حاصل ہونے پر بھی قبول کرنے سے گریز کیا، اور عوام اور غریبوں سے مولانا نے برادرانہ اور ہمدردانہ انداز سے معاملہ رکھا۔

مولانا کے ان اوصاف سے متصف ہونے میں ان کے مربیوں اور ان کے ماحول کا اثر تھا۔ اس میں مولانا نے اپنے ماموں حافظ سید عبید اللہ صاحب کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جو بڑی دلآویز اور ہردلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی والدہ صاحبہ ان کے بچپنے میں ان کے اخلاقی رجحانات کی صحیح تشکیل کی طرف پوری توجہ دیتی تھیں، اس میں خاص پہلو دو ہوتے تھے، ایک تو یہ کہ دینداری اور اخلاص عمل ایسا ہی پیدا ہو

www.abulhasanalinadwi.org

جیسا ان کے اسلاف اور بزرگوں میں تھا، جن میں قریب ترین ان کے نانا یعنی حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب تھے، اور اوپر جا کر خاندان کی دوسری شاخ میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور پھر حضرت سید صاحب کے پردادا اور خاندان کے مورث اعلیٰ و حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جد مادری حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ تھے، چنانچہ وہ ان کو ان بزرگوں کے واقعات سناتیں اور ان کی اچھی صفات کو دلنشیں انداز میں بتاتیں، حالانکہ ان کو اپنے ان بیٹے سے بیحد لگاؤ اور تعلق تھا، اس کے باوجود کبھی شفقت و رعایت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ غریبوں کی ہمدردی، کمزوروں کی رعایت اور لغو کھیلوں اور بے فائدہ راحتوں سے اجتناب کی ہمیشہ تلقین کی، اور حوصلہ مندی کے کاموں سے کبھی نہیں روکا۔

چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی آغاز جوانی سے قبل تک مفید کھیلوں سے دلچسپی لیتے رہے، مثلاً ہاکی، والی بال، اس کے سوا پیراکی اور بندوق سے شکار جیسی مشقوں کو اپنے ہم عمر اور نو عمروں کے ساتھ اختیار کیا۔ مگر مولانا کی والدہ جو کہ اپنے خاندان اور ماحول میں سب سے زیادہ دین دار اور سمجھدار تھیں، اور علم و ادب کی صلاحیت بھی رکھتی تھیں، بے فائدہ اور لغو کاموں سے اور بیجا احساس برتری اور دوسرے کے ساتھ زیادتی اور حق تلفی سے ہمیشہ بچاتیں۔ اور عام زندگی میں غریب و امیر کے فرق اور خادم اور طبقاتی لحاظ سے چھوٹے بڑے کا فرق ان کے دل میں پیدا ہونے سے ان کو بچانے کی کوشش کرتیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کھانا پکانے والی خادمہ کے بچہ کو مولانا نے کسی بات پر مار دیا، خادمہ نے آکر شکایت کی تو مولانا کی والدہ نے مولانا کو بلایا اور خادمہ کے بچہ کو بلایا اور بچہ سے کہا کہ تم ان کو مارو، خادمہ کو بہت تکلف ہوا، اور کہا کہ میرا بچہ آپ کے بچہ کو کیسے مار سکتا ہے؟ لیکن مولانا کی والدہ نے اصرار کیا، اور جب خادمہ راضی نہیں ہوئی تو انہوں نے اس بچہ کا ہاتھ لے کر اس ہاتھ سے اپنے بچے کو مارا۔

اسی طرح کی تربیت تھی کہ جس نے مولانا میں زندگی بھر کے لیے یہ طبیعت

www.abulhasanalinadwi.org

بنادی کہ کسی کو چھوٹا نہ سمجھیں، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کریں، مولانا کی یہ طبیعت بڑے اور مشہور اور قائدانہ مقام پر فائز ہو جانے کے بعد بھی مولانا کے ساتھ رہی، مولانا کو لوگوں کی شخصی ناگواریوں سے گذرنا پڑا، اور بعض وقت ان کے ساتھ بڑی زیادتی بھی کی گئی، مولانا نے انتقام لینے کی پوزیشن میں ہونے کے باوجود جہاں تک مجھے معلوم ہے کبھی انتقام نہیں لیا، بعض نے مولانا کے خلاف اخباری مہم چلائی، اس پر بھی مولانا نے صرف یہی نہیں کہ جواب نہیں دیا بلکہ اپنے اہل تعلق کے اہل قلم کو بھی منع کر دیا کہ قطعاً جواب نہ دیں، اور معاملہ اپنے اللہ پر چھوڑا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے ان مخالفانہ باتوں کو معدوم کر دیا، اور مولانا کی صفائی طبیعت ہی کو غالب کیا، اس سلسلے میں بعض وقت سخت مرحلے پیش آئے، مولانا اس میں بری تھے، لیکن مولانا نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی، وقت گذرنے پر مولانا کی براءت ہی غالب آئی۔

مولانا کی تربیت ان کے بچپن میں ان کی والدہ صاحبہ نے جو کی وہ تو کی ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جس طرح ان کے لیے دعائیں کیں وہ بھی بہت غیر معمولی حیثیت کی تھیں، جن میں سے جو اشعار کی صورت میں کیں وہ "باب رحمت" کے نام سے شائع بھی ہوئیں، ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کیا دلسوزی رہی ہوگی، مولاناؒ کی والدہ صاحبہ عابدہ صالحہ، اوراد و وظائف کی بہت پابند، تہجد گذار اور دین کی حمیت سے معمور ہونے کے ساتھ جب خاوند کے انتقال پر بیوہ ہوئیں، اور اس بیوگی میں جب کہ صاحبزادے ابھی خورد سال تھے، باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو ماں کی ذمہ داری مزید بڑھ گئی، اور دل زیادہ پُر سوز ہو گیا، ایسے میں کیا کیا نہ دعائیں کی ہوں گی، ان دعاؤں کو سن کر اس وقت کا آدمی اردگرد کے حالات و امکانات کی بنا پر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ تھوڑی بھی پوری ہو سکیں گی، وہ ان کی زندگی میں تو زیادہ ظاہر نہ ہو سکیں، لیکن بتدریج وہ سب پوری ہوئیں، ان کی قبر میں اللہ نے ان کی ان

www.abulhasanalinadwi.org

دعاؤں کی قبولیت کے اثرات سے باخبر کرایا ہوگا تو انہیں کس قدر خوشی ہوئی ہوگی!!
ان کو اپنی دعاؤں پر بڑا یقین تھا، اور ایک رسالہ "الدعاء والقدر" کے نام سے تحریر بھی کیا جس میں اپنی دعاؤں کی قبولیت کی توقعات ظاہر کیں، یہ رسالہ قلمی ہے اور بڑا مؤثر ہے۔

مولاناؒ کو اپنے زمانۂ طفولیت کے بعد اپنے بڑے بھائی کی تربیت ملی جو قدیم وجدید کے جامع اور اپنے والد کے خاص تربیت یافتہ اور امت مسلمہ کی حالت زار سے واقف تھے، اور اس کے انحطاط اور خرابی سے نکل کر عزت کے مقام تک پہنچنے کے صحیح اسباب پر بھی اچھی نظر رکھتے تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو اس ضرورت کے تحت بنانے کی کوشش کی، اور اس کے لیے ان کو وقت کی مصلح ومربی شخصیتوں کے پاس جانے کا موقع فراہم کیا، اور ان کو ایسے لٹریچر کا مطالعہ کرایا جس سے مولاناؒ کا مصلحانہ، مربیانہ وقائدانہ مزاج بننے میں مدد ملی، چنانچہ مولاناؒ کو لاہور کی بزرگ ومصلح شخصیت حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی تربیت وتعلیم میں رہنے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے توسط سے مولانا کو اپنے وقت کے بڑے عالی مرتبت بزرگ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اور بیعت سے بھی مشرف ہوئے اور دعائیں وتوجہات لیں۔ لاہور کے قیام کے درمیان شاعر مشرق اور ترجمان اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات کی، جن کے کلام شعری سے مولانا نے دعوت وفکر کے کام میں مدد لی۔ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے پاس جاکر حدیث شریف سے استفادہ اور تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس نے مولانا کے اندر تقوی وللّٰہیت کی فکر وکوشش میں اضافہ کیا، اور اللہ کے لیے جینے اور اللہ کے لیے مرنے کے جذبے کو بڑھایا۔ اور دعوت کے کام کے تعلق سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضری دی، اوران کے کام سے منسلک ہوئے، جس سے مولانا نے اپنے اندر نمایاں فرق محسوس کیا۔ ان کی دین وملت کے لیے فکرمندی اور دلسوزی اوران کی دعوت وصحبت کی اثر خیزی اور اعمال میں نیت کے استحضار اور ایمان واحتساب کے خیال اور پھران کی شفقت ومحبت نے مولانا کو خاصا متاثر کیا۔

پھر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جیسا باکمال روحانی مربی، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مخلص اور عظیم سرپرست ملا۔ ان دونوں بزرگوں سے مولانا نے بھرپور استفادہ کیا۔ مولانا ان علماء ومشائخ کے ہمیشہ احسان مندرہے۔ ان حضرات کے علاوہ دعوت واصلاح کے اور نصرت دین کے جو بھی کام کرنے والے اس وقت نمایاں تھے ان کے کام بھی مولاناؒ کے مطالعے میں آئے۔

مولاناؒ کے ساتھ اللہ تعالی کا مزید یہ فضل رہا کہ ان کو اچھے اساتذہ ملے، مولانا کا تعلیمی نظام قدیم طریقۂ تعلیم سے قریب تر طریقہ پر رہا ہے، وہ طریقہ زیادہ فطری اور مفید ہوتا ہے، اس میں پہلے طالب علم ایک ایک فن کو مکمل کرکے آگے بڑھتا ہے، اور مولانا کو یہ خصوصیت بھی حاصل رہی کہ اس طریقۂ تعلیم میں ان کو بڑے ممتاز اور منجھے ہوئے اساتذہ حاصل ہوئے، جنہوں نے مولانا کے ذہن میں متعلقہ علم کی خصوصیات اور اساسیات بھی اتارنے کی کوشش کی، اس طرح ہر فن کو مولانا نے اس کے مزاج اور خصوصیات کے ساتھ حاصل کیا، تعلیم کا آغاز گھریلو تعلیم سے ہوا، اوراس میں ان کو ان کے شفقت رکھنے والے چچا مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی کی سرپرستی حاصل ہوئی، جنہوں نے اردو فارسی اور ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری پوری کی۔ خورد سال طالب علموں کو پڑھانے کا ان کو اچھا ملکہ تھا، وہ کتب خانۂ ندوۃ العلماء میں ذمہ دار تھے، جو اس وقت شہر کے اندر تھا، مولانا ان کے پاس پابندی سے جاتے، اور وہ تعلیم کے معاملہ میں

ضروری سختی اور حسب ضرورت شفقت کے ساتھ تعلیم دیتے تھے۔

متوسط تعلیم کے زمانے میں عربی زبان کی تعلیم کا بہت اچھے انداز میں آغاز ہوا، مولانا کے والد صاحب کی تصنیفی مشغولیت عربی زبان میں تھی، اس طرح گھر کے اندر عربی سے دلچسپی کا ماحول تھا، مولانا کے برادر اکبر اس مرحلے سے گزر چکے تھے، اور انہوں نے انگریزی کی بھی تعلیم حاصل کی تھی، اس طرح زبان کی تعلیم کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر جدید تجربات کی روشنی میں بنا تھا، وہ نقطۂ نظر یہ تھا کہ عربی کی تعلیم میں نحو و صرف کے ٹھوس قواعد کی تعلیم کو عربی متن اور زبان کی تعلیم سے مقدم رکھنے کا جو رواج ہے وہ متن اور زبان کی صحیح تعلیم میں خلل انداز ہوتا ہے، اور متن و زبان کی تعلیم سے آغاز کرنے سے فطری طریقۂ تعلیم سے قریب تر بات ہوتی ہے، جیسے کہ ہر بچہ اپنی مادری زبان کو فطری طریقہ سے حاصل کرتا ہے، اس میں زبان کو صرف سمجھنا ہی نہیں آتا بلکہ اس کو استعمال کرنا بھی آتا ہے، چنانچہ مولانا کے لیے ان کے بھائی صاحب نے مصر میں تیار کردہ ریڈریں مہیا کیں، اور محلّہ ہی کے اندر مقیم ایک عربی النسل فاضل شیخ خلیل بن محمد عرب کے سپرد کیا، انہوں نے ندوہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن اپنی عربی صلاحیت کو بھی برقرار رکھا تھا، لہٰذا انہوں نے عربی کو اہل زبان کے طریقے سے پڑھانے کی طرف توجہ کی، اور مولانا سے ایسا ربط اختیار کیا جیسا ایک چچا کو اپنے بھتیجے سے ہوتا ہے، کہ اس کی خیر خواہی کا پورا جذبہ ہوتا ہے، اور اس کے لیے فکر و توجہ بھی پوری ہوتی ہے، چنانچہ خلیل عرب صاحب نے قاہرہ اور بیروت کی جدید تیار کردہ ریڈروں سے تعلیم دی، اور عربی زبان سے تعلق مادری زبان جیسا پیدا کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اس کا اثر عربی زبان کے آغاز تعلیم ہی سے مولانا کی صلاحیت پر پڑا، وہ ایسا بنیادی اثر اور فائدہ تھا جس کی بنیاد پر مولانا اپنے استاد کے زندگی بھر شکر گزار رہے، شیخ خلیل عرب عربی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا میں طالب علمانہ مزاج اور ادب پیدا کرنے کی بھی

کوشش کرتے تھے، اور اس کے لحاظ سے سختی کی اگر ضرورت ہوتی تو وہ بھی کرتے، جس کی اجازت ان کو مولانا کے بڑے بھائی اور والدہ کی طرف سے حاصل تھی، اس سلسلے کا ایک واقعہ خود مولانا رحمۃ اللہ نے ''توفیق الٰہی'' کے عنوان سے اپنی خودنوشت سوانح حیات ''کاروان زندگی'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

''عرب صاحب سے پڑھنے کے زمانے میں ایک امتحان پیش آیا، جو دیکھنے میں تو معمولی واقعہ تھا، لیکن میرے لیے کم سے کم عربی تعلیم اور زبان و ادب کے حصول میں کامیابی کے سلسلے میں فیصلہ کن اثر رکھتا تھا۔ ہوا یہ کہ میرے انگریزی کے استاد خلیل الدین صاحب ہنسوی نے جن کا عرب صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے، ان سے میرے ایک ایسے طرز عمل کی شکایت کی جس سے ان کو اپنی اہانت کا احساس ہوا تھا، یہ احساس محض غلط فہمی پر مبنی تھا کہ میں نے یہ کہنے کے بعد کہ آج فلاں عذر کی وجہ سے میرے لیے سبق پڑھنا مشکل ہے، دروازہ ذرا زور سے بند کیا۔ عرب صاحب اس سے بہت متاثر ہوئے، اور انہوں نے بھائی صاحب سے اجازت لی کہ آج وہ میری اچھی طرح تنبیہ کریں گے، ان کے مزاج میں قدرے حدت بھی تھی۔ اس واقعہ نے ان کو مشتعل کر دیا۔ انہوں نے مجھے اس پر اتنا زدوکوب کیا، جو اس جرم واقعہ کی نوعیت سے بہت بڑھ گیا۔ بعد میں ان کو اس کا احساس ہوا کہ اس میں کچھ بے اعتدالی ہوگئی، جس کے لئے مجھ سے معذرت بھی کی۔ شدہ شدہ یہ خبر والدہ صاحبہ کو رائے بریلی پہنچی، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا، اور کہا کہ معلوم ہوا ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

عرب صاحب نے تم کو بہت مارا؟ اللہ تعالیٰ نے اس وقت توفیق دی، اور میں نے عرب صاحب کی پوری وکالت اور ان کی طرف سے مدافعت کی۔ اور اس کو اس تنبیہ وتادیب میں حق بجانب قرار دیا۔ والدہ صاحبہ مطمئن ہوگئیں، اور میری تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس سعادت مندانہ رویے نے جو محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا، مستقبل میں میرے لیے عربی زبان وادب کا ذوق پیدا ہونے اور اس کے ذریعہ سے دین وعلم کی خدمت کرنے کا فیصلہ کرادیا۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہوتی، اور میں اپنے کو بری اور مظلوم قرار دیتا، اور اپنے محسن ومربی استاد کو حدود سے تجاوز کرنے والا بتاتا تو شاید معاملہ برعکس ہوتا۔ اور میں ہمیشہ کے لیے ان کے فیض تعلیم اور عربی زبان وادب میں کامیابی سے محروم کردیا جاتا۔ ﴿ ذلك من فضل ربي ، ليبلوني أأشكر أم أكفر ﴾۔(۱)

مولانا اپنے اوپر ان استاد کا یہ احسان محسوس کرتے تھے اور بڑے قدر اور تشکر کے جذبہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے۔

بہر حال مولانا میں عربی کی استعداد اہل زبان کی استعداد کی طرح بننا شروع ہوگئی، جس نے ترقی کرکے ان کو عالمانہ اور ادیبانہ معیار تک پہنچایا جس کا اعتراف مولانا کی عربی تحریروں اور تقریروں کو دیکھ کر خود عرب علماء اور ادباء نے کیا۔

اور پھر مولانا کے ساتھ عربی زبان وادب کے سلسلے میں ایک بڑا فضل یہ ہوا کہ مراکش کے ایک بڑے منجھے ہوئے عالم شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کا ہندوستان آنا

(۱) ملاحظہ ہو کاروان زندگی، حصہ اول، صفحہ ۹۱-۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا، مولانا کے بڑے بھائی نے جو عربوں کے بڑے قدرداں تھے ان کی قابلیت اور معیار علمی سے واقف ہونے پر ان کو ندوۃ العلماء میں عربی زبان وادب کے استاد کی حیثیت سے مقرر کروایا، اس وقت مولانا اپنی طالبعلمانہ تکمیل تک پہنچ رہے تھے، شیخ تقی الدین ہلالی کی اعلیٰ عربی خصوصیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان سے وابستہ ہوئے اور ان سے استفادہ کیا، اس استفادہ کا موقع مولانا کو تین سال تک ملا، مولانا اس استفادہ کی اہمیت اور افادیت کا زندگی بھر تذکرہ کرتے تھے، اور شیخ تقی الدین ہلالی سے ممنونیت کا اظہار کرتے تھے۔ شیخ تقی الدین ہلالی عربی الفاظ اور تعبیرات ان کے عربی کے معیار فصاحت کے مطابق استعمال کرنے پر بہت زور دیتے تھے، اور اس سلسلے میں کسی کمزوری کو قبول نہیں کرتے تھے، خواہ اس کا خود عربوں میں رواج ہوگیا ہو، مولانا نے ان کے معیار فصاحت کو بتاتے ہوئے اس واقعہ کو دلیل کے طور پر پیش کیا کہ مصر کے اس عہد کے بڑے فاضل اور علامہ شیخ رشید رضا اور عربی کے تسلیم شدہ اہل قلم مفکر امیر شکیب ارسلان کے درمیان عربی کے بعض الفاظ کی فصاحت کے سلسلہ میں بحث ہوئی تو انہوں نے شیخ تقی الدین ہلالی صاحب کو حکم بنایا اور ان کی رائے پر مطمئن ہوئے، جس سے یہ معلوم ہوا کہ عربی کی فصیح اللسان شخصیتوں میں شیخ تقی الدین ہلالی عربی دانی میں حجت کی حیثیت رکھتے تھے، شیخ تقی الدین ہلالی اپنے علمی اور فکری نظریات میں بڑا سخت رویہ رکھنے والے تھے، اور ان کا یہ طریقہ مراکشی مزاج سے مطابقت رکھتا تھا، جس بات کو وہ غلط سمجھتے تھے صراحت کے ساتھ اس کو غلط کہتے تھے، عام زندگی کے معاملات میں بھی ان کا یہ رویہ ہوتا تھا۔

شیخ تقی الدین ہلالی سے زمانہ قیام ندوہ میں مولانا کے ساتھ کئی نوخیز اساتذہ بھی طالب علمانہ تعلق رکھتے تھے، وہ سب مولانا کے رفقاء علم تھے، ان میں مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی اور مولانا ابواللیث ندوی قابل ذکر ہیں، ان میں مولانا

مسعود عالم ندوی نے ندوہ سے عربی ماہنامہ ''الضیاء'' بھی نکالنا شروع کیا جس کی سرپرستی علامہ سید سلیمان ندوی اور شیخ تقی الدین ہلالی کرتے تھے، اور اس میں مولانا علی میاں ندوی اور مولانا محمد ناظم ندوی شریک ادارت تھے، مولانا مسعود عالم ندوی نے شیخ تقی الدین ہلالی کے اس نقطۂ نظر کو زیادہ قبول کیا کہ عہد حاضر میں جو جدید تعبیریں عربی زبان میں آ گئی ہیں، اگرچہ وہ عربیت کے دائرہ کے اندر ہوں، لیکن قدیم تعبیروں سے مختلف ہوں تو وہ افصح نہیں ہیں، ان کو نہیں استعمال کرنا چاہیے، لیکن مولانا علی میاں صاحب اس سلسلے میں اس بات کے قائل تھے کہ معتبر اہل زبان میں اگر کوئی رائج العوام عربی تعبیر کو استعمال کرتا ہے تو اس کو اختیار کرنے میں اتنی سختی کی ضرورت نہیں ہے، اس سلسلے میں مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا علی میاں صاحب کے درمیان گہرے دوستانہ روابط ہونے کے باوجود اختلاف تھا، جو اپنی جگہ پر دونوں رجحانوں کو صحیح مانتے ہوئے قابل اعتراض نہیں قرار دیا جا سکتا، مولانا کا یہ رجحان مولانا کی تحریر کی شگفتگی اور مقبولیت کا باعث بنا، اور ان کی عربی تحریر کو ترجیح حاصل رہی، لیکن شیخ تقی الدین ہلالی کا یہ نقطۂ نظر عربیت کے سخت تحفظ کے جذبہ کو بتاتا ہے، اور اس کو مولانا علی میاں صاحب ''اصولاً صحیح سمجھتے تھے، اور اس کی حتی الوسع پابندی کو بھی ضروری قرار دیتے تھے، بہرحال شروع میں شیخ خلیل عرب اور بعد میں شیخ تقی الدین ہلالی سے مولانا نے عربی زبان وادب کے سلسلے میں قابلیت پیدا کرنے میں بڑا استفادہ کیا اور برابر اس کا اعتراف کرتے رہے۔

مولانا کی متوسط تعلیم کا آغاز عربی زبان وادب میں استعداد پیدا کرنے سے ہوا، اور اسی سے متصلاً حدیث شریف کے فن میں اپنے عہد کے معیاری اساتذہ سے فائدہ اٹھایا، ندوہ کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی صاحب جو حدیث کے فن میں بڑے ماہر اور پختہ صلاحیتوں کے استاد تھے، ٹونک کے ہونے کی وجہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

ان کے مولانا کے ٹونک میں مقیم خاندان کے لوگوں سے بڑے خاندانی روابط رہے تھے، اس کے نتیجے میں شیخ نے مولانا کو بہت تعلق خاطر سے حدیث شریف میں استعداد پیدا کرنے میں مدد دی۔ مولانا نے ان سے حدیث شریف کی امہات الکتب کی تکمیل کی، اور ان سے خصوصی سند حاصل کی، اور یہ یہی سند مولانا نے اپنے تلامذہ کو دینے کا معمول رکھا۔

حدیث شریف کی تعلیم میں مزید تقویت کے لئے ۵-۶ ماہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پاس درس حدیث میں شریک ہونے کے لیے گزارے، اور ان سے مزید استفادہ کیا، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے بعد میں متصلاً لاہور جاکر مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے تفسیر قرآن کے درس میں باقاعدہ طالب علمانہ شرکت کی، اور اس کے ساتھ ساتھ حجۃ اللہ البالغہ جس کا درس ان کے یہاں امتیازی سطح سے ہوتا تھا اس میں بھی شرکت کی، اور امتحان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ اور اس طریقے سے مولانا کے علمی دائرے میں یہ تین خصوصی پہلو ابھرے، عربی زبان و ادب، حدیث شریف اور تفسیر قرآن کریم جو انہوں نے بڑے ممتاز اساتذہ سے اور توجہ سے حاصل کیے۔

اس کے علاوہ مولانا تین ممتاز اہل علم کی علمی سرپرستی سے خصوصی فائدہ حاصل کرتے رہے، ان میں ایک خود ان کے برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی تھے جو ان کو علم کے متعدد پہلوؤں میں مطالعہ اور استفادہ کی طرف توجہ دلاتے، اور ایک عالم دین اور عصری علوم کے ضروری پہلوؤں سے واقف شخص کے لیے جن پہلوؤں پر حاوی ہونا ضروری اور مفید ہے ان کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، علامہ ابن جوزیؒ اور امام غزالیؒ جیسے عظیم مفکرین کی کتابوں کا مطالعہ بھی کرایا، اس کے ساتھ ساتھ تاریخ اور امت اسلامیہ کی موجودہ صورت حال

www.abulhasanalinadwi.org

سے واقف ہونے کی ضرورت کی طرف ان کو متوجہ کیا۔

دوسری شخصیت خود مولاناؒ کے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب حسنی کی تھی، جو لاہور میں اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے، اور ان کا ادب، تاریخ اور علوم دینیہ کا بہت اچھا مطالعہ تھا، اور طلباء کو علمی فائدہ پہنچانے کا ان کو اچھا ڈھنگ تھا، انہوں نے اپنے ان بھتیجے کو فکری، علمی وثقافتی صلاحیت میں بڑھانے کی طرف توجہ رکھی۔

تیسری شخصیت فخر ہند علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے، اور رسوخ فی العلم میں اپنے اقران ومعاصرین پر فوقیت رکھتے تھے، قرآن مجید کے سلسلے میں ان سے خصوصی رہنمائی حاصل کی، اور عربی زبان و ادب اور تاریخ میں بھی استفادہ کیا۔

تدریس اور استاد وشاگرد کے تعلق کے دائرہ میں مذکورہ بالا شخصیات کو بنیادی اور اصل حیثیت حاصل رہی، اور جہاں تک ذیلی اور ضمنی دائرہ کا تعلق ہے تو مولانا کا یہ طرز رہا کہ جس فن کا معاملہ ہو اس کے ماہر وفاضل سے ملاقات پر اپنے لیے کچھ فائدہ معلومات کی شکل میں حاصل کرتے، جو ایک طرح سے برابر کی سطح پر اور مذاکرہ کی شکل میں ہوتا، مولانا اس طرح کے استفادہ میں عیب نہ سمجھتے، حتی کہ اگر اپنے شاگردوں میں سے کسی سے کوئی وقیع بات سنتے تو اس سے استغنا برتنے کی کوشش نہ کرتے، مولانا کو جب بین الاقوامی مجالس میں رکنیت کا موقع ملا تو بین الاقوامی سطح کے فضلاء سے ملاقاتیں بھی ہونے لگیں، مولانا اپنی ان ملاقاتوں کو صرف مشاورتی اور اداری حد تک محدود نہ رکھتے، بلکہ اسی میں علمی مذاکرہ کا بھی کوئی موقع نکال لیتے، ان باتوں سے مولانا کی علمی وسعت وخصوصیت اس پایہ کی ہوگئی تھی کہ بین الاقوامی سطح کے بڑے فضلاء بھی ان کی واقفیت اور علم کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے، اور ایسی محافل میں بھی ان کے رکن ہونے کو پسند کرتے جو علمی اور فنی لحاظ سے بڑی خصوصیت کی حامل ہوتیں، مولانا

www.abulhasanalinadwi.org

کی یہ خصوصیات ایسی تھیں کہ بین الاقوامی سطح پر ایک بڑے عالم اور بین الاقوامی شخصیت کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔

مولانا کی شخصیت کی تشکیل کے دونوں پہلو علمی اور انسانی اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کے حامل رہے، جن میں ان کے والد ماجدؒ کے ان کے بچپنے ہی میں انتقال ہو جانے سے طبیعت پر جو اثر پڑا ہوگا، اور اس بارے میں جیسی بیکسی کا احساس ہوا ہوگا اس نے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچا ہوگا۔ اور خصوصی مددیوں ہوئی جیسے کہ یتیم بچے اگر صالح سیرت واخلاق کے ہوں تو ان کی خصوصی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مزید یہ بات حاصل ہوئی کہ ان کو اپنی والدہ ماجدہؒ کی سرپرستی اور ان کی مؤثر اور بہت خصوصی دعاؤں کا حصہ ملا، ان دونوں باتوں نے مولاناؒ کی شخصیت کو بہت اچھے انداز میں بنایا اور بڑھایا۔ اس کے علاوہ مولانا جسمانی لحاظ سے مختلف تکلیفوں سے گزرے جو انسان کو اگر وہ صاحب عزیمت ہو تو بنانے والی اور شخصیت کا مقام بلند کرنے والی ہوتی ہیں۔ مولانا کو کم عمری میں پرانی پیچش کی شکایت ہوگئی تھی، جو ایک مدت تک رہی اور بہت علاجوں کے بعد دور ہوئی، اور اس سے انہیں اپنے دعوتی سفروں اور علمی مشغولیتوں میں تکلیفوں سے گذرنا پڑا، اور اس کی وجہ سے کمزوری اور دبلے پن سے لمبی مدت تک سابقہ رہا۔

مولانا اپنی نوعمری اور ابتدائی جوانی میں، غیر معمولی طریقہ سے گزرے تھے کہ دیکھ کر اچھے طریقہ سے محسوس کیا جا سکتا تھا کہ بہت کمزور صحت کے ہیں اور بڑے عوارض رکھتے ہیں، اطباء بھی اس کو محسوس کرتے تھے، اور لاہور کے سفر میں ایک ڈاکٹر نے دیکھ کر ہڈی یا آنتوں کا دق تجویز کیا تھا، اور زندگی کے جلد ختم ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، مولانا اپنی بعد کی زندگی میں جب لاہور گئے تو ان صاحب سے ملاقات بھی ہوئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ مجھے ان کو دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ وہ یہ سوچیں گے کہ یہ وہی

www.abulhasanalinadwi.org

شخص ہے جس کی زندگی کے قائم رہنے کی امید ہم نے ظاہر نہیں کی تھی۔

بہر حال مولانا کے بڑے بھائی جو طب یونانی اور طب ایلوپیتھی دونوں کے ماہر کے طور پر ابھرے تھے، طرح طرح کی دوائیں تجویز کرتے رہے، اور بالآخر اس مرض پر قابو پالیا گیا، ورنہ ان کے دعوتی سفروں میں صحت کی کمزوری کے باعث ایسے موقعے بھی آتے تھے کہ خونی پیچش کی وجہ سے بہت کمزوری اور لاغری محسوس کرنے لگتے تھے، اور دیہاتوں کے سفروں میں زیادہ مشقت میں مبتلا ہو جاتے۔ ایسے دعوتی سفروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے بڑے بھائی صاحب اندیشہ ظاہر کرتے تھے کہ کہیں کوئی واقعہ نہ پیش آجائے۔ اس مرض سے فرصت ملنے پر صحت بہتر ہوئی، لیکن مولانا کو کھانسی کی شکایت زائد طریقہ سے ہوگئی۔ اس قدر جلدی جلدی اور مسلسل کھانسی آتی کہ شاید پانچ منٹ بھی نہیں گذرتے، اور مولانا کو کھانسی آجاتی، حتی کہ کھانسی ان کی علامت بن گئی جس سے یہ محسوس کر لیا جاتا تھا کہ مولانا آرہے ہیں، یا موجود ہیں۔ کھانسی کی شدت کا اثر اعصاب پر ہوتا تھا، علاج ہوتا رہا مگر کارگر نہ ہوتا۔ بالآخر مولانا دمشق وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے گئے اور ایک مہینہ وہاں آرام کیا جس سے کھانسی خود بخود بلا علاج کے ختم ہوگئی۔

اس کے بعد کچھ ہی مدت گذری کہ مولانا کی آنکھوں میں اچانک تکلیف پیدا ہوگئی، اور اس کے علاج کی خاطر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے میڈیکل کالج جانا ہوا، اور وہاں ایک آنکھ کا آپریشن کیا گیا، جس سے صحت کی ضرورت پوری نہ ہو سکی، اور مولانا کو زیادہ بڑے آپریشن کے لیے بمبئی جانا پڑا تو وہاں ایک مشہور ڈاکٹر سے آپریشن کرایا، یہ آپریشن بڑا تھا، اور اس کے لیے احتیاطیں کرنا بھی ضروری تھیں، اور اسی زمانہ میں جمشید پور اور راوڑکیلا کے سخت فسادات ہوئے تھے، اس کے لیے اصلاح کے طور پر مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل ندوۃ العلماء کے ہال میں کی گئی، جس میں مولانا کو

www.abulhasanalinadwi.org

بحیثیت میزبان اور داعی کے شریک ہونا پڑا، اور تقریر بھی کرنی پڑی جو احتیاط کے منافی عمل تھا، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جلد یہ ثابت ہوا کہ ڈاکٹر سے آپریشن میں کچھ بے احتیاطی ہوگئی تھی، جس کے اثر سے آنکھ کی صلاحیت کمزور ہوگئی تھی۔ چنانچہ جلد ہی ''گلوکوما'' کا دورہ پڑا، اس کے علاج کے لیے سیتاپور کے مشہور آنکھ کے اسپتال جانا ہوا جہاں ڈیڑھ ماہ سے زیادہ مولانا کا قیام رہا۔ اور تکلیف کا مستقل طور پر دور کرنے کا علاج وہاں تجویز نہ ہوسکا، صرف وقتی علاج بصورت آپریشن ہوتا اور تین چار روز کے لیے اس سے آرام مل جاتا اور پھر شدید تکلیف ہوتی اور پھر آپریشن کی نوبت آتی۔ یہ سلسلہ بہت ہی فکر وتشویش کی حالت میں کئی ہفتے چلتا رہا، تکلیف کا دورہ جب ہوتا تو تشویش آخری درجہ تک بڑھ جاتی اور مجبوراً آپریشن کرانا پڑتا، اس طرح پر ۶-۷ آپریشن کرانے پڑے۔ اور آنکھ اتنے آپریشنوں کے بعد ایک زخمی اور مرض کی شکار آنکھ بن گئی، اور عجیب کیفیت کا وہ زمانہ گزرا، اسی میں رمضان آیا اور گیا، عید کی نماز تیمارداروں کو بھی اسپتال ہی میں پڑھنی پڑی۔

پھر ہومیوپیتھی علاج کی طرف رجوع کیا، اس علاج کے شروع کرنے پر درد کے دوروں کا سلسلہ تو ختم ہوگیا مگر بینائی کی کمزوری برابر لگی رہی اور علاج بھی جاری رہا، مولانا نے ہمت ان تکلیفوں کے باوجود نہیں ہاری، اور سن کر بول کر اپنا تصنیفی سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا کی متعدد اہم تصنیفات اسی زمانہ کی ہیں۔ یہ مدت ۱۰-۱۲ سال تک جاری رہی جس میں اپنی بصارت سے کوئی علمی اور کوئی اہم کام نہیں کر سکتے تھے۔ ہر وقت ایک مرافق کی ضرورت ہوگئی تھی، جو راستہ کو پہچاننے میں بھی مدد دے۔ لیکن مولانا کا کام اور سفر جاری رہا، اور بالآخر ۱۹۷۷ء میں امریکہ کے سفر میں دوسری آنکھ کا جس کی روشنی پانی کے اترنے کی وجہ سے قریب الختم تھی، اس کا آپریشن امریکہ کے دورے کے اختتام پر فلاڈلفیا میں ایک ماہر ڈاکٹر کے ہاتھوں سے انجام پایا، اور اس سے آنکھ کی بصارت بحال

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئی جس کو مولانا اپنی عمر کے اختتام تک استعمال کرتے رہے۔

پھر مولانا کو نقرس (Goud) کا مرض لاحق تھا، جس نے اور شدت پکڑی، یہ بھی اتنا سخت ہوتا تھا کہ جس کا برداشت کرنا آسان کام نہ تھا، مگر ان سب کے ساتھ مولانا اپنے علمی، دینی اور دعوتی معمولات جاری رکھتے۔

مولانا کے آغاز جوانی کے موقع پر پیچش کے مرض کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی شخصیت میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا جس کا خود انہوں نے اپنی گفتگو میں تذکرہ کیا کہ مولانا کے بڑے بھانجے برادر اکبر سید محمود حسن صاحب (متوفی ۱۹۴۲ء) جو بچپنے ہی سے مختلف امراض میں مبتلا تھے، مولانا سے ان کی عمر سات آٹھ سال کم رہی ہوگی، اپنے ایک مرض کی شدت میں لکھنؤ کے میڈیکل کالج میں یورپین وارڈ میں داخل کیے گئے اور وہاں ان کی رفاقت کے لیے مولانا کے سوا کوئی دوسرا موزوں نہ تھا۔ مولانا کو ان کے ساتھ چند شب و روز تنہا گذارنا پڑا۔ مولانا کی آغاز جوانی تھی، جس میں عام طور پر آدمی خوش دلی کا مزاج رکھتا ہے، لیکن وہاں کی کم از کم رات کی تکلیف نے مولانا کے دل کو ہلا دیا کہ وارڈ کے مختلف حصوں سے وقتاً فوقتاً کراہ کی آواز سننے کو ملتی۔ اکثر خود مولانا کے عزیز بھانجے تکلیف محسوس کرنے پر بے چینی کے ساتھ آواز دیتے کہ ماموں جی بہت تکلیف ہے، مولانا کے بس میں کچھ نہ ہوتا۔ متاثر دل کے ساتھ ادھر ادھر جا کر ڈیوٹی پر موجود نرس سے کہتے اور وہ بے چاری زیادہ کچھ نہ کر سکتی۔ مولانا بتاتے تھے کہ ان چند شبوں کا اثر مجھ پر اتنا پڑا کہ وہ خوش دلی جو طبعی ہوتی ہے ذمہ دارانہ اور حقیقت پسندانہ احساسات میں تبدیل ہوگئی۔ اور اس سے زندگی کی باقاعدگی اور ذمہ دارانہ تقاضوں کی اہمیت دل میں بڑھ گئی۔

مولانا کے یہ عزیز بھانجے اس علاج سے فارغ ہو کر اسپتال سے آگئے لیکن ان کے امراض کا سلسلہ قائم رہا اور ۸-۹ سال بعد عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان کی

www.abulhasanalinadwi.org

اصل بیماری T.B. تجویز ہوئی تھی، اور اس وقت تک T.B. کا علاج ایلوپیتھی میں بھی دریافت نہیں ہو سکا تھا۔ یہ مذکورہ حالات اگرچہ جسمانی نوعیت کے ہیں لیکن مولانا کے کام اور خصوصیات کی تشکیل میں ان کا اپنے اپنے دائرہ میں اثر پڑا، جس سے مولانا کی ہمت و عزیمت اور صبر و برداشت اور انسانی ہمدردی اور رحم کی کیفیات کو ایک حد تک متعلق سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے جو دینی تعلیم اور دینی راہ عمل اختیار کی اس کے لیے ان کے نشو ونما اور فراغت تعلیم کے بعد تک کا ماحول بہت ناساز گار تھا، خود ان کے بعض قریبی اعزہ و معاصرین دینی تعلیم اور دینی راہ عمل اختیار کرنے کو زندگی کی آسودگی اور مادی راحت کے منافی سمجھتے تھے۔ اور صرف انگریزی تعلیم اور عصری راہ عمل ہی کو زندگی کی کامیابی کا ضامن سمجھتے تھے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان کا اظہار رائے ایک وقتی ہمدردی اور اظہار افسوس کا ہوتا، اور اپنے ہم عمروں اور قریبی عمر رکھنے والوں کی طرف سے بعض وقت طنز کا بھی ہوتا جس کو مولانا کو برداشت کرنا پڑتا، اور اسے برداشت کرنے میں ان کو اپنی والدہ صاحبہ سے اور اپنے برادر معظم سے پوری تقویت اور حمایت ملتی۔ اور اسی ضمن کی بات ہے کہ لاہور کے سفر اور قیام میں جہاں وہ اپنے پھوپھا کے پاس ٹھہرے تھے، ان کے پھوپھا کے بعض دوستوں نے مولانا کی ذہانت دیکھ کر یہ کہا کہ لڑکا ذہین ہے، اس کو انگریزی تعلیم دلا کر ''آئی سی ایس'' کے عہدے تک پہنچانا چاہیے، نہ کہ دینی تعلیم میں ڈال کر ضائع کیا جائے۔ اس دور میں پڑھے ہوئے لوگ اس طرح کا ذہن رکھنے والے ہوتے تھے جن سے مولانا کو گزرنا پڑا۔

ان حالات میں مولانا نے اپنی شخصیت کو بہتر بنانے اور کارآمد و اسلامی قدروں کا حامی و محافظ بنانے کا عمل جاری رکھا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نمایاں اور قابل رشک شخصیت بننے کا مقام حاصل ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

امتیازات وخصوصیات

اور اخلاق وصفات

مولانا رحمۃ اللہ علیہ متعدد و متنوع کمالات وخصوصیات کے حامل انسان تھے، وہ ایک طرف ممتاز مفکر و مصلح، دوسری طرف کامیاب معلم ومربی، اور تیسری طرف با اثر صاحبِ قلم اور صاحبِ اسلوب ادیب تھے۔

مولاناؒ نے دو خاص صفتوں کو حرزِ جاں بنایا: ایک تو قوم وملت کی خیر خواہی وخیر طلبی، اور دوسرے زہد وقناعت کے ساتھ حصولِ مقصد کے لئے لگن اور قربانی، اس کے ساتھ ساتھ طبیعت کی نرمی، کریمانہ اخلاق، والہانہ جذبہ عمل، فہم وفراست اور مقصد کی بلندی جیسی ممتاز صفات مولاناؒ کی خصوصیات تھیں، اپنی انہی صلاحیتوں سے انھوں نے متعدد اہم ترین مسائل حل کئے اور قوم کے دانشوروں اور رہبروں کو متأثر کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں دو نمایاں صفتیں خاص طور پر قابلِ ذکر رہی ہیں: ایک تو ممکنہ حد تک وسعتِ قلبی، دوسری صفت دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز، وہ دین وملت کی تعمیر میں حصہ لینے والے تمام لوگوں کے لئے اپنے دل میں جگہ رکھتے تھے، اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے، ان سے ملتے اور اظہارِ قدر کرتے تھے، بشرطیکہ وہ دین وملت کی بنیادی قدروں اور مسلّمہ اصولوں کے خلاف کام نہ کر رہے

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں۔ چنانچہ فقہی مسلک کا اختلاف، مکتبِ فکر کا فرق یا طریقۂ کار کا تنوع مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں دوری اور ٹکراؤ کا سبب نہ تھا، بشرطیکہ اس کا کام اصل دین، اور ملت کی تقویت کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو، اسی قاعدہ کے بموجب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اور جامعہ سلفیہ بنارس، اسی طرح جمعیت علماء ہند، جماعتِ اسلامی وغیرہ سب کو ان کی تعمیری اور ملی کوششوں اور دینِ حق کی نصرت کے زاویہ سے دیکھا، اور ان کے لئے اظہارِ قدر کیا، ان کے ذمہ داروں سے اخوت وہمدردی کا معاملہ رکھا اور حسب ضرورت تعاون کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری صفت دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز رہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ صفت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی شخص مولانا کی تحقیر وتنقیص کرتا تو بھی مولاناؒ اس کا جواب نہ دیتے، اور اپنے معاونین ومحبین کو بھی ہدایت کرتے کہ وہ کوئی انتقامی رویہ اختیار نہ کریں، اور ان سے ایسا آدمی ملتا تو وہ اس سے اس بات کی شکایت بھی نہ کرتے، بلکہ شرافتِ نفس کے ساتھ معاملہ کرتے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مولاناؒ کو تنقیص وتحقیر کے رویہ سے تکلیف نہیں ہوتی تھی، وہ حساس طبیعت تھے، ان کو ایسی بات سے تکلیف ضرور ہوتی تھی، لیکن انھوں نے اپنا وطیرہ برداشت اور رواداری کا رکھا۔

دوسروں کا برا چاہنا یا انتقام لینا مولاناؒ کے یہاں بالکل نہ تھا، وہ دوسروں کی عیب جوئی سے بھی دور رہتے تھے، جن کو برا سمجھتے تھے بلاضرورت ان کی برائی کا بھی تذکرہ نہیں کرتے تھے، حتی کہ ان کے خدام کو بعض وقت یہ دھوکا ہوجاتا تھا کہ مولاناؒ اپنے فلاں مخالف کے بارے میں بالکل ناواقف ہیں اور اس سے اس ناواقفیت میں دھوکہ کھا سکتے ہیں، لیکن کسی نے توجہ دلائی تو اندازہ ہوا کہ مولاناؒ بے خبر نہیں ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ مولاناؒ کے اس رویہ کے نتیجہ میں ان سے متعدد دوری رکھنے والے ان کا محبت ہی کا رویہ دیکھ کر بالآخر ان سے قریب ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولاناؒ کی ایک اہم خصوصیت دین وملت کی خدمت ودفاع کا جذبہ تھا، وہ کسی کو بھی دین وملت کو نقصان پہنچاتے دیکھتے یا دین کے مسلمہ حقائق یا دین کے بنیادی حقوق پر حملہ آور ہوتا دیکھتے تو اس کا سخت نوٹس لیتے تھے، اور اس میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس کی مثالیں ان کے مختلف مضامین اور تصنیفات میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، انھوں نے عربوں کے ساتھ عقیدت ومحبت کے باوجود عرب قومیت کی مخالفت بلکہ سخت تردید کی، اور ترک قوم کے کارناموں کی وجہ سے ان کی قدر ومحبت رکھنے کے باوجود موجودہ ترک حکمرانوں کے الحادی رویہ کی سخت مذمت کی، اور اپنی اسی غیرتِ دینی کے تقاضہ سے حسب ضرورت اپنی زبان وقلم کو مؤثر ڈھنگ سے استعمال کیا۔ انھوں نے ہندوستان میں اسلامی ثقافت کو غیر اسلامی ثقافت میں مدغم کرنے کی کوششوں کی کھل کر مخالفت کی، اور اس سلسلہ میں تقریریں کیں اور مضامین لکھے، اور اس ملک میں مسلمانوں کی کثیر آبادی کے بسے ہونے کے ناطے اس بات کی تحریک چلائی کہ تمام مذاہب کو اپنے اپنے طریقہ سے کام کرنے کا موقع ملے، اور اکثریت اپنی اکثریت کی بنیاد پر اقلیت پر اپنے مذہب وتہذیب کو عائد نہ کرے، اور سب شریف پڑوسی کی طرح زندگی گذاریں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملتِ اسلامیہ کی سماجی، تعلیمی اور سیاسی ضرورتوں اور تقاضوں کو ان کی اہمیت کے مطابق پیش نظر رکھتے تھے، اور کام کرنے والوں کے مابین طریقہ کار اور نقطہ ہائے نظر کا جو فرق ہوتا اس کو اختلاف اور کشمکش کا موضوع نہ بناتے ہوئے اپنا ضروری تعاون دیتے تھے، ان کا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مسلم مجلسِ مشاورت، دینی تعلیمی کونسل سے تو ذمہ دارانہ بلکہ سرپرستانہ تعلق تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ جمعیۃ علماء ہند، مسلم لیگ، ودیگر قومی کام کرنے والی جماعتوں کی مثبت اور لائقِ ستائش کوششوں کی بھی پوری قدر کرتے تھے، تعلیمی تحریکات میں، دینی تعلیم کی درسگاہوں کے علاوہ جن

www.abulhasanalinadwi.org

سے ان کا گہرا ربط تھا، ملت کی عصری درسگاہوں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ کی بھی اہمیت وضرورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اوران کی مشکلات کے حل کے لئے جوادبی واخلاقی تعاون دے سکتے تھے وہ دیتے تھے، ان کی نظر میں ملت کی بقاء و حفاظت وترقی کی ضروری فکر کرنا مشترک فریضہ تھا، اس کے لئے اپنے جماعتی ونظریاتی اختلافات سے بلند ہوکر کام کرنے کی ضرورت سمجھتے اوراس پر عمل کرتے تھے، اوراس کے لئے ان کے اختیار میں جوتعاون ہوسکتا تھا وہ دیتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں ان پر متفق ہوجایا کرتی تھیں، اوراپنے آپس کے اختلاف وفرق کے باوجودان کواپنا مشترک ہمدرداور مشیر سمجھتی تھیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف النوع ومتعدد الفکر گروہوں کے ساتھ تعاون و تائید کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ ان کی خود کوئی الگ رائے نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ محض ملت کی بقاءاور ترقی کی مصلحت کی خاطر چھوٹی اور انفرادی مصلحتوں کونظر انداز کرکے بڑی مصلحت کے لئے ہمدردی وتعاون کرتے تھے، ورنہ وہ ہر مسئلہ میں اپنی متعین رائے رکھتے تھے، اورغلط اور منحرف رجحانات کے ساتھ کوئی لوچ نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کے خلاف مثبت جدوجہد کرتے تھے، اور یہ بات ان کی تقریروں اور تصنیفات میں پوری طرح عیاں ملتی ہے۔

پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خدمتِ دین وملت کا دائرہ صرف ہندوستان اور برصغیر تک محدودنہیں تھا، بلکہ پورے عالمِ اسلامی تک پھیل گیا تھا، وہ مشرق میں ملیشیاو انڈونیشیا تک اور مغرب میں افغانستان، ایران، ترکی اور ممالکِ عربیہ تک تھا، بلکہ یورپ وامریکہ میں مقیم مسلمانوں کی سوسائٹیاں تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فکروعمل کے دائرے میں تھیں، وہ جہاں جس تعاون کا تقاضہ سمجھتے اس کے کرنے کی کوشش کرتے، اور جہاں کمزوری اورانحراف محسوس کرتے وہاں اصلاح وتنقید کی اپنی آواز پہونچاتے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور صحیح اسلام اور ملت کی صحیح مصلحت کی پاسداری کی طرف توجہ دلانے کا جرأت مندانہ کام انجام دیتے تھے، اس کے لئے عوام میں عمومی خطاب کا، اور حکومت کے ذمہ داروں کے لئے ملاقات وافہام وتفہیم کا طریقہ اختیار کرتے، مولاناؒ نے دینی وملی خدمت کے لئے اپنا جو مزاج بنایا تھا اس میں مخاطب کے لئے اس کے مقام وحیثیت کے لحاظ سے جو اسلوبِ کلام مناسب ہوتا اور اس کا جو اچھا کام ہوتا اس کے لحاظ اور اس کے اعتراف کے ساتھ بات کرتے، لیکن اس سے کہنے والی بات زوردار طریقہ سے کہہ دیتے، تنقید ہوتی لیکن انداز محبانہ ومشفقانہ ہوتا، چنانچہ ان کی تلخ بات بھی برداشت کرلی جاتی، اس سلسلہ میں ان کو اپنے ملک کے چوٹی کے لیڈروں سے اور غیر ممالک کے سربراہانِ مملکت سے بات کرنے کے جو مواقع حاصل ہوئے انھوں نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا، اور استغنا کے ساتھ اور یہ محسوس کراتے ہوئے بات کی کہ ان کی کوئی مادی غرض نہیں ہے، اور یہ محض خیر خواہی میں ہے، اس کی تھوڑی بہت تفصیل ان کی خودنوشت سوانح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مولاناؒ کا یہ عمل غیر معمولی انداز کا ہوتا تھا، میں نے خود کئی ایسے موقعے دیکھے کہ جہاں رواداری اور تنقید کو جمع کرنا خاصا دشوار تھا لیکن مولاناؒ ان سے حکمت اور جرأت کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے سماجی وملی کاموں میں طریقۂ نبوت پر عامل ہونے کی کوشش کرتے تھے کہ مخاطب سے اس کی زبان اور فہم کے مطابق بات کی جائے، اور مخلصانہ وہمدردانہ انداز میں اور اصل مرض کو سامنے رکھتے ہوئے مخلصانہ جذبہ سے بات کی جائے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے پیغامِ حق پہنچانے کا جو تذکرہ آیا ہے اور حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں جو تفصیل ملتی ہے انھوں نے اس کو اپنے لئے مشعلِ راہ

www.abulhasanalinadwi.org

بنایا، نیز تاریخ میں اہلِ ایمان وعزیمت ومصلحین امت کے جو تذکرے ملتے ہیں ان سے اخذِ فیض کیا، اور طریقہ کار کے اس تنوع کو بھی سمجھا جو مختلف زمانوں اور مختلف ماحولوں اور مختلف حالات میں مصلحین امت نے اختیار کیے، اس میں مولاناؒ کے سامنے امام احمد بن حنبلؒ کا کلمہ حق پر جمنا اور سخت آزمائش اور اذیت کے باوجود حق پر قائم رہنا، امام غزالیؒ کا علم میں کمال پیدا کرنے کے ساتھ اصلاحِ باطن اور روحانی ترقی کی فکر کرنا اور اس کی اہمیت کی تلقین کرنا، امام ابنِ تیمیہؒ کا دین کی بنیادی قدروں کی وضاحت کے ساتھ سماجی خرابیوں اور بد دینی کا اپنی تصنیفات کے ذریعہ مقابلہ کرنا، اور دین کی صحیح فکر کی ترجمانی کرنا، مولانا جلال الدین رومیؒ کا حکیمانہ ومصلحانہ انداز کا ناصحانہ ومربیانہ کلام، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا توحید پر زور اور حاکمانِ وقت کی بالواسطہ ناصحانہ انداز میں اصلاحِ حال کی کوشش، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی روحانی ومصلحانہ زندگی اور حکیمانہ اندازِ تربیت و اصلاح، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سماجی وتہذیبی بگاڑ اور سیاسی بدحالی کے دور میں حکیمانہ طریقہ سے اصلاحِ حال کی کوشش، اور تعلیم وتربیت کے نظام کی درستگی اور رہنمائی کا کام، پھر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء وخلفاء کی اصلاحِ عقیدہ وعمل کے ساتھ ہجرت وجہاد کے عمل کو قائم کرنے کی کوشش شامل ہے۔

اس کے ساتھ ان کے پیش نظر حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی رہی جو توحید وسنت پر استقامت اور بدعت کی مخالفت ونکیر میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

حضرت سید شاہ علم اللہ صاحب حسنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۹۶ھ) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مدینہ منورہ ہجرت کا ارادہ رکھتے تھے، مگر ایک بزرگ کا ایما پا کر ایک غیر آباد جگہ

www.abulhasanalinadwi.org

تکیہ کلاں، رائے بریلی میں طرح اقامت ڈالی، پھر مسجد کی تعمیر کی۔ اور قدر کفاف پر گزارہ کرتے ہوئے انہوں نے اور ان کی اولاد نے ارشاد وتربیت واصلاح اور تعلیم کا کام انجام دیا، اور اس میں جہاد وقربانی کی ضرورت پڑنے پر اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ پھر ان ہی میں امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پیدا ہوئی۔ اور پھر آخری دور میں زیادہ وسیع پیمانہ پر یہ کام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمۃ کے ذریعہ انجام پایا۔ مولانا کا پدری سلسلۂ نسب ان کے چچا مولانا سید محمد اسحاق صاحب سے اور مادری سلسلۂ نسب خود ان سے جاملتا ہے، رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

حضرت مولاناؒ نے ان سب سے استفادہ کیا، اور موجودہ زندگی کے ان گوشوں میں جو مذکورہ بالا ائمہ امت کے یہاں ملتے ہیں، اپنے طریقہ کار کے لئے رہنمائی حاصل کی، اس سلسلہ میں ان کی مثال شہد کی مکھی کی طرح رہی جو ہر طرح کے پھولوں سے اپنی ضرورت کا رس لیتی اور شہد بناتی ہے، جو دوسروں کے کام آتا ہے۔ اس کے جسم میں ڈنک بھی ہوتا ہے جو کہ وہ اس وقت استعمال کرتی ہے جب اس کو تنگ کیا جائے، اور رکاوٹ ڈالی جائے، لیکن اس بات میں مولاناؒ قدرے مختلف تھے، وہ حتی الوسع انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس کے بار بار موقعے آئے کہ مولاناؒ کو جواب دینا چاہئے تھا لیکن مولاناؒ نے صبر اور خاموشی کو ترجیح دی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی فکر بلند کو معاملہ فہمی اور حق شناسی سے اور اسی کے ساتھ انحراف وگمراہی کے خطرات کو جلد محسوس کرتے ہوئے اپنی علمی صلاحیت اور داعیانہ طریقہ کار کو مؤثر زبان وقلم کے ذریعہ بروئے کار لاتے، وہ ان کے ذریعہ اصلاحِ حال اور تلقین وتربیت کا کام لیتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے امتِ اسلامیہ کی مجموعی وبنیادی مصلحت اور

www.abulhasanalinadwi.org

امتِ اسلامیہ کی وحدت واتفاق کی اہمیت برابر رہتی تھی، خواہ وہ فکرِ صحیح کی ترویج ہو، انحراف وگمراہی کا مقابلہ ہو، امت کے اتحاد وسر بلندی کا معاملہ ہو، یا دشمنانِ ملت کی گمراہ کن ریشہ دوانی کا مقابلہ ہو یا امتِ مسلمہ کو اس کے ماضی کے بلند مقام پر واپس لانے کا معاملہ ہو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان سب کاموں کے لئے کوشاں رہتے تھے، اور ان میں اپنی عقلی وعملی توانائیاں صرف کرتے تھے۔

مولاناؒ کا صلہ رحمی کے سلسلہ میں سنت کی پیروی کا رویہ ہوتا تھا، خاندانی لحاظ سے دور سے دور کے عزیز کے ساتھ ایسا اخلاق وتعاون کرتے کہ صلہ رحمی کا عمل انجام پاسکے، اس کے لئے اگر شہر کے یا ملک کے باہر جانے پر کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ اس سے کسی طرح کی قرابت تھی تو اس سے ملنے کے لئے باقاعدہ اس کی جگہ پر جاتے اور تعلق ومحبت کی گفتگو کرتے۔ اس میں اس حد تک فراخ دلی تھی کہ اگر ان کے والد کا کوئی دوست ہوتا تو اس سے بھی اسی محبت کے ساتھ جا کر ملتے، اور اس کا لحاظ کرتے، اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس کی اولاد کے ساتھ بھی رعایت کا معاملہ رکھتے۔ عزیزوں کے عزیز کے ساتھ بھی سلوک کر کے صلہ رحمی کا ثواب حاصل کرنا چاہتے۔ اور قریبی عزیز کے ساتھ غیر معمولی معاملہ رکھتے۔ بعض عزیزوں کی طرف سے بے اعتنائی یا کسی مخالفت کا معاملہ ہوتا تو خاموشی سے برداشت کرتے، اور جب موقع آتا تو صلہ رحمی کا معاملہ کرتے، مولانا اس حدیث پر عمل کرتے کہ دوسروں کی طرف سے قطع رحمی ہو تو بھی ان کے ساتھ صلہ رحمی ہو۔ اس سلسلہ میں مولانا کے بعض واقعات بڑے معیاری انداز کے سامنے آئے۔

صلہ رحمی کے علاوہ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے کا معاملہ اور اکرام مومن کا عمل مولاناؒ کے یہاں نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا تھا، حتی کہ اپنے خدمت کرنے والوں کے ساتھ برابر کا اور مساویانہ رویہ رکھتے اور دسترخوان پر اپنے بغل میں بھی بعض

www.abulhasanalinadwi.org

وقت بٹھالیتے۔ اس میں مولاناؒ کی والدہ صاحبہ کی طرف سے بچپن ہی میں یہ تربیت کی گئی تھی، اسی کا اثر اس صورت میں دیکھا جاسکتا تھا۔

اس کے ساتھ احترام انسانیت کو بھی ملحوظ رکھتے، اسی لئے انسانیت کی تعمیر کا مسئلہ ان پر بہت حاوی تھا۔ ایک مسئلہ میں سکھوں کو اکثریتی فرقہ کی طرف سے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا تو مولانا کے کانوں میں جب یہ باتیں پڑیں تو وہ بے چین ہو گئے، اور ظلم کے نقصانات سے انہوں نے آگاہ کر کے اس سے باز رہنے کی پُر زور اپیل کی۔ اس کا سبھی لوگوں پر بڑا اثر پڑا، اور معاملہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، بلکہ مولانا کی اس فکر اور اخلاق کا یہ اثر پڑا کہ جو لوگ نامناسب طریقہ سے سامان اٹھالائے تھے وہ جا جا کر واپس کرنے لگے۔

مولاناؒ کی زندگی سادگی اور تواضع کی زندگی تھی، رہائش میں بھی اور لباس میں بھی عام طرز جو شریعت کے مطابق ہوتا اور اس میں کوئی شان وشوکت کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ اس کا ان کے قریب تر حضرات نے بخوبی مشاہدہ کیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس سادگی کا تذکرہ اپنے مضامین میں بھی کیا ہے۔ گھریلو زندگی میں کوئی علیحدہ طریقہ کا رویہ نہ ہوتا، گھر میں اور باہر بھی مولاناؒ کی وہی سادگی اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا رویہ تھا، گھر کے سامان میں سادگی تھی، اور گھر والوں کے ساتھ ان کی قرابت کے لحاظ ہی سے معاملہ رکھتے۔ مولاناؒ کے ایک رشتہ دار جو چچا ہوتے تھے، بہت خوش حال نہ تھے، وہ مولاناؒ کے گھر کے دوسرے حصہ میں رہتے تھے، بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے خدمت کے لائق ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پائجامہ میں طبعی خرابی کی وجہ سے گندگی آگئی تھی، مولانا نے اپنی عالمانہ حیثیت اور شہرت کے باوجود خود لے جا کر اس کو دریا میں دھویا اور دوسرے کو نہیں دیا کہ یہ میرے چچا ہیں اور یہ میری ذمہ داری ہے۔

اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ تو بہت نیاز مندانہ اور سعادت مندانہ

www.abulhasanalinadwi.org

معاملہ تھا، والدہ کی خدمت اور اس میں اپنی سعادت مندی سے بہت فیض اٹھایا، اور بڑے بھائی کو اپنے والد کے انتقال کے بعد والد کا قائم مقام اور سرپرست سمجھا، اور ان کی رہنمائی سے سعادت مندانہ فائدہ اٹھایا۔

اپنی بہنوں کے ساتھ بہت تعلق خاطر کا معاملہ رکھتے، اپنی بڑی بہن کو جو ہم بھائیوں کی والدہ تھیں، اپنی والدہ کے انتقال کے بعد والدہ کی طرح سمجھتے اور ان کے پاس بڑے تعلق اور انس کے ساتھ بیٹھتے، جو کہ رائے بریلی کے قیام میں روزانہ کا معمول تھا۔ دوسری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کو جو عربی کا بھی علم رکھتی تھیں، شوہر کی جدائیگی کے بعد مولاناؒ نے اپنے گھر میں ہی شامل کر لیا تھا، وہ بھی مولاناؒ سے عمر میں بڑی تھیں، ان کے ساتھ بھی احترام ومحبت کا معاملہ رکھتے رہے جو ان کے انتقال تک جاری رہا۔

اسی طرح دو خالہ زاد بہنیں تھیں جن کے شوہروں کا انتقال ہو گیا تھا، ان کو بھی اپنے ساتھ رکھتے، اور احترام کا معاملہ کرتے رہے۔

مولاناؒ کی اہلیہ مولانا کی ماموں زاد بہن بھی تھیں، ان کے تعلق سے ان کی بھانجیوں کو بھی بچپنے میں اپنے یہاں رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کا نظم کیا، اور ان کی کفالت کی، حتی کہ ان کی شادیاں مولاناؒ کے گھر سے ہی ہوئیں۔ حالانکہ ان کے ماں باپ حیات تھے۔

مولاناؒ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، وہ اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کے ساتھ اولاد کا معاملہ کرتے، ان کی تعلیم وتربیت کے زمانہ میں اس کی پوری نگہداشت رکھی اور اس کا نظم فرمایا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم بھائیوں کو ان کے پسندیدہ راستہ پر چلنے کا موقع ملا۔

مولاناؒ اپنی ذاتی زندگی میں عبادت اور ذکر کے بڑے پابند تھے، لیکن اس کا دکھاوا بالکل نہیں تھا، نماز کی پابندی کو سبھی دیکھتے تھے، مگر ذکر وتلاوت کا انداز ایسا تھا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

سب کی نظر میں نہیں آتا تھا، لیکن اس کا بڑا اہتمام تھا۔ سورہ یٰسین دس سے زیادہ بار روزانہ پڑھتے، اور اپنے مرحوم اعزہ کو ثواب پہنچاتے، اور دین وملت کے محسنین کا بھی اس میں خیال رکھتے۔ اس میں وہ اسلام کے عہد اول سے لے کر اپنے دور تک کے لوگوں کا احترام وعقیدت کے ساتھ نام لے کر اپنے اس عمل کو پورا کرتے، اس میں وہ اپنے ان مربیوں اور محسنوں کو بھی یاد رکھتے جن کا احسان یا مخلصانہ تعاون خود ان کے ساتھ رہا۔ یہ ایسا معمول تھا جس میں کوئی فرق نہ آتا اور پوری یکسوئی اور اہتمام سے اس کو پورا کرتے۔ تلاوت کا بھی پابندی سے معمول تھا، صبح حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر ایک مقدار تلاوت ضرور کرتے تھے۔

دینی امور کا پورا لحاظ اور عبادات کی پوری پابندی اور اہتمام کرنے کے باوجود اس کا اظہار اس طرح پر نہیں کرتے تھے کہ دوسروں کو بار بار اس کی تلقین کریں، بلکہ ایسا رویہ رکھتے کہ دوسرے کا خود اس کی طرف میلان ہو، اس کو حکم وتاکید اپنے قول سے زیادہ نہ کرتے۔ تہجد ورات کی عبادت کے وہ غالباً بچپنے ہی سے عادی تھے، اس لئے کہ میں نے خود بچپن سے اس بات کو دیکھا، کیونکہ ان کی سرپرستی میں آنے کے بعد اسی کمرہ میں قیام کا موقع ملا جس میں ان کا قیام ہوتا تھا۔

مولاناؒ کے اندر دینی نصرت اور امت کی خیر خواہی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا، اور اس کے لئے ان کا ذہن ہر وقت مصروف رہتا۔ اپنی تحریر وتقریر اور پروگراموں میں اپنی شرکت کی یہی نیت اور یہی جذبہ رہتا۔ اس کے لئے بعض وقت سربراہان مملکت سے ملاقاتیں کرتے تھے، اور اس میں اس بات کا خیال رکھتے کہ اپنے مالک کی رضا کے مخصوص رکھنے کے لئے ان سے کسی طرح کی ذاتی منفعت اور اپنے خاندان والوں کے لئے بھی کوئی منفعت حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کہتے۔ بلکہ اگر کوئی مولاناؒ کو خوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ کچھ کرنا چاہتا تو اس سے معذرت کردیتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولاناؒ کو شہرت ملنے کے بعد بین الاقوامی سطح پر چار ایوارڈ ملے، ایک شاہ فیصل ایوارڈ، دوسرا قرآن مجید ایوارڈ دبئی (متحدہ عرب امارات) میں، تیسرا حسن بلقیہ ایوارڈ آکسفورڈ اسلامک سینٹر (لندن، برطانیہ) میں، اور چوتھا سیرۃ النبی (ﷺ) ایوارڈ اسلام آباد پاکستان میں۔ ہر ایوارڈ میں خطیر رقم تھی، لیکن مولاناؒ نے ہر ایوارڈ کی رقم اسلامی اداروں، بزرگ شخصیتوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کردی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لیا تو شاید غلط نہیں ہوگا۔ حالانکہ مولاناؒ اقتصادی لحاظ سے خوشحالی کے حال میں نہ تھے، ان کی ضروریات خود ان کی تصانیف کی اشاعت سے ہونے والے منافع کی مختصر رقم سے پوری ہوتیں، اور اسی سے کام چلاتے تھے جو زیادہ رقم نہیں ہوتی تھی۔

مولاناؒ نے نصرت دین اور امت کی خیر خواہی کے لئے یہ جو مصروفیت اختیار کی تھی اس کو وقت کی بڑی صحیح پابندی کے ساتھ انجام دیتے۔ اس طرح وقت کو انہوں نے تقسیم کر رکھا تھا، اس کے صحیح استعمال کا پورا اہتمام رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی وقت کے صحیح استعمال کی تلقین کرتے تھے۔

مولاناؒ نے اپنی ذہنی راحت کے لئے مختلف کاموں کو انجام دینے کے لئے اپنے مختلف معاونین انتخاب کر لئے تھے، ہر معاون سے اسی دائرہ میں تعاون لیتے جو دائرہ اس کے ذہن کے مطابق ہوتا۔ اسی طرح ندوۃ العلماء، دینی تعلیمی کونسل، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، مسلم مجلس مشاورت، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، تحریک پیام انسانیت اور تحریک اصلاح معاشرہ اور اسی طرح دوسرے شعبوں کے لئے مولاناؒ نے معاونین ورفقاء کار اختیار کر رکھے تھے۔ ان کے محترم رفقاء میں سرفہرست حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تھے جو اپنی صحت کے زمانہ میں مولاناؒ کے محترم رفیق و قریبی مشیر رہے ہیں، ان کے بعد متعدد کاموں میں ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

قریشی اور دیگر متعدد کاموں میں مولانا قاضی محمد معین اللہ صاحب ندویؒ اور بعض کاموں میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی، اور ملی ودعوتی کاموں میں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب، پروفیسر انیس چشتی صاحب، قاضی عبدالحمید صاحب اندوری، اور بعض امور میں مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری اور مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی رہے تھے۔ اور اس فہرست کے ایک کونے میں راقم الحروف کا نام بھی آتا ہے۔

مولاناؒ کا ایک خاص طرز یہ تھا کہ ایک دائرہ کے معاون کو دوسرے دائرہ میں داخل نہیں کرتے تھے، اور اس طرح ہر معاون کے لئے جو دائرہ مولاناؒ کے ذہن میں ہوتا اسی تک محدود رکھتے۔ مولاناؒ کے معاونین کے انتخاب میں معاونین کی کارکردگی کا اصل لحاظ ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر کام کرنے والے کا میدان عمل اور صلاحیت کارکردگی اسی کے لحاظ سے ہوتی ہے، جس کو پہچاننے کا مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے اچھا ملکہ دیا تھا۔

اس سلسلہ میں مولاناؒ میں ایک بات یہ بھی تھی کہ لوگوں کی صلاحیت کو بڑھانے اور ان کو کارآمد بنانے کے طریقے بھی اختیار کرتے اور اپنے سے قریب کرتے، جس کا مقصد تربیت کرنا اور صلاحیت کو پروان چڑھانا ہوتا، اس طرح متعدد نوخیز افراد کو کارآمد بنانے میں مولاناؒ کا بڑا حصہ رہا۔

مولاناؒ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ بڑے وسیع القلب اور ہمدردانہ مزاج کے فرد تھے، اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے میں ان کے اختیار میں جو ہوتا وہ کرتے، اور کچھ نہ کرسکنے کی صورت میں بہتر خوش اخلاقی کے الفاظ کے ساتھ ان کی دلداری کرتے تھے۔ دوسرے کا خیال انہیں اس قدر تھا کہ اگر وہ کسی سے کوئی کام لے رہے ہوتے تو وہ کام اسی سے لیتے رہتے، تا آنکہ وہ خود ہی معذرت کرلیتا۔ اسی طرح اس پر بھی ان کی نظر رہتی کہ ان کے کسی طرز عمل سے دوسرے کو تکلیف تو نہیں

پہنچی، اگر ایسا محسوس کرتے تو پھر وہ کسی دوسری طرح سے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتے۔ ورنہ ایسا بھی ہوا کہ وہ معافی بھی مانگ لیتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحم دلی اور بردباری مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کے خاص پہلو تھے، کمزوروں اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور رعایت حد درجہ کرتے تھے، اور ان پر اپنی خدمت کا کم سے کم بوجھ ڈالتے تھے، اور ان کی کمزوری کا پورا لحاظ کرتے تھے، خود تکلیف اٹھا لیتے تھے ان کو تکلیف سے بچاتے تھے، اور ان کے فائدہ و ترقی کی فکر رکھتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے چھوٹوں اور شاگردوں کے دلوں میں ان کی محبت جاگزیں ہو جاتی تھی جو عموماً تاعمر جاری اور قائم رہتی تھی۔ اور ایسے چھوٹے جو غیر ہوں اور مولانا سے تعلق قائم ہو جائے تو ان کا خیال اس حد تک کرنے لگتے تھے جیسا برابر والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کے اثر سے بعض وقت ایسے تعلق والوں کو مولانا کے ہمسر ہونے کا احساس ہونے لگتا تھا، لیکن مولانا اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

برابر والوں اور بڑوں کے سلسلہ میں بردباری اور برداشت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کا خاص انداز تھا، برابر والوں اور بڑوں کو ان سے کسی بات پر اختلاف ہوتا اور وہ سختی یا مخالفت پر اتر آتے تو بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مخالفت کو نظر انداز کرتے اور جواب نہ دیتے تھے، بلکہ جب موقع ملتا تو ہمدردی اور مدد کا ہی کا معاملہ کرتے۔ بعض موقعوں پر لوگوں کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس رویہ سے بڑی حیرانی ہوتی، مخالفت کا جواب آسان اور ضروری سمجھا جاتا لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود تو کیا جواب دیتے، اپنے دیگر اہل تعلق کو بھی منع کر دیتے کہ وہ بھی نوٹس نہ لیں، اگر ہمارا معاملہ درست ہے تو اللہ مدد کریگا، اور ہم کو انشاء اللہ کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

چنانچہ کئی واقعات ایسے ہی ہوئے کہ مخالفت کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اور دنیا نے دیکھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کا پہلو صحیح نکلا اور غالب رہا۔

www.abulhasanalinadwi.org

غریبوں کی مدد بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شیوہ تھا، اور عموماً یہ مدد چھپا کر کرتے کہ جس کا علم ان کو ہوتا اور ان کے بہت قریب والوں کو ہوتا۔ اس میں مولانا بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کا خاص خیال رکھتے، اور ان کا مشاہرہ باندھ دیتے تھے۔

بڑوں کا خواہ وہ مولانا کے حلقہ کے بڑے ہوں، یا خود اپنے حلقہ کے بڑے ہوں مولانا پورا احترام کرتے تھے، لوگوں کو یہ احترام صاف نظر آتا، اور بعض وقت تعجب ہوتا کہ اتنی رعایت اور احترام کی ضرورت نہ تھی، لیکن یہ مولانا کی طبیعت تھی اور اس میں وہ حدیث شریف میں جو رہنمائی ہے اس کی پیروی کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی نجی زندگی میں ملنسار، با اخلاق، متواضع صفت کے حامل، سخی اور ہمدردانہ مزاج رکھنے والے تھے، اسی لئے عام طور پر ان سے ربط رکھنے والے ان سے محبت کرنے والے اور ان کے گرویدہ بن جاتے تھے۔

مولانا بڑے سخی اور مہمان نواز تھے، مہمان نوازی میں مولانا اس کا بڑا خیال کرتے کہ مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو، اور نہ ہی دل کو کوئی ٹھیس پہنچے۔ گفتگو میں بھی اس کے مزاج و مذاق کی رعایت رکھتے، اور اکرام کی جو صورت مناسب سمجھتے وہ بھی اختیار کرتے۔

خرچ کرنے میں مولانا اس پر بہت دھیان دیتے تھے کہ بلا ضرورت نہ ہو اور بے محل نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ان کے یہاں نہ کوتاہی تھی اور نہ ہی اسراف۔ اللہ نے دونوں سے ان کو بچا رکھا تھا۔

ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے میں بھی وہ محتاط تھے، اس میں وہ اشراف نفس کو بھی دیکھتے، اگر اس کا ذرا سا بھی حصہ پاتے تو اس کا ادنی درجہ یہ تھا کہ اس کو اپنے لئے استعمال میں نہ لاتے۔

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، احترام انسانیت، ضرورت مندوں کی حاجت

www.abulhasanalinadwi.org

روائی، مصیبت زدوں کی فکر و مدد، ایثار و قربانی اور بے لوث ملک و ملت کی تعمیر اور اسلام کی سربلندی کی فکر اور اس کے لئے جد و جہد، اخلاص و خیر خواہی، یہ وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے مولانا کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی بہت بڑھادی تھیں، اور معاشرہ کے مختلف طبقات میں وہ محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھے جانے لگے تھے، چنانچہ ان کی وفات پر جس وسیع پیمانہ پر ملک اور بیرون ملک میں اظہار افسوس کیا گیا اتنے وسیع پیمانہ پر کم کسی کے معاملہ میں کیا گیا ہوگا۔

برصغیر کے علاوہ عرب ممالک میں تو ان کو بہت محبت اور قدر سے دیکھا جاتا تھا، کیونکہ مولانا کی تقریر و تحریر کے اصل میدان یہ دونوں خطے زیادہ رہے، اور ان کے باشندوں نے مولانا کو زیادہ پہچانا۔ مغربی ممالک میں بھی مولانا کی وفات کا صدمہ خاصا محسوس کیا گیا، اور لوگوں نے اپنے اپنے طرز اور ڈھنگ سے اس کا اظہار بھی کیا۔

مولانا کی وفات سے دنیا اپنے بڑے ہمدرد و عظیم دانشور اور بہترین و جامع صفات رہبر سے محروم ہوگئی، اور اس سے ایک خلاء پیدا ہوا جس کا پُر ہونا اور کرنا خدا ہی کے علم و اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو آخرت کی بیش بہا نعمتوں سے نوازے، اور ملک و ملت کے لئے اس نقصان کی تلافی مقدر فرمائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصلاحِ باطن اور تزکیہ واحسان

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے خصوصیاتی پہلوؤں میں ایک پہلو تصوف واحسان کا بھی ہے، یہ پہلو ان کی عملی زندگی میں بھرپور تھا، لیکن مسلمانوں کی اصلاح و برتری اور غیروں میں اسلام کی خوبیوں کی ترجمانی کے کاموں میں ان کا تصوف واحسان کا پہلو چھپ جاتا تھا، اور اس کو ہر کس وناکس پوری طرح نظر میں نہیں لا پاتا تھا، لیکن صرف یہی نہیں کہ وہ تزکیۂ باطن کے شناور تھے بلکہ اس کی راہ سے مجاہدوں کے ساتھ گذرے تھے، اور تزکیۂ باطن کے سلسلہ میں دل و دماغ کو بنانے والے لٹریچر کا بھی اچھا مطالعہ کیا تھا، اس کا آغاز اس وقت سے ہوا تھا جب انہوں نے امام غزالی کی معرکۃ الآراء کتاب احیاء العلوم کا مطالعہ کیا، اور یہ مطالعہ انہوں نے آغاز عمر میں ہی کر لیا تھا، اس کے مطالعہ کے ساتھ ان پر ان کی والدہ اور برادر بزرگ کے خیالات اور تربیتی انداز کا خصوصی اثر پڑا تھا، ان کی والدہ صاحبہ خاندان کے اپنے وقت کے شیخ و مرشد حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی تھیں، اور انہوں نے اپنے والد کے صلاح و تقویٰ کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اثر لیا تھا، چنانچہ وہ مولاناؒ کے بچپنے ہی سے ان کے احوال ورجحانات پر خصوصی نظر رکھتی تھیں۔ انہوں نے ان کو صحیح رخ دینے کی برابر کوشش کی، اور جب بھی مولانا اپنے بچپنے

www.abulhasanalinadwi.org

میں اپنے خاندان کے ہم سن عزیزوں کے عام دنیاوی رجحانات کو کچھ بھی پسند کرتے ہوئے نظر آئے ان کی والدہ ماجدہ نے فوراً اس پر روک لگائی، وہ مولانا کے سامنے وقت کے شیوخ اور اہل باطن بزرگوں کی مثال پیش کرتی رہتی تھیں، اور ویسا بننے کی طرف توجہ دلاتی تھیں، وہ اس سلسلہ میں اپنے والد یعنی مولانا کے نانا کی اور خاندان کے ایک دوسرے بزرگ اور ان کے خلیفہ مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دیتی تھیں۔

مولاناؒ کے نانا کے ساتھ ساتھ مولاناؒ کے دادا بھی اپنے وقت کے بزرگوں میں تھے، ان کی مثال بھی مولاناؒ کے سامنے رکھی جاتی تھی، خاندان میں تقریباً سو سال پہلے ابھرنے اور مشہور ہونے والی شخصیت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت تقوی، تزکیۂ باطن اور دین کے لئے قربانی دینے کی مثال کا چرچا ابھی باقی تھا، اور خاندان کے بزرگوں کے ورد زبان تھا، یہ سب باتیں مولاناؒ کے ذہن کو تزکیۂ باطن کی طرف بچپن ہی سے مائل کرتی تھیں۔ دوسری طرف مولاناؒ کے برادر بزرگ نے اپنے والد کے طور وطریق کو خود بھی مشاہدہ کیا تھا، اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو اس راہ پر چلانے کی کوشش کی تھی، چنانچہ اپنے وقت کے شیوخ سے ان کا ربط تھا، وہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد بھی تھے، اور میزبان بھی ہوتے تھے، لہٰذا مولاناؒ نے اپنی تعلیم کے اختتام پر وقت کے کسی بزرگ سے اپنا تعلق جوڑنے کی کوشش کی، اس کے لئے پنجاب کے مشہور شیخ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دینپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے تربیت کے لئے اپنے خلیفہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق کیا، چنانچہ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے مولاناؒ کی باطنی تربیت کے لئے مولانا کو کچھ عرصہ کے لئے آبادی اور اعزہ سے کٹ کر بادشاہی مسجد کے ایک حجرہ میں رہنا تجویز کیا، جہاں کہ تنہائی رہے،

www.abulhasanalinadwi.org

ملاقاتیوں کا بھی عمل دخل نہ ہو، اور خاص طور پر رات میں مسجد کی آبادی سے باہر ہونے کی وجہ سے بالکل سناٹا ہو جاتا تھا، جسے مولانا کے شیخ و مرشد نے مولانا کے تزکیۂ باطن کے لئے ضروری سمجھا، اور مولانا کو اس کڑے امتحان سے گذارا، اور باطنی صلاح وکمال کے لئے اوراد واذکار کرائے، مولانا ان کے ذریعہ جلد ہی اس خصوصیت تک پہنچ گئے کہ ان کو اپنے مرشد کی طرف سے خلافت حاصل ہوئی۔

یہ مولانا کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا، اس عمر میں جس میں کم انسان دنیا سے اور دنیاوی معاملات سے اپنے کو محتاط رکھ پاتے ہیں، مولانا عزیمت اور روحانی کیفیت کے حامل رہتے تھے، اذکار واوراد اور رات کی عبادت کے معمولات کی پابندی کرتے تھے، یہ پابندی مولانا نے اپنی آگے کی زندگی میں جو تعلیم وتدریس اور گھر کی ذمہ داری اختیار کرنے کی تھی اس میں بھی قائم رکھی، اور مزید یہ کہ صرف قائم ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے عہد کے بزرگوں اور مرشدوں سے بھی برابر رابطہ قائم کرتے رہے، چنانچہ اپنے مرشد مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور دیگر مرشدین وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی سے ملتے اور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضری دی، اور لکھنؤ ان کی تشریف آوری پر مجالس میں شرکت کا معمول رکھا۔ مولانا کا استفادہ کا یہ تعلق بتدریج مولانا محمد الیاس صاحبؒ کاندھلوی اور مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری سے بہت بڑھ گیا تھا، اور اس سے ان دونوں بزرگوں کا اعتماد مولانا کو خصوصی طور پر حاصل ہوا۔ ان میں مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری سے استرشاد اتنا بڑھا کہ مولانا کو ان کے ایک اہم خلیفہ ہونے کا مقام حاصل ہوا، اور اگرچہ مولانا کو کئی بزرگوں کی طرف سے خلافت حاصل ہوئی لیکن

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کا زیادہ قریبی ربط حضرت رائے پوری سے رہا، اور انہی کے سلسلہ میں اپنے مسترشدین کو تربیت دیتے اور بیعت لیتے تھے، اور مولانا نے اپنے اکثر مسترشدین کو اسی سلسلہ میں بیعت بھی کیا۔

مولانا کو تصوف کے چاروں سلسلوں میں اجازت حاصل تھی، اور مزید اپنے خاندانی سلسلہ میں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کا خاص سلسلہ تھا جس کو محمدیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں بھی حضرت رائے پوری سے اجازت حاصل تھی، مولانا نے اپنے متعدد مسترشدین کو اجازت دی تو اس سلسلہ میں بھی اجازت دی۔

حضرت رائے پوری سے خصوصی ربط کے ساتھ ساتھ دیگر اہل ارشاد و سلوک سے بھی برابر ربط رکھتے رہے، اور ان سے ملاقات اور خصوصی دعاء کے لئے ان کے یہاں جانے کا اہتمام بھی کرتے تھے، چنانچہ بھوپال کے مرشد و مربی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ جو سلسلۂ مجددیہ کے عالی مرتبت شیخ تھے، اور الہ آباد کے مرشد و شیخ حضرت شاہ محمد وصی اللہ صاحب جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں تھے، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی جو بیک واسطہ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی اور حاجی عبدالغفور صاحب جودھپوری تھے، ان سب بزرگوں سے بھی برابر ربط رکھتے رہے، ان میں آخری حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھے۔ اس طرح متنوع و مختلف بزرگوں سے تعلق کی بناء پر ان سب کے دلوں میں مولانا کی ایک خاص قدر تھی، اور مولانا نے اس تنوع سے جو فائدہ اٹھایا ہوگا وہ اپنی جگہ پر اہمیت رکھتا ہے۔ شاید اسی بنا پر مولانا کے یہاں بزرگی کے متنوع پہلو جمع ہوگئے تھے، جو مولانا سے اصلاح و استفادہ کرنے والوں کی تربیت کے لئے مولانا کے طریقۂ کار میں اثر انداز ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولاناؒ کا یہ بھی طریقہ کار رہا کہ وہ اپنے خاص شیخ حضرت رائے پوریؒ کی زندگی میں بیعت کی خواہش کرنے والوں کو حضرت رائے پوری سے ہی بیعت ہونے کا مشورہ دیتے، ان میں جو اپنے حالات کی وجہ سے اس میں کوئی دشواری محسوس کرتے اور مولانا ہی سے بیعت ہونے پر اصرار کرتے تو مولانا اس کی اہمیت اور ضرورت سمجھ کر قبول بھی کر لیتے، حضرت رائے پوریؒ بھی بعض ایسے موقعوں پر مولانا سے تربیت و تعلق قائم کرنے کے لئے مولانا کی طرف محول کر دیتے۔

مولانا، حضرت رائے پوریؒ سے استرشاد کا عملی اور قریبی تعلق رکھتے ہی تھے، اس کے ساتھ ساتھ اپنے اہم کاموں اور پروگراموں میں حضرت رائے پوری سے مشورہ بھی لیتے تھے، جس کو وہ اجازت لینے کی طرح سمجھتے تھے، اپنے باہر کے سفروں میں جانے سے پہلے رائے پور جاتے اور اس پروگرام کا ذکر کر کے تائید حاصل کرتے، اور تائید کے بعد ہی اس پر عمل کرتے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حج کے سفر کا موقع نکلا جو مولانا کے لئے پسندیدہ موقع تھا، حضرت رائے پوری سے جا کر اس کا تذکرہ کیا، حضرت رائیپوری نے کسی مصلحت سے جو ان کے ذہن میں رہی ہوگی تائید نہیں فرمائی، مولانا نے ارادہ فسخ کر دیا، حضرت رائے پوری نے مولانا کے چہرہ کو دیکھا اور اس میں پوری تابعداری محسوس کی، جس کا اثر انہوں نے یہ لیا کہ اگلے سال ایسا انتظام کیا کہ مولانا حج کر سکیں، اور گزشتہ سال کی تلافی ہو سکے، اور خود بھی حج کا سفر کیا، اس طرح حج میں مولانا کو اپنی رفاقت بھی عنایت کی، اور فرمایا کہ یہ سفر آپ کے گزشتہ سال بخوشی بات ماننے کے صلہ میں ہے، چنانچہ یہ حج مولانا کا متعدد فوائد کا بھی حامل رہا، اسی حج کے موقع سے مولانا کو مصر و سوڈان اور شام جانے اور وہاں کی تحریکات کا مطالعہ کرنے اور وہاں کے ممتاز اہل علم اور شیوخ سے ملنے اور دینی اور دعوتی و علمی موضوعات پر تبادلۂ خیال کرنے کا تفصیلی موقع ملا، اور یہ سفر حج نہیں رہا بلکہ مولانا کی تجرباتی

www.abulhasanalinadwi.org

زندگی کا ایک زریں موقع بنا، جس سے مولانا نے اپنے اگلے دعوتی اور فکری کاموں میں مدد لی۔

اور اسی سفر میں مولاناؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ وہ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت رائے پوریؒ اور ان کے رفقائے سفر واحباب بھی داخل ہوئے، کلید بردار کعبہ مشرفہ شیبی صاحب کو مولاناؒ سے کچھ ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ انہوں نے دوبارہ ان کے اہل تعلق کے لئے دروازہ کھولا، جو پہلے دن داخل نہیں ہو سکے تھے۔

شام کے سفر میں مولاناؒ نے وہاں کے عالی مرتبت شیخ بزرگ شیخ احمد الحارون العسل الحجار سے ملاقات کی، شیخ مولانا سے خاصے مانوس ہوئے، مولانا نے بھی ان سے بڑا قرب وانس محسوس کیا، اور طریقت وتزکیۂ نفس کی خصوصیات محسوس کیں۔ ان کا دمشق اور اس کے اطراف میں بڑا اثر تھا، اور وہاں کے خواص وعوام ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے، ان کا تعلق سلسلۂ غزالیہ سے تھا۔

حضرت رائے پوریؒ کو اللہ تعالی نے ایک اہم خصوصیت یہ عطاء فرمائی تھی کہ وہ عالم اسلام کے مسلمانوں کے حالات اور ترقی اور عزت کے تقاضوں کو اور مواقع کو مناسب ڈھنگ سے سمجھتے تھے، اور اس کی غالباً وجہ یہ تھی کہ اپنے مقامی مسترشدین کے توسط سے ملک و بیرون ملک کی خبروں اور واقعات کو معلوم کرتے تھے، اور ان سے واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ مولانا کے بیرونی سفروں کے موقعے پر مولانا کو مشورہ بھی دیتے تھے کہ وہاں کے زعماء کو ان کے حالات کے مطابق مناسب مشورے بھی دیں۔

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مولانا کا سب سے زیادہ ربط وتعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، حضرت شیخؒ کی مولانا پر بڑی شفقتیں اور عنایتیں تھیں، اسی شفقت واعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت شیخ نے اپنی تمام

عربی تصنیفات اور جن کتابوں کی انہوں نے تحقیق و تکمیل فرمائی تھی، باصرار مولانا علیہ الرحمۃ سے ان پر مقدمہ لکھوایا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی شفقتوں اور توجہات کا اندازہ ان کے اس مکتوب سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مولانا کو مدینہ منورہ سے ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو ارسال کیا ہے، جس میں یہ تحریر ہے کہ:

> ''دعاؤں میں نہ مکہ میں دریغ ہوا، نہ مدینہ پاک میں، اور یہ بھی یاد نہیں کہ کسی دن آپ کے لئے صلاۃ وسلام میں تخلف ہوا ہو۔ اس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں ہوگا کہ دل بستگی جتنی آپ سے ہے اتنی کسی سے بھی نہیں رہی''۔(۱)

مولانا نے اپنے وقت کے بڑے مرشدین اور بزرگوں سے ربط رکھنے کے اثر سے اصلاح وارشاد و تربیت کی مفید شکلوں کو اور طریقوں کو سمجھا تھا، اور اسی بنا پر اپنے مسترشدین کی تربیت میں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، چنانچہ اپنے ایسے مسترشدین کو جو نصرت دین واصلاح و تربیت کے خاص ماحول کے ہوتے، اور مولانا کو یہ محسوس ہوتا کہ اس ماحول میں یہ اچھا کام کرسکتے ہیں، تو ان سے وہ کام لینے کا طریقہ اختیار کرتے۔ اور ایسے متعدد مسترشدین کو اسی خصوصیت کی بناء پر مجاز بھی بنایا، چنانچہ مولانا کے مجازین میں بیرون ملک کے کئی مسترشدین ہیں، اور ملک کے اندر بھی ایسی جگہوں پر مولانا کے مجازین ہیں، جہاں مولانا کی نظر میں ان کو اجازت دینے سے نصرت دین اور تربیت واخلاق کے کام کو مدد مل سکتی تھی۔ ان میں وہ حضرات بھی ہیں جنہیں اونچا مقام حاصل ہوا، اور بڑی حیثیت واہمیت انہوں نے پائی۔(۲)

مولانا کے ارشاد و تربیت باطن کا طریقہ حدیث وسنت کے طریقہ سے زیادہ

---

(۱) ملاحظہ ہو کاروان زندگی حصہ اول صفحہ ۴۴۲

(۲) ان میں خصوصیت سے محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

قریب تھا، تصوف کے مخصوص اوراد و اشغال کی اتنی تاکید نہیں کرتے تھے جتنی کہ اخلاص عمل اور نصرت دین اور اتباع سنت کی تاکید کا لحاظ کرتے تھے، اور علم دین و نصرت دین میں مشغول رہنے والوں کو ان کی مشغولیت کی رعایت کرتے ہوئے اذکار کی تلقین کرتے تھے۔ اور اذکار کے لئے اعصاب پر اثر ڈالنے والے طریقہ کا بوجھ کم ڈالتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار مسنونہ کو بنیادی حیثیت دیتے تھے، بیعت لیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بیعت کے الفاظ منقول ہیں، قرآن مجید میں بیعت النساء کے تذکرہ میں جو الفاظ آئے ہیں، ان کو اختیار کرتے، اور عقیدۂ توحید اور ہر بات میں اللہ تعالی کی مرضی پر انحصار اور اللہ کی قدرت و فیصلہ پر ایمان اور اپنی تمام ضروریات میں اسی سے مانگنے کی تاکید و نصیحت کرتے تھے۔

خود مولانا کا معمول اذکار مسنونہ کے ساتھ تلاوت کے زیادہ اہتمام کا تھا، اور اس میں دینی و علمی محسنین اور بزرگوں کے لئے سورہ یٰسٓ کی بار بار تلاوت کر کے دعا کرنے کا تھا، ان محسنین اور بزرگوں میں اپنے مخلصین اور محبین کو بھی شامل کر لینے کا تھا، یہ مولانا کا ایسا معمول تھا جس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، اور دعا میں بھی جن اشخاص کو مدنظر رکھتے تھے ان میں کوئی چھوٹتا نہیں تھا، ان میں ان کے سبھی متعلقین و محسنین اور دعا کے لئے کہنے والے اور دعا کرنے والے حضرات شامل ہوتے۔ مزید وہ اشخاص اور جماعتیں جن سے دین کو تقویت پہنچ رہی ہے، اور اسلامی تعلیمات کو فروغ ہو رہا ہے، مولانا کی دعا میں شامل ہوتیں۔ مولانا کا یہ معمول ایسا تھا جس کو صرف ان کے قریب ترین لوگ دیکھتے اور جانتے تھے، اور خاموشی کے ساتھ اس پر عمل ہوتا تھا۔

شرور و فتن اور امراض و تکلیفوں سے حفاظت کے لئے قرآن مجید کی چند مخصوص سورتوں اور آیات کی تلاوت کا بھی معمول تھا جو روزانہ کا تھا۔ ان کے علاوہ سورہ کہف کا جمعہ کا معمول تھا جس کے وہ بچپن سے عادی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا جو اذکار بتاتے تھے ان میں کلمۂ توحید کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، اور خاص طور پر اس کا طریقہ ایسا بتاتے کہ خاص طور پر قلب کو کلمۂ توحید سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

مولانا نے خود اپنے مرشدین سے جو باتیں اخذ کی تھیں ان میں بنیادی خصوصیات تواضع، اکرام مسلم، دین کی نصرت، ملت کی اصلاح و ترقی کی فکر، دینی تعلیم کے اس اسلوب کی فکر کہ جس سے طالب علم اپنے عہد کے فتنوں سے واقف ہو، اور ان فتنوں کا مقابلہ کرنے اور دین وملت کی ترقی و بہبودی کے لئے کام کرنے کی اعلیٰ صلاحیت پیدا ہو، وہ اپنے متعلقین اور مسترشدین کی تربیت میں اپنے اس فکر وعمل کو اختیار کرتے تھے، اور اسی کے مطابق ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

مولانا کی دوسری صفت ان کا ضبط وتحمل تھا، کہ اپنی ذات کے معاملہ میں اگر کوئی ناگوار بات علم میں آتی تو اس پر ضبط کرتے، اور جواب نہ دیتے، بلکہ اپنے معاونین کو بھی جواب دینے سے منع کر دیتے، لیکن دین وملت کے سلسلہ میں کوئی نازیبا بات ہوتی تو اس کو گوارہ نہ کرتے، اور اس کی تردید اور اس کے مقابلہ کے لئے اپنی زبان وقلم کو عزم اور حکمت کے ساتھ اختیار کرتے، اور اس کو نظر انداز نہ کرتے۔

تیسری خاص صفت یہ تھی کہ کسی بھی شخص میں دینی تعلق سے کوئی اچھا پہلو ہوتا تو اس کی قدر کرتے، اور اگر دینی خصوصیت نمایاں ہوتی تو اس کا اکرام کرتے، اور اس کے ساتھ قدر دانی کا معاملہ کرتے، یہ بات اس حد تک ہوتی کہ محسوس کیا جاتا کہ مولانا اس کے دینی مقام کو اس سے زیادہ سمجھ رہے ہیں جتنا کہ وہ ہے، حالانکہ مولانا یہ بات ناواقفیت میں نہ کرتے، بلکہ اکرام مومن کا عمل سمجھتے ہوئے کرتے، مولانا کی نظر میں ان لوگوں کی قدر و قیمت کچھ زیادہ ہوتی تھی جو دین وملت کے لئے قربانی دیتے ہیں، یا دین وملت کے فروغ کے لئے فکر وتوجہ سے کام لیتے ہیں، اور اس کے برعکس

صورت حال جب سامنے آتی تو مولانا قلبی اذیت محسوس کرتے، پورے عالم اسلام کو مولانا نے دیکھا یا سمجھا تھا، یورپ وامریکہ کے بھی سفر کئے تھے، ملت اسلامیہ کے لئے مختلف ملکوں میں رہے، اور غیروں کا جورویہ تھا وہ مولانا کو برابر بےچین رکھتا تھا، اور مولانا اس سلسلہ میں متفکر بھی رہتے تھے، اور اپنی زبان وقلم کو پورے انہماک کے ساتھ نصرت دین کے لئے اور ملت کی بہبودی کے لئے لگاتے تھے، اور بعض وقت اس مصلحت سے وہ کام بھی کرنے کے لئے تیار ہوجاتے تھے، جس میں ان کی خودداری کو ٹھیس بھی پہنچ سکتی تھی، اور یہ کہتے تھے کہ ملت کے لئے اگر آبرو کی بھی قربانی دینی ہوتو کوئی بڑی قربانی نہیں، ان سب باتوں کی مثالیں مولانا کی زندگی میں خاصی ہیں، یہاں پر صرف ان کا مجمل تذکرہ کیا گیا ہے۔

انہوں نے ہندوستان اور بیرون ہند میں ہونے والے نامناسب رجحانات اور دین وملت کے لئے مضرت رساں واقعات کا اپنے اپنے موقعوں پر صرف نوٹس ہی نہیں لیا بلکہ ذمہ داروں سے جرأت کے ساتھ بات بھی کی، اور نصیحت بھی کی، اور یہ بعض موقعوں پر ایسی حالت میں کی کہ ان کو سخت نقصان پہنچ سکتا تھا لیکن یہ مولانا کے عمل کے اخلاص کی برکت تھی کہ وہ نقصان سے محفوظ رہے، خود عوامی سطح پر ملی تحریکات اور خیالات میں جہاں نقص محسوس کرتے تھے تو اس کی نشاندہی حکمت کے ساتھ لیکن جرأت مندانہ طریقہ سے کرتے تھے، بعض وقت مولاناؒ کی اس جرأت پر لوگوں کو حیرت ہوجاتی تھی کہ موقع بظاہر جرأت کا متحمل نہیں تھا، لیکن مولاناؒ نے پروانہیں کی، لیکن مولاناؒ کے اکرام مومن کا جذبہ اور دین سے ادنیٰ تعلق کی بھی قدر کے اثر سے مولاناؒ کی بات ناگوار ہونے پر بھی برداشت کرلی جاتی تھی۔

مولاناؒ کی یہ مذکورہ صفات ان کے نزدیک تصوف وسلوک کے دائرہ ہی کی چیزیں تھیں کہ تصوف دراصل ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے اور ایمانی مزاج اپنانے

www.abulhasanalinadwi.org

کا ہی نام ہے، مولاناؒ کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات ہوتی تھیں جن میں ایمانی مزاج کی خصوصیات کا ذکر آیا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ (المومنون: ۱-۴)

''بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں، اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت کرنے والے ہیں۔''

چنانچہ مولاناؒ کے ذہن میں اصلاح معاشرہ کے عنوان سے یہ ایمانی صفات پیدا کرنے کی کوشش کا پورا اہتمام تھا، انہوں نے برما میں جب مسلمانوں کے خلاف حالات پیدا نہیں ہوئے تھے، اپنی تقریر میں مسلمانوں کی ایمانی و اخلاقی زندگی کی خرابیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بہت ڈرایا تھا۔ اور اسی طرح کی بات مولاناؒ نے بیروت اور شام میں انقلابات سے پہلے اپنے سفر میں ڈراتے ہوئے کہی تھی۔ کویت اور دبی میں بھی مولاناؒ نے اپنی مؤثر تقریروں میں خبردار کیا تھا، اور ایمانی زندگی اور رضائے الٰہی کے کاموں کو اختیار کرنے کی تاکید بہت مؤثر زبان و اسلوب میں کی، مولاناؒ اپنے اس سارے عمل کو تصوف وارشاد کا ہی جزء سمجھتے تھے، اور اپنے مسترشدین کو اس کی تاکید اور تعلیم کرتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ تصوف وارشاد کے وہ اشغال جو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں، اور جو متبع سنت بزرگوں کے تجویز کردہ ہیں مسترشدین کی صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کی تلقین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ

www.abulhasanalinadwi.org

کے اس طرز عمل کو جوان کے خاص مرشدین کی تائید اور رہنمائی کا حاصل کردہ تھا، ان پہلوؤں میں خاصا فائدہ پہنچایا، جن کو تصوف کے مروجہ مخصوص طریقوں سے مختلف سمجھا جاتا ہے۔

مولاناؒ کے یہاں اس بات کا لحاظ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اس کے لئے وہ تکلیف اٹھا لیتے تھے، دوسرے کو تکلیف سے بچاتے تھے، ملنے والے اور اپنی ضرورت پیش کرنے والے بعض وقت مولاناؒ کے لئے اذیت کا باعث بنتے، مولاناؒ اس کو گوارہ کرتے، اور اپنی اذیت کا اظہار نہ کرتے، بعض وقت ان سے اپنی ضرورت پوری نہ ہو سکنے یا غلط فہمی ہو جانے کی صورت میں بعض لوگ ان کے خلاف رویہ اختیار کرتے، اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے، یا ان کے خلاف مہم چلاتے، مولاناؒ اس کا کوئی جواب نہ دیتے، بلکہ اپنی مجلسوں میں اس کے لئے مذمت کے الفاظ نہیں استعمال کرتے، ور مولاناؒ اس کو غیبت تصور کرتے تھے، اور مولانا کو غیبت سے شدید پرہیز تھا، اور وہ غیبت کا موقع آجانے پر بھی اپنے کو اس سے بچالے جاتے تھے، خواہ اسی کی غیبت ہو جس سے ان کو تکلیف پہنچی ہو۔ مولاناؒ کی طرف سے اپنی مجلسوں میں کسی کی برائی کرتے ہوئے نہیں سنا گیا، سوائے اس کے کہ دین وملت کے معاملہ میں کوئی جارحانہ رویہ کسی کا ان کے سامنے آئے، اس میں تو صرف اسی حد تک مولاناؒ تنقید کرتے۔ اس میں بھی جو پہلوان کی ذات سے تعلق رکھتا اس کا ذکر نہ کرتے، اس میں مولاناؒ کا طرز اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ مولاناؒ کی مخالفت کھلے عام کرنے والے بعض لوگوں کے ساتھ جواب وانتقام تو بڑی چیز ہے مولانا الٹا ان کے ساتھ سلوک واحترام کرتے، یہ بات بعض وقت ایسی ہوتی کہ مولاناؒ کے معاونین میں سے کوئی مولاناؒ کو توجہ دلاتا کہ آپ جس کے ساتھ اتنا اخلاق برت رہے ہیں اس نے تو آپ کے ساتھ یہ کیا! اور وہ کیا!، اس کے جواب میں مولاناؒ فرماتے: مجھے یہ معلوم

ہے، میں بے خبر نہیں ہوں، لیکن میرا طریقہ یہی ہے۔

بعض لوگوں نے مولاناؒ کو اپنے مخالفانہ رویہ سے اتنا زچ کیا کہ مولاناؒ پریشان ہوگئے، اس پر بھی مولاناؒ نے صرف اتنا کہا: اس کو اللہ ہی طے کرے گا، ہماری طرف سے کوئی جواب نہیں۔ اس کا نتیجہ عام طور پر یہ ہوتا رہا کہ اکثر مولانا کی مخالفت کرنے والے یا غلط فہمی میں بدگمانی رکھنے والے کچھ مدت کے بعد مولانا سے اپنی بدگمانی کی حقیقت کو سمجھ گئے، اور مولانا کے متعلق اپنے خیال کو درست کرلیا۔

مولاناؒ میں ایک طرف تو کسی کو ایذاء پہنچانے یا اس کے برے رویہ کا جواب دینے سے گریز کی صفت تھی، دوسری طرف سب کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ تھا، مولانا کی خیر خواہی کا یہ طریقہ اپنے مخالفین کے ساتھ بارہا دیکھا گیا ہے، مولانا کو ایسے صبر آزما واقعات اور حالات سے بار بار گزرنا پڑا، اور مولانا نے ان سب واقعات میں اپنی اسی سیر چشمی، بردباری اور رواداری حتی کی زبانی مذمت سے بھی گریز کا ثبوت دیا، اور اس سلسلہ میں مرد مومن کی اعلیٰ صفت کا نمونہ پیش کیا۔

اس کے ساتھ مولانا کا یہ حال تھا کہ ان کی نظر اپنے ہی معائب پر رہتی، جب کہ دوسروں کے معائب سے چشم پوشی ہوتی۔ وہ تنہائیوں میں روتے، گڑگڑاتے، اپنے قصور و تقصیر کا اعتراف اور استغفار کرتے۔ اور بڑے درد سے یہ کہہ کر اپنے احتیاج کو ظاہر کرتے کہ

﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾

کبھی اور کوئی جملہ کہتے یا دعا پڑھتے۔ اپنے درد و فکر اور غم کو اللہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ بھی پڑھا کرتے:

﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَ حُزْنِي إِلَى اللهِ﴾

حسن خاتمہ کی فکر میں یہ مصرعہ ان کی زبان پر آجایا کرتا کہ "خدایا عاقبت محمود گرداں"۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولاناؒ اپنے اعزہ کے ساتھ صلہ رحمی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے محبت اور تعاون کا معاملہ کرتے، اور بعض وقت ایسے عزیز کے ساتھ بھی جس نے ان کو خصوصی تکلیف پہنچائی ہو، صرف نظر انداز کر دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ حسن سلوک اور خصوصی تعاون کا معاملہ کرتے دیکھے گئے۔

مولاناؒ کی نظر میں یہ باتیں بھی تزکیۂ نفس اور احسان کے خصوصی دائرہ میں آتی تھیں۔ تزکیۂ نفس اور احسان کے سلسلہ کا یہ طرز ان کی کتابوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے، جو انہوں نے شیوخ تصوف و تزکیہ اور اہل باطن و اخلاق کے حالات میں اور ان کی تعلیمات کے تذکروں پر مشتمل تصنیف کیں، اور بیعت و ارادت کا تعلق قائم کرنے والوں کو مولاناؒ بزرگوں کے مواعظ اور تزکیۂ نفس کے حالات کا مطالعہ کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں، ملفوظات و مواعظ، حضرت شیخ کی فضائل اعمال، اور اپنی کتابوں ''دستور حیات''، ''سیرت سید احمد شہید''، ''سوانح مولانا عبدالقادر رائپوری'' کا خاص طور پر مشورہ دیتے۔ حدیث کے مجموعوں میں اردو داں طبقہ کو ''زادِ سفر'' (از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) اور ''معارف الحدیث'' (از مولانا محمد منظور نعمانیؒ) کی طرف توجہ دلاتے۔ اور قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا بھی مشورہ دیتے۔

اس کے ساتھ سب سے زیادہ زور عقیدہ کی درستگی و پختگی پر دیتے تھے کہ اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے، مارنے، صحت اور شفا دینے، اولاد دینے، روزی دینے اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں۔ اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔ اس کی طرف خاص توجہ دلاتے کہ ﴿ألا له الخلق و الأمر﴾ کہ یاد رکھو کہ پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے، نظام چلانا بھی اسی کا کام ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

صحت عقیدہ کے بعد سب سے زیادہ زور نماز پر رہتا کہ سب سے اہم فریضہ نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اہتمام اور سنتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ اس میں غفلت اور تساہلی کی تلافی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

تصحیح نیت کے اہتمام کی طرف خصوصی توجہ دلاتے، اور اس میں وہ یہ کہتے تھے کہ دینی و دنیوی دونوں کاموں میں ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت کی مشق کی جائے۔ اخلاق و معاملات اور زندگی کے معمولات میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان پر عبادت کا ثواب ملے۔

اس کے ساتھ رسول اللہ (ﷺ) کی سنتوں پر عمل اور دینی و دنیوی زندگیوں میں آپ (ﷺ) کی ہدایات، آپ کے معمول اور دستور پر عمل کرنے کی کوشش اور سیرت پاک کے مطالعہ کے اہتمام کی طرف توجہ دلاتے۔ معمولات بہت زیادہ نہیں بتاتے، اتنا ہی بتاتے جس پر سہولت سے عمل ممکن ہو۔(۱)

(۱) مولانا کی ان ہدایات اور مشوروں کو رسالہ ''سلاسل اربعہ'' مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی، تکیہ کلاں، رائے بریلی میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

باب سوم

عملی زندگی اور جدوجہد کے مختلف پہلو

www.abulhasanalinadwi.org

دینی دعوت

اصلاح اور دعوت وارشاد کا کام دراصل انبیاء علیہم السلام کا کام رہا ہے، یہ سلسلہ آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی الٰہی کے ساتھ جڑا رہا ہے، جسے فرشتے لے کر انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے تھے، اور انبیاء علیہم السلام اس کی رہنمائی میں دعوت وارشاد کا کام انجام دیتے تھے، وحی کا سلسلہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم کیا گیا تو اس وحی کو جو قرآن مجید کی صورت میں اللہ کے آخری نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایک جامع اور وسیع شکل میں نازل ہوئی، اور اسی کے ساتھ ساتھ الگ سے قرآن مجید میں شامل نہ کرتے ہوئے نازل کی گئی، اور اسی کو قیامت تک کے لئے قائم اور باقی کر دیا گیا، کہ آخری نبی حضور ﷺ کے امتی اسی کی روشنی میں دعوت وارشاد کا کام انجام دیں، اور اس سلسلہ میں اسی سے ملتی جلتی ذمہ داری انجام دیں جس طرح کی ذمہ داری انبیاء علیہم السلام انجام دیتے تھے، چنانچہ امت اسلامیہ کے علماء قرآن مجید اور حدیث شریف سے واقف حضرات اس کام کو انجام دیتے رہے، اور اس کام کا طریقہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے اخذ کرتے رہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان دعوتی ذمہ داری انجام دینے والے بزرگ حضرات کا خاندان رہا ہے، ان کی روایات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے خاندان کے بزرگوں سے پہنچی تھیں، اس کے ساتھ انہوں نے اپنے تاریخی مطالعہ سے ہندوستان کے صوفیاء اور مصلحین کے حالات سے واقفیت حاصل کی تھی، پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت تیار کرنے کے دوران ان کی تحریک دعوت واصلاح کے حالات کا مطالعہ کیا تھا، اور جب ان کی تصنیف قارئین کے سامنے آئی تو ان کے جیسے اہل علم حضرات نے حضرت سید صاحب کی سیرت کے واقعات اور ان کے طریقۂ کار کی مثالوں سے اپنے فکر وعمل کے لیے رہنمائی کا ذریعہ محسوس کیا۔ اس وقت معروف داعی اور فکر دین کے حامل عالم دین مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک ملاقات کے موقع پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نے کتاب لکھی ہے، آگے بھی کوئی منصوبہ ہے؟ اس پر دونوں میں یہ بات طے ہوئی کہ ہندوستان میں جو اس کام کے مراکز اور تحریکیں ہیں ان کو دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات ایسی جگہوں پر گئے جہاں کے متعلق ان لوگوں کو اندازہ ہوا کہ وہاں اس طرح کا کام ہوتا ہوگا، اسی تعلق سے دعوت واصلاح اور تربیت دینی کے مختلف مراکز جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں تھے، اور وہاں دینی تربیت ودعوت کا کام ہو رہا تھا، وہاں یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ ان مراکز میں دہلی میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سہارنپور ورائے پور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں جانا ہوا، اور آگے بڑھ کر لاہور میں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ربط قائم ہوا۔ اور پنجاب ہی میں ایک صاحب فکر اور خاص طریقۂ دعوت کی حامل شخصیت مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ جن کے مضامین سے جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو اسلام کی فکر سے آشنا ہونے کی صورت سامنے آرہی تھی سے ملاقات کی، اور ان کے اس کام کی مخصوص افادیت کو محسوس کیا، لیکن اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دعوت کے میدان عمل میں دیگر کوشش

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے والی شخصیتوں کے کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔
خاص طور پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دعوت وتبلیغ کے کام کو زیادہ توجہ سے دیکھا اور اس کی افادیت کو بہت محسوس کیا، اور خصوصی طور پر تأثر لیا، اور اس کام کو فروغ دینے کے لیے اپنی صلاحیتیں اس میں لگانے لگے۔

خود مولانا مودودی نے بھی اپنے طریقۂ کار کے ساتھ ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کام کو جب دیکھا تھا تو اس کی افادیت کی تصدیق کی تھی، لیکن وہ عملی طور پر اپنے کام کو اپنے ہی طریقہ پر محدود رکھے رہے، مگر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اور ان کے ساتھ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے دعوت و تبلیغ کے اس کام اور مشن کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے ساتھ عملی مشارکت اختیار کی، اور ان دونوں نے اپنے کو اس کے ساتھ یکسو کر لینے کی کوشش کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ دیگر اہل دعوت وارشاد جو سنت نبوی کے مطابق دعوت وارشاد کا کام کر رہے تھے، ان سے بھی رابطہ قائم کیا، اور ان دونوں کے ذہنوں نے ہندوستان کی تاریخ میں جو دعوت وتربیت اور اصلاح کی اہم شخصیات گذری ہیں ان کے کام اور طریقۂ کار کو بھی سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا بھی اہتمام کیا۔

جہاں تک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو ان کی ایک خاص بات یہ رہی کہ انہوں نے اپنے مطالعہ اور مشاہدہ سے حاصل ہونے والے فکر کے مطابق عملی اور تحریری اور شخصی و جماعتی مختلف طریقہ ہائے کار کی جو افادیت محسوس کی، اس کو اپنے طریقۂ کار میں نمونہ بنانے کی کوشش کی، اور اسی بنا پر انہوں نے دعوت کے کام کو تین شعبوں میں تقسیم کرنا مناسب سمجھا، ایک شعبہ عامۃ المسلمین میں کام کرنے کا، دوسرا شعبہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں کام کرنے کا، اور تیسرا شعبہ اہل اقتدار اور اہل قوت کے حلقہ میں کام کرنے کا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کیا کہ عام طور

www.abulhasanalinadwi.org

پر دعوت کا کام کرنے والے ان حلقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں، ہر ایک اپنے اختیار کردہ حلقہ میں کام کر رہا ہے، حالانکہ ضرورت ان تینوں طبقوں میں کام کرنے کی ہے، عامۃ المسلمین کے حلقہ میں علماء کرام اور صوفیائے عظام اپنی توجہات کو صرف کرتے ہیں، جدید تعلیم سے مستفید ہونے والے اہل درد مسلمان جو دینی اصلاح کا جذبہ رکھتے ہیں انہوں نے اپنی توجہات اسی دائرہ میں مخصوص کر رکھی ہیں، اور اہل اقتدار طبقہ میں کام کرنے والے عام طور پر یورپ کے دیئے ہوئے مروّجہ سیاسی طریقوں کو اختیار کرتے ہیں، جس سے اصلاح سے زیادہ ان کی تائید یا تردید کے دائرہ کے اندر ان کی توجہات صرف ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عامۃ المسلمین میں کام کرنے کے لئے علمائے سلف اور صوفیاء کے طریقہ کو ہی مناسب سمجھا، اور اس کو اختیار کیا، چنانچہ اس دائرہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے طریقۂ دعوت و تبلیغ کو اور اہل ارشاد بزرگوں کے طریقۂ صحبت و تربیت کو پسند کیا، اور اس کے دائرہ میں مطابقت اختیار کرنے کا اہتمام کیا، لیکن جہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مخاطبین کا معاملہ دیکھا وہاں ان کے مزاج اور ان کی صلاحیت فہم کے مطابق زبان و قلم کا طریقہ اختیار کیا، اور اس میں کلام و زبان کی تاثیر اور قدرے متکلمانہ انداز بھی اپنایا۔ اور جہاں تک اصحاب اقتدار و قوت کا تعلق ہے تو ان کے سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کیا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا جو خطوط کے ذریعہ اور ناصحانہ روابط کے ذریعہ تفہیم وارشاد کی خاموش کوششیں اختیار کرنے کا ہے، اور محض تائید یا بلا رعایت تردید کا مروجہ طریقہ نہیں اختیار کیا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اس متنوع اور جامع طریقۂ کار میں ایک طرف تو اسلاف کے کاموں کے نمونے رہنمائی کا ذریعہ بنے جن میں عام لوگوں کے طبقہ کے لئے حضرت حسن بصریؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ وغیرہ

www.abulhasanalinadwi.org

کی مثالیں اور خواص واہل علم میں کام کے نمونے امام غزالی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کام کی مثالیں، اور اہل اقتدار وقوت میں کام کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے پیش رو بزرگ اور سلسلۂ نقشبندیہ کے عالی مرتبت شیخ خواجہ عبید اللہ احرار اور انہی جیسی عظیم اور حکیمانہ طریقۂ کار کی مثال سامنے رکھی۔

مولانا کے اس طریقۂ دعوت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے تفسیر و قرآن مجید کے درس و مطالعہ سے ایک خاص فائدہ یہ اٹھایا کہ جس اسلوب دعوت کی قرآن مجید میں مثالیں آئی ہیں، اور مختلف موقعوں پر دعوت کے کام کے لئے جس حکمت وموعظت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، اور اس کی عملی مثالیں انبیاء کے دعوتی کام کے تذکروں میں دیکھی جاسکتی ہیں، اس کو سمجھنے اور جذب کرنے کی کوشش کی ہے، مولاناؒ کی اس خصوصیت کو سمجھنے کے لئے ان کی تقریروں میں قرآن مجید کی آیات سے استشہاد اور تشریح ملتی ہے، اس سے اسے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس میں سب سے زیادہ رہنمائی قرآن مجید کے ذکر کئے ہوئے طریقہ ہائے دعوت کو سامنے رکھتے ہوئے حاصل کی، مثلاً ﴿ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ، وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے، اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے)۔(۱) اور ﴿ وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ، اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ بَيْنَه عَدَاوَةٌ كَأَنَّه وَلِيٌّ حَمِيمٌ ٥ وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ، وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ٥ ﴾ (۲) (ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے) تو اب آپ (مع

(۱) سورہ النحل: ۱۲۵ (۲) سورہ حم السجدہ: ۳۴)

www.abulhasanalinadwi.org

اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس اسلوب عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی مختلف تقریروں میں دیکھا گیا ہے، جن میں حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کے مکالمہ کا تذکرہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل میں خواب بیان کرنے والے سے مکالمہ، اور اس طرح کی دوسری مثالوں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی، اور خود عملی طور پر اپنے معاصر اہل اقتدار سے اسی نہج پر نصیحت اور خط و کتابت سے کام لیا، اور عام مسلمانوں کے مجمع میں سلف کے وعظ و نصیحت کے طریقہ کو اپنایا، اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اپنی علمی قابلیت اور عصر جدید کے فکر و نظر سے واقفیت کے ذریعہ ذہنی تبدیلی لانے کی سنجیدہ کوشش کی، اس سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مزید یہ اہتمام بھی کیا کہ وہ ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں اکثریت اسلام کو نہ ماننے والوں کی ہے، اور اصحاب اقتدار بھی اکثر اسی زمرہ کے ہیں، لہذا ان میں بھی کوشش کرنے کی ضرورت ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ذہن و دماغ اور ان کی صلاحیت علمی کی رعایت کرتے ہوئے ان کے لئے اس کے مطابق طریقۂ اصلاح و دعوت اختیار کیا، جو ظاہر میں صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا تھا تاکہ ان کو یہ ذہنی تأثر نہ ہو کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان پر اپنی بات عائد کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ کھلے دل سے بات کو سن سکیں، ایسے موقعوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان خرابیوں کا ذکر کرتے جو سب میں مشترک ہوتی ہیں، اور ان کا تعلق عام انسانی زندگی سے ہوتا ہے، اپنے اس نظام عمل کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پیام انسانیت کا عنوان اختیار کیا، اس میں ضمناً اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ بر سبیل

تذکرہ کرتے تھے، اور اپنے اس کام کی وضاحت کرنے کے موقعوں پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے طریقۂ کار اور انہی کے سلسلہ کے دو اور بزرگوں خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ذکر کرتے۔ یہ کام ایسا خوش اسلوبی سے ہوا کہ اس کے اچھے نتیجے برآمد ہوتے دیکھے گئے۔

علمی طبقہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کا بھی فرق رکھتے تھے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن الگ ہوتا ہے، اور مذہبی تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن الگ ہوتا ہے، اس فرق کی رعایت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش اسلوبی سے کرتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین اور تقریریں اس فرق کے لحاظ سے علاحدہ علاحدہ ہوتی تھیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرق کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، چونکہ انہوں نے ایک طرف تفسیر و حدیث اور علوم دینیہ کے دیگر مراجع و مصادر کا علم وقت کے ماہر علماء سے حاصل کیا تھا، اور عصر جدید کے فطری اور سماجی حالات اور معلومات کو اپنے وسیع مطالعہ اور زیادہ تر انہی کی زبان و بیان میں لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعہ حاصل کیا تھا، اور ان کے خیر و شر کا موازنہ کرتے ہوئے جدید ثقافت و تمدن کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کو سمجھا تھا، اور یہ طریقہ مولانا کو اپنی اہم ترین کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' کے سلسلہ میں اختیار کرنا پڑا۔ سامعین اور قارئین کی جیسی علمی یا ذہنی صلاحیت دیکھتے اس کی رعایت سے بات کرتے۔ اسی وجہ سے مختلف الذہن و مختلف النظریات لوگ مولانا کے فکر و پیغام سے متاثر ہوئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی خوبی کا پہلو یہ تھا کہ اپنے اس وسیع اور اچھے مطالعۂ علمی کی وجہ سے وہ عصر جدید کی ان ترقیات کی جوان کے طاقت و غلبہ کے حامل لوگوں سے منسوب تھیں، متاثر نہیں ہوتے تھے، اور ان میں اس سلسلہ میں احساس کمتری نہیں تھا، ان کو ان سب کے مطالعہ سے اسلامی فکر و نظام کی برتری پر یقین تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

اور وہ اس برتری کو اپنی علمی اور ادبی صلاحیت سے واضح کرنے کی کوشش کرتے تھے، جب کہ علم وفکر کی راہ سے سوچنے والے جدید ترقیات اور تجربات کی ہر خوبی کے منکر تھے، یا اس پر فریفتہ تھے، اور اپنی مشرقی یا دینی اقدار کے معاملہ میں یورپ کی ظاہری ترقیات اور کامیابیوں کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا تھے، جو منکر تھے وہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو جدید علمی اور تجرباتی ترقیات سے بالکل ناواقف تھے، اور ان کا مطالعہ صرف اپنے مشرقی علوم اور ماحول تک محدود تھا، اور جو اس پر فریفتہ تھے اور احساس کمتری میں مبتلا تھے اور مغربی ترقیات وتجربات پر فریفتہ تھے، اور اپنے اقدار اور علم کے معاملہ میں احساس کمتری میں مبتلا تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کا مطالعاتی اور علمی سرمایہ اور ماحولی واقفیت مغربی ترقیات سے واقفیت تک محدود تھیں، اور وہ واقفیت بھی بہت سطحی تھی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں باتوں کے نقص سے محفوظ تھے، اور یہی ندوۃ العلماء کی دعوت تھی، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے داعی تھے کہ کسی کے کسی پہلو پر جچی تلی رائے اس کی واقفیت کی بنا پر ہی قائم کی جاسکتی ہے، ہمارے اسلام کے فکر ونظام کی برتری اور انسانی زندگی کی ضرورت کا بہتر حل پیش کرنے کی صلاحیت کے لئے اپنے علم وفکر پر عبور رکھنے کے ساتھ غیروں کے علم وفکر کی حقیقت سے بھی واقفیت حاصل کرنی چاہئے، اور اس کے لئے نصاب تعلیم میں نظم کیا جانا حصول مقصد کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا جامعیت ہی کا نتیجہ تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کے کسی طبقہ میں فکری بنیاد پر دوسروں کے بالمقابل عاجز یا قاصر نہیں ثابت ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وسیع الفکر اور قوی الاستعداد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے متنوع مطالعہ اور وسیع واقفیت نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں علمی رواداری کی بڑی صفت پیدا کر دی تھی، وہ ہر اس کوشش جس کا مقصد حق طلبی اور مخلصانہ جذبہ کا حامل ہوتا،

کے مثبت اور حق پسندانہ پہلو کی قدر کرتے، اور اس کے کمزور پہلو کو ناپسند کرتے ہوئے وقتی طور پر نظر انداز کر دیتے تھے اس کی اصلاح کے متوقع رہتے تھے، جس کی وجہ سے بعض فکر و خیال کے وہ حاملین جو اپنے فکر و خیال میں تعصب و تشدد کے بھی حامل ہوتے، وہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس صفت کو قابل مذمت قرار دیتے، اور جادۂ حق سے ہٹا ہوا سمجھتے، ان میں سے بعض نے محض اس وہم میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی، اور ان کو لوگوں میں بے اعتبار کرنے کی کوشش کی کہ ان کی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ تشدد و تعصب نہیں اختیار کر سکے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کی اساسیات اور یقینیات کے معاملہ میں پختگی اور مضبوطی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ فرعیات اور وسائل کا درجہ رکھنے والے پہلوؤں میں توسع اور سب کے ساتھ اخلاقی اور ادبی رواداری برتنے کی وجہ سے پوری امت مسلمہ میں ایک عزت اور پسندیدگی مشترکہ طریقہ سے حاصل تھی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اسی کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے معتبر ترین بزرگوں اور تسلیم شدہ اہل حق کے یہاں عزت اور محبت کا مقام حاصل رہا، اور امت کی اہل حق اور ممتاز شخصیتوں نے اپنے آپسی جماعتی فرق کے باوجود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کا مایۂ ناز فرزند سمجھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دعوتی زندگی میں اپنے عصر کے تینوں طبقات میں جو عامۃ المسلمین اور اہل علم اور اہل اقتدار کے تھے ان کے ارشاد و اصلاح کی فکر و محنت کی، اس نے اپنی جگہ پر خاصا اثر ڈالا، اور ان کوششوں کے نتیجہ میں امت متعدد نقصانات سے محفوظ ہوئی، اور غلط رجحانات پر روک لگی، اور ان کی تقریر و تحریر اور رہنمائی سے ایک متوازن اور جامع فکر و رجحان کی حامل نسل تیار ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو علمی و فکری سرمایہ چھوڑا ہے وہ ان کے نہ رہنے کے بعد بھی نئی نسل کے صحیح اور متوازن ذہن کی تشکیل میں برابر معاون ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی تھی جس میں علوم دینیہ کے بنیادی اور ذیلی علوم کے ساتھ تاریخ، زبان اور تمدن و ثقافت اور عصری مضامین سے واقفیت حاصل کر لی تھی، اور اسی کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے معروف مراکز کے علماء سے بھی فائدہ اٹھایا تھا، اور اس کی روشنی میں علمی و دینی کام کا آغاز وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیا تھا، بالکل اسی زمانہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے وہ مضامین سامنے آئے تھے جن میں مغربی تہذیب پر فاضلانہ تنقید مؤثر انداز میں سامنے آئی، اور وہ مضامین کتابی صورت میں "تنقیحات" اور "تفہیمات" کے نام سے شائع ہوئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان سے ملاقات کے موقع پر جس میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ بھی ساتھ تھے، ایک ادارہ یا جماعت کی تشکیل کا خیال ابھرا تھا، جو یہ کام زیادہ منظّم طریقہ سے کرے، اور مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں مغربی تہذیب کی برتری کا جو سحر چھا رہا ہے اس کا توڑ ہو سکے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی، اور مغرب زدہ ذہنوں کی اصلاح کے لئے قلم و زبان سے کام لیا جانے لگا، لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا تعلیمی و تربیتی نظام ان دونوں حضرات کی طرح دینی علوم کے منظّم مراکز میں نہیں ہوا تھا، اس لئے بعض دینی حقائق کے بیان کرنے میں ان کا نظریہ ان لوگوں کی نظر میں اس سے ایک حد تک مختلف تھا جو علوم دینیہ کے مراکز سے گہرا استفادہ کرنے والوں کا ہے، چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ان حضرات نے حقائق دینیہ کی تشریح میں اختلاف محسوس کیا، اور نتیجۃً کچھ عرصہ بعد دعوت و فکر کے کام میں ان دونوں نے مولانا کے جماعتی دائرہ سے اپنے کو یکسو کر لیا، لیکن اس کام کو اپنے سمجھے ہوئے طریقہ سے کرنا جاری رکھا، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ دین کی تقویت اور اصلاح و ارشاد کے کام کو صرف علم و فکر کے حلقوں تک محدود کرنا کافی نہیں ہے، اور ان کے سامنے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے

دعوتی کام کی افادیت عامہ آچکی تھی، اس لئے اس میں انہوں نے شرکت اختیار کی، اور اس میں اپنے وقت کا معتد بہ حصہ صرف کرنے لگے، اس کے لئے جماعتی طریقہ سے باہر نکلتے، سفر کرتے، اور مختلف جگہوں پر ایک روزہ، دوروزہ یا کئی روز کا جماعت کا ماحول قائم کرتے، جیسا کہ گذشتہ سطروں میں ذکر آچکا ہے، اس کام میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انہماک خاصا بڑھا، اور یہ وہ زمانہ تھا جب ان کی صحت بھی خراب چل رہی تھی، معدہ کی کمزوری کی شدید شکایت مسلسل رہتی تھی، جس کی وجہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبد العلی صاحب جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں طرح کے دعوتی کاموں کو پسند کرتے تھے، اور ان کی ہمت افزائی کرتے تھے، لیکن ان کی صحت کی کمزوری سے بہت متفکر ہوتے تھے، وہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انہماک کو احتیاط اور علاج کے تقاضوں سے کم کرنا چاہتے تھے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر غلبہ تھا، ایک موقع پر یہاں تک کہا کہ کیا شہادت کا شوق ہے؟ یہ دور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تندہی اور مشقت کا دور تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی زبان وقلم کا بڑا ملکہ حاصل تھا، اور یہ بات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دین کا کام کرنے والے دوسرے افراد پر فائق وممتاز کرتی ہے، اور اس کے ذریعہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی کام کا میدان برصغیر سے نکل کر عالم عربی میں پہنچ گیا تھا، اور جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بعد میں بلاد عربیہ جانے کا موقع ملا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف ان کی اپنی کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " کے ذریعہ ان سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا، اس کے نتیجہ میں عالم عربی کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر مغربی فکر کے جو اثرات پڑ رہے تھے اس کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موثر زبان وقلم سے نشانہ بنایا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں بھی تینوں طبقات کو اپنی دعوت کا میدان عمل بنایا، جو

وہاں کے لئے بھی ایک طرح سے نئی بات تھی۔ مسجدوں میں عامۃ المسلمین کو مخاطب کرنا، انجمنوں میں تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کرنا، اور وہاں کے اہل اقتدار طبقہ کے افراد کو ملاقاتوں اور خطوط کے ذریعہ سے اصلاح احوال کی طرف متوجہ کرنا رہا ہے۔

اس کام کے دوران مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اپنے ان شیوخ سے برابر قائم رہا جن سے وہ تزکیۂ باطن کے سلسلہ میں ربط رکھتے تھے، خاص طور پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس کام کی بڑی تائید کی، اور ہمت افزائی کی۔ حضرت مولانا رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ربط و تعلق رکھا، جن سے وہ اکثر مشورہ کرتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی کام میں وسعت و ترقی کے پیدا ہونے پر ان کو ان کے شاگردوں اور رفقاء کار کے تعاون سے کام کو زیادہ منظّم کرنے کا موقع ملا۔

تعلیم یافتہ طبقہ میں کام کو پھیلانے کے لئے لکھنؤ میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کی جس کے ذریعہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء کار کی فکری اور دعوتی تصنیفات کی اشاعت و ترویج کی سہولت پیدا ہوئی، اور ندوۃ العلماء کے دائرۂ کار میں صحافتی ذریعہ بھی اختیار کیا گیا، اور اردو و عربی میں رسائل کا اجراء ہوا۔ اور دوسری طرف مسلمان بچوں کو جو حکومتی مدارس میں سیکولر تعلیم کے بہانہ اپنے دین سے دور کئے جاتے ہیں ان کے لئے متبادل انتظام کی بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سرپرستی کی، اور اس کے ادارہ دینی تعلیمی کونسل سے دلچسپی لی، ان سب کوششوں کا خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوا۔

اسی کے ساتھ دعوت و اصلاح و تبلیغ جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ طریقہ سے کام کر رہی تھی، اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی

پوری شرکت تھی، اس کے کام کو بھی تقویت پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے وفات پا جانے کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی اور پھر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم کی امارت کے زمانہ میں ان حضرات کا ساتھ دیا۔ بعد میں وہ اپنے ہجوم کار کی وجہ سے خود وقت نہیں دے سکتے تھے، مگر اپنے متعلقین اور مسترشدین کو اس کی طرف متوجہ کرتے، اور اس فائدہ کو اپنے لوگوں میں بار بار بتاتے جو انہیں ایمان ویقین اور اخلاص عمل کے تعلق سے اس کام میں انہماک کے زمانہ میں حاصل ہوا تھا۔

مزید وہ اس کام کے تعلق سے دعاؤں کا بڑا اہتمام کرتے۔ مولانا انعام الحسن صاحب کی وفات کے بعد وہ اپنی ذمہ داری اور زیادہ محسوس کرنے لگے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر ۱۲-۱۳-۱۴ر جون ۱۹۹۹ء کو ندوۃ العلماء میں منعقد ایک اہم تبلیغی اجتماع میں جس میں اس کے اہم اور بڑے ذمہ دار حضرات شریک تھے، خطاب فرمایا تھا، حالانکہ اس وقت فالج کے حملہ کی وجہ سے بولنے میں ان کو دشواری ہوتی تھی، جس میں انہوں نے اس آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾(۱) (کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا پاس ولحاظ رکھو گے تو وہ تمہیں شان امتیازی عطا کرے گا) کو موضوع بنایا تھا۔ کسی اجتماع کا ان کا یہ آخری خطاب تھا، گویا مسلمانوں کو یہ وصیت تھی کہ وہ جہاں رہیں شان امتیازی کے ساتھ رہیں۔

مولانا نے کہا کہ ''بھائیو! یہاں سے عہد کر کے جائیے کہ ہم پورے اسلام پر عمل کریں گے، اور ہم ایسی زندگی اختیار کریں گے کہ پورا ماحول، قرب و جوار، آس پاس کے لوگ، سب متاثر ہوں، لوگ کہیں کہ مسلمان ایک الگ شان کے لوگ ہیں، جہاں لغزش کھا کر لوگ گر جاتے ہیں، ٹھوکر کھاتے ہیں، وہاں یہ مسلمان ثابت قدم

---

(۱) سورۃ الأنفال: ۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

رہتے ہیں، جہاں انسان ضمیر فروشی کرتا ہے وہاں مسلمان کو کوئی خرید نہیں سکتا۔ نہ حکومتیں اور نہ سیاسی ادارے۔ نہ سرمایہ دار، نہ کوئی حسن و جمال۔ نہ کوئی عزت و کمال۔ اگر آج ہمارا کیرکٹر یہی ہوتا تو پورا ملک اسلام کا قدر داں اور اسلام سے فائدہ اٹھانے والا ہوجاتا، اور جہاں کہیں ایسا ہوا ایسے ہی انقلاب آیا۔"(۱)

(۱) یہ خطاب رسالہ کی شکل میں "مسلمان کی شان امتیازی" کے عنوان سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصلاح معاشرہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہشت پہل شخصیت کے مالک تھے، ان کی اس شخصیت کا ہر پہلو عملی شکل میں ان کی زندگی میں نمایاں طریقہ سے دیکھا جاسکتا تھا، حضرت مولاناؒ نے جس طرح سے اسلامی زندگی کے دائرہ میں نمایاں خدمات انجام دیں اسی طرح انسانیت کے دائرہ میں اجتماعی زندگی کے مختلف تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی، اور سماج پر اثر ڈالا، انہوں نے جد وجہد کے اتنے متعدد پہلو جمع کردیئے تھے کہ ان میں سے ایک یا دو پہلو بھی اگر کسی شخصیت میں جمع ہوجائیں تو وہ شخصیت نمایاں شخصیت بن جاتی ہے۔ مولانا کا تاریخ اسلامی کا جتنا گہرا مطالعہ تھا اسی طرح انسانی تاریخ کا اور قوموں کے عروج وزوال کا مطالعہ بھی وسیع تھا، اور یہ مطالعہ صرف سیاسی تاریخ کے دائرہ تک محدود نہ تھا، بلکہ تاریخ کے فکری، ثقافتی، مذہبی اور دعوتی پہلوؤں تک پھیلا ہوا مطالعہ تھا، مولانا نے اپنے اسی تاریخی مطالعہ کی روشنی میں اپنے متعدد المذاہب ملک اور اس کی وقیع اقلیت ملت اسلامیہ کے حالات اور تقاضوں کو بھی دیکھا، اور بحیثیت ایک دردمند مسلمان کے جو اسلامی تعلیمات کی رو سے حالات کو سنوارنے اور راہ حق کی رہنمائی کرنے کی ذمہ داری سمجھتا ہو، اپنے کو اپنی فکری وعملی صلاحیت کے اعتبار سے ملک وملت کے حالات کو درست کرنے کی کوشش میں لگایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے خاندان اور ایسے ماحول میں

www.abulhasanalinadwi.org

پیدا فرمایا تھا جس سے اس ذمہ داری کے ان کے احساس کو مہمیز ملی تھی، اور اس ماحول سے ان کو مزید یہ فائدہ ہوا تھا کہ قلم وزبان کو مؤثر اور مفید ڈھنگ سے استعمال کرنے کا ان میں اچھا سلیقہ پیدا ہوا، جس سے مولانا نے فائدہ اٹھایا، اور اس میں انہوں نے حکمت کا طریقہ اختیار کیا جس کی تاکید قرآن مجید میں کی گئی ہے کہ ﴿ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ، وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (۱)۔ مولانا نے اس طریقۂ کار کو اختیار کرتے ہوئے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنے کی فکر اپنی ہشت پہل شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں کی، یہ پہلو تعلیم وتربیت، دعوت وارشاد، اصلاح اخلاق، تحفظ شریعت، تزکیۂ باطن، تحقیق وتصنیف، توضیح فکر اسلامی، پیام انسانیت اور اصلاح ملک وملت ہیں، ان پہلوؤں میں سے آخری پہلو جو پیام انسانیت اور اصلاح ملک وملت کا ہے وہ ایک طریقہ سے خصوصیت اور نزاکت رکھنے والا پہلو ہے، جو ایک طرف ملک وملت کے نظام سے ربط رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام اور فرزندان وطن کی مصلحت اور ان کی سلامتی کے تقاضوں سے تعلق رکھتا ہے، جس کو عام طور پر سیاسی اور پارٹی بندی کا مزاج رکھنے والے لوگ ٹکراؤ اور تحریکی انداز میں اختیار کرتے ہیں، جس سے اس کی صورت ایک مجادلہ اور مقابلہ کی سی بن جاتی ہے، حضرت مولاناؒ نے اس سلسلہ میں اپنے کو اس مروجہ ٹکراؤ والے طریقۂ کار سے الگ رکھا، اور اپنے کو ایک غیر سیاسی انسان، اور پارٹی کے لحاظ سے غیر جانبدار فرد ورہنما کی حیثیت سے پیش کیا، اس میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقہ کو اختیار کیا، اور تقریباً ان ہی کے طریقہ کو اس سلسلہ میں اپنی جدوجہد کے لئے چراغ راہ بنایا۔

حضرت مولاناؒ نے اس طریقہ کو سنت نبوی سے ہی ماخوذ طریقہ سمجھا، جس کی

---

(۱) سورہ النحل: ۱۲۵

www.abulhasanalinadwi.org

رو سے حضور اقدس ﷺ نے انسانوں کی ہمدردی اور ان کو راہ حق پر لانے کے لئے نہایت خوش اخلاقی، تحمل اور طریقۂ حکمت اختیار فرمانے کی مثال قائم کی، آپ ؐ ایک موقع پر ایک سفر سے واپسی میں ایک صحرائی علاقہ میں دوپہر کے وقت آرام کے لئے ایک درخت کے نیچے لیٹے تھے، اور آپ ؐ کے دوسرے رفقاء درختوں کے نیچے منتشر طریقہ سے لیٹے تھے، حضور ﷺ نے اپنی تلوار اپنے اوپر ہی ایک شاخ میں لٹکا دی تھی، آپ ؐ کی آنکھ ایک شخص کے مخاطب کرنے سے کھلی جس نے آپ ؐ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی، اس نے آپ ؐ سے کہا: اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ؐ نے پورے یقین و جزم کے ساتھ فرمایا: اللہ، اس یقین و جزم کا یہ اثر پڑا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، آپ ؐ نے فوراً اٹھالی اور اسی کے جملہ کو دہراتے ہوئے فرمایا: اچھا اب تم کو کون بچائے گا؟ اس نے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا اور درخواست کرنے لگا کہ آپ ؐ سے عرض ہے کہ آپ ؐ معافی اور اخلاق کا رویہ اختیار فرمائیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اسلام قبول کرتے ہو؟ اس نے کہا: یہ تو نہیں کرتا، لیکن آپ ؐ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کروں گا، آپ ؐ نے اس کو چھوڑ دیا، اور اسے نہ اسلام لانے پر مجبور کیا اور نہ کوئی سزا دی، اسی طرح نہ معلوم کتنے مکہ والوں سے آپ ؐ نے حق کی بات کہی اور ان کے قبول نہ کرنے اور سخت رویہ اختیار کرنے کے باوجود ان سے کوئی برہمی نہیں اختیار فرمائی، حضرت مولاناؒ نے اپنے سامنے یہ اسوہ رکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا طریقہ اختیار کیا جو انہوں نے اسی ملک میں برتا تھا، جس میں مولاناؒ رہ رہے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مغل حکمراں اکبر ہندوستان کی اپنی وسیع سلطنت میں اسلامی عقائد و اعمال سے برگشتہ ہوکر غیر اسلامی طریقوں کو رائج کر رہا تھا، اور ایک نئے مذہب کا دعویدار ہو رہا تھا، جس کے سبب اس ملک میں مسلمانوں کا اسلامی مستقبل بہت خطرہ میں پڑ گیا تھا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کی ناموافقت

www.abulhasanalinadwi.org

کا خیال کرتے ہوئے چیلنج کا طریقہ اختیار نہیں کیا، بلکہ اس کے بجائے تفہیم وتشریح اور دعوت وحکمت کا طریقہ اختیار کیا۔ اس میں بھی اکبر پر زور ڈالنے کے بجائے انہوں نے اس کے اہم درباریوں اور مشیروں کو اپنی بات کا مخاطب بنایا، اور ان کو متوجہ کیا کہ وہ موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب مشورہ اور توجہ دہانی سے کام لیں، اور اس سلسلہ میں ان مشیروں اور بادشاہ کے مصاحبوں کو بڑے دردمندانہ خطوط لکھنے کا سلسلہ قائم کیا جس کا اثر بتدریج پڑتا گیا، اور اکبر کے جانشین کا دور آتے آتے اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور جہانگیر بادشاہ کے رجحانات اپنے باپ کے رجحانات سے مختلف ہوئے، پھر ان کے بیٹے شاہجہاں کے رجحانات اور بھی بہتر ہوئے، اور ان کے بیٹے سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر تو گویا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوششوں اور توقعات کا پورا نتیجہ تھے، جنہوں نے عدل وانصاف اور دین کی بالادستی قائم کی، اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ایک ہزار سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اسلامی حکمرانی کا ایک شاندار نمونہ پیش کیا۔

شاید حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سامنے رسول اللہ (ﷺ) کی وہ مثال تھی کہ جب اہل طائف نے آپ (ﷺ) کی طلب ہمدردی کے جواب میں ظالمانہ رویہ اختیار کیا اور آپ (ﷺ) کو شہر سے باہر نکال دیا اور اوباش لڑکوں کو پیچھے ڈال دیا کہ آپ (ﷺ) کو پتھر ماریں اور زخمی کریں جس کے نتیجہ میں آپ (ﷺ) کو فوراً شہر سے باہر نکلنا پڑا، اور تن تنہا ایک جگہ بیٹھ کر اپنے خدا سے عرض معروض کی جس پر خدا کی طرف سے آپ (ﷺ) کی نصرت کے طور پر شہر کے ظالم سربراہوں اور ان کے اعوان کو زلزلہ کے ذریعہ ختم کر دینے کی پیشکش ہوئی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اگر یہ ہمارے ہمدرد نہ ہوئے تو شاید بعد میں ان کی نسلیں ہماری ہمدرد ہوں، اور ہماری بات ماننے والی ہوں، اس طرح آپ (ﷺ) نے انتقام نہیں لیا، حالانکہ آپ (ﷺ) کا جسم ہی چوٹ

کھایا ہوا نہیں تھا، بلکہ دل بھی چوٹ کھایا ہوا تھا۔ حضرت مولاناؒ نے حضرت مجددؒ کے اس طرز عمل کو اپنے عہد کے مطابق اختیار کیا، چنانچہ ہندوستان میں اور ممالک اسلامیہ میں مولاناؒ نے مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کو بڑے نصیحت آمیز خطوط لکھے، اور ملاقاتیں کیں، جن میں بڑی حکمت اور ہمدردی کے انداز سے ملک میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی، جو حکمراں ہندوستان کے تھے ان کو ملک کی خرابیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے حقوق اور شریعت کے تحفظ کی طرف بھی توجہ دلاتے، چنانچہ مسز اندرا گاندھی کے زمانہ میں جب انہوں نے ایمرجنسی نافذ کی جس میں ان سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، اور اس کے تحت جو ظلم ہو رہا تھا اس کو روکنے کے لئے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا، مولاناؒ ان سے جا کر ملے، اور وقار اور استغنا لیکن حکمت و موعظت کے ساتھ ان کو غلط طرز عمل کو ترک کرنے کی طرف توجہ دلائی، وہاں جانے سے قبل اپنے اعزہ کو وصیت بھی کی کہ ہوسکتا ہے کہ مجھے روک لیا جائے اور میری واپسی دشوار ہو، اس لئے فلاں فلاں باتوں کا خیال رکھا جائے۔

اور جب ان کے بیٹے وزیر اعظم ہوئے، اور مطلقہ کے مسئلہ شریعت میں ایک عدالتی حکم کے تحت مداخلت کا خطرہ ہوا تو مولانا نے اپنے رفیق قیادت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان سے بار بار ملکر مسئلہ کی نوعیت کو واضح کیا، اور بہت ناصحانہ انداز میں مخالف شریعت اقدام کو بدلنے کی طرف توجہ دلائی، اس کے ساتھ پُر امن دستوری طریقے اختیار کئے تاکہ مسلم رائے عامہ کا رجحان ظاہر ہو، اور اس کے ساتھ غیر مسلموں پر بھی مسئلہ کو واضح کرنے اور ان کو مؤید بنانے کی کوشش کی اور عوامی تحریک میں تصادم یا حکومت کی مخالفت سے بچنے کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں یہ اثر پڑا کہ اس قانون کو وزیر اعظم نے پارلیمنٹ سے تبدیل کرایا، جس پر مولاناؒ کی حکمت عملی کی لوگوں کو قدر ہوئی، حضرت مولانا نے اس کے بعد بھی ملک میں جو حکمراں

ہوئے ان میں سے ہر ایک کو ان کے اقتدار ملنے کے بعد ہی وقت اور حالات کے مطابق ناصحانہ خطوط لکھے، اور ملاقاتیں کیں، جس کا بڑا فائدہ ہوا۔ بابری مسجد کے سلسلہ میں وی پی سنگھ نے بحیثیت وزیر اعظم کے مولاناؒ کی رائے کو اختیار کرنے کی کوشش کی، لیکن سیاسی حکمت عملی کے حاملین کی رائے کے مطابق مولانا نے اپنے مشورہ کو واپس لے لیا، اور وی پی سنگھ نے اپنا سابقہ تائیدی فیصلہ منسوخ کردیا اور آرڈیننس واپس لے لیا۔

بی جے پی کی حکومت کے دوران یو پی میں صوبائی حکومت نے جب مشرکانہ ترانہ وندے ماترم کی پابندی لگائی، اور اسکولوں میں طلبہ وطالبات کے لئے اس کو لازم کیا تو مولانا نے اپنے حکیمانہ انداز سے مخالفت کی، اور صاف و واضح طریقہ اختیار کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی کہ اگر ایسا ہی ہوا تو پھر ہم کو مسلمانوں سے کہنا پڑے گا کہ وہ اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے نکال لیں، چنانچہ ان کی مخالفت کا حکومت نے بڑا اثر لیا، اور وہ پابندی ختم کردی، اور متعلقہ وزیر کو اپنی رائے سے ایسا حکم نامہ جاری کرنے پر سزاءً وزارت سے ہٹادیا۔

دیوی گوڑا جب وزیر اعظم ہوئے تو وہ حضرت مولانا سے مولانا کے ملک کے لئے خیر خواہانہ رویہ سے واقفیت اور مولانا کی شخصیت کی عظمت کی بنا پر وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھتے ہی، مولانا سے ملنے ندوۃ العلماء لکھنؤ آئے، مولانا نے ان کو نیک مشورے دیئے، ان کو بھی مولاناؒ نے ملک کو بہتر بنانے اور اقلیت کے ساتھ انصاف کرنے کی تلقین کی۔ اور انہوں نے صاحب اقتدار ہو جانے کے تعلق سے اقلیتوں کے ساتھ اور کمزور طبقات کے ساتھ منصفانہ ا ردانہ رویہ اختیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا، انہوں نے مولانا کے ساتھ بڑے ا اظ کا معاملہ کیا۔

نرسمہا راؤ جب وزیر اعظم ذ بھی مولانا نے خط لکھ کر اور ملاقات

www.abulhasanalinadwi.org

کے ذریعہ ملک کی اخلاقیات اور سماجی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی اور اس کی اہمیت سیاسی کاموں سے زیادہ بتائی، جس کی ضرورت کو انہوں نے تسلیم کیا۔

اٹل بہاری واجپائی جب وزیر اعظم ہوئے اور مولانا سے ملنے کے لئے آئے جس کا مقصد عیادت تھا تو ان کو بھی مولانا نے ملک کی فکر کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور وہ اس سے متاثر ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا اپنی بات کہنے کا انداز ناصحانہ اور عاقلانہ ہوتا تھا اور وہ اپنے عالمانہ وقار و داعیانہ کردار پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ انسانیت کی بھی خواہی کو برابر اور ہر موقع پر ملحوظ رکھتے تھے، اور ملک و ملت و خدمت انسانیت کی جہاں بات آتی وہاں وہ اپنی ذاتی منفعت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مولانا کے اس خیر خواہانہ انداز اور کردار کا یہ اثر تھا کہ ان کی بات کو سننے والا ان کو مخلص اور ملک و قوم کا ہمدرد سمجھتا تھا، اس لئے سبھی مولانا سے متعلق اچھا تصور رکھتے تھے۔ مولانا نے یہ طے کر رکھا تھا اور اس پر وہ پوری طرح عمل پیرا تھے کہ اپنی ذات کے لئے یا اپنے خاندان کے کسی فرد کے لئے اپنا کوئی حق طلب نہیں کریں گے، اور نہ ہی کسی فائدہ کے حصول کے لئے کوئی سفارش کریں گے، اور اس سے ہٹ کر بھی کسی ایسی بات کو بھی اختیار نہیں کریں گے جس میں احسان مندی ہو، اور مولانا کو ممنون ہونا پڑے۔ مولانا کے اس رویہ سے بعض عزیزوں کو شکایت بھی ہوئی، اور ان لوگوں نے مولانا کے اس رویہ کو ضرورت سے زیادہ احتیاط پر محمول کیا۔ مگر مولانا نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور حکمرانوں کا ممنون ہونا گوارہ نہیں کیا۔ البتہ ملی مسائل میں اگر ان میں سے کسی نے تعاون دیا تو اس کے اس سلسلہ میں آخر تک ممنون رہے اور اس کی تعریف کی۔ اور ان کے اس عمل پر ان کو اپنی پسندیدگی سے واقف کرایا، اور ان میں سے بعض کا تذکرہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ان کے اس خیر پسندی کے حوالہ سے کیا۔ اس میں یوپی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کا تذکرہ اس کے لئے مثالاً پیش کیا ہے، جسے ان

www.abulhasanalinadwi.org

کے ایک اچھے رویہ کے سلسلہ میں کاروان زندگی میں دیکھا جاسکتا ہے، ملائم سنگھ بھی مولانا سے بہت متأثر رہے، اور مولانا کے پاکیزہ اور بلند کردار کے مداح ہوئے۔

اسی طرح مطلقہ کے نان ونفقہ کے مسئلہ میں شریعت بل کی حمایت میں ہندوستان کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کے کردار کا ذکر وہ برابر کرتے رہے، اور اس کو اپنی کتاب ''کاروان زندگی'' میں نمایاں طور پر پیش کیا۔

حضرت مولاناؒ کے خطاب کو سننے کے لئے جتنے غیر مسلم رہنما جمع ہوتے تھے اتنے کسی رہنما کے خطاب میں جمع نہیں ہوتے۔ اس کو بھی حکومت محسوس کرتی تھی۔ خواہ کوئی پارٹی برسر اقتدار آئی ہو وہ مولانا کی اہمیت اور مقام کو سمجھتی تھی۔ اور ان کی بات کو نظر انداز نہیں کرتی تھی۔ آخر میں جب ملکی سطح پر بھارتیہ جنتا پارٹی (B.J.P.) برسر اقتدار تھی تو اس نے بھی مولانا کے اس اثر اور وزن کو محسوس کیا، اور اس کا کسی حد تک خیال بھی رکھا۔

ہندوؤں کے مفاد کو سامنے رکھنے والی ایک بڑی تنظیم آر. ایس. ایس. کے بعض لیڈر مولانا کی تقریریں کر اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے کہا کہ آپ کو وطن سے جو محبت ہے، اور اس کی جو فکر ہے وہ کسی دوسرے میں نہیں۔ اگرچہ مولانا دینی وملی غیرت میں بہت بڑھے ہوئے تھے، وہ دینی اقدار کے سلسلہ میں ان کے مخالفین سے صلح نہیں کر سکتے تھے، اور اس سلسلہ میں کوئی بات خلاف اولی بھی ہو وہ اسے نہیں کرتے تھے۔ اس میں ان کی حس اتنی بڑھی ہوئی تھی وہ ہر ایک سے ہدیہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک طرز ان کا یہ تھا کہ وہ سیاسی جماعتوں کے سلسلہ میں غیر جانبداری کا رویہ رکھتے تھے، ان کے تعمیری کاموں کو سراہتے، اور ان کی اختلافی سیاست سے اپنے دامن کو بالکل بچاتے تھے، البتہ مشترک سیاست کی بات ہوتی تو اس کے متعلق توجہ دہانی کراتے تھے، مولاناؒ کا یہی طرز عمل عالم اسلامی کے حکمرانوں

کے ساتھ رہا، ہندوستان میں تو ملک وقوم اور مسلم اقلیت کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے تھے لیکن بلاد اسلامیہ کے حکمرانوں کے سلسلہ میں دین وملت کے مسائل کو سامنے رکھتے تھے، چنانچہ سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل شہیدؒ اوران کے بعد شاہ خالد، اوران کے بعد شاہ فہد، اوران سب سے پہلے شاہ سعود سب کو مولاناؒ کی نصیحتیں پہنچیں، اور خطوط وملاقاتوں کے ذریعہ مولاناؒ نے پورے استغناء اور احتیاط کے ساتھ ان کو دین کے تحفظ اور مرکز اسلام کے لحاظ سے جو تقاضے ہیں ان کی طرف توجہ دلائی، اور امت اسلامیہ کے لئے وقت کی ضرورت کے مطابق جو تقاضے ہیں ان میں تعمیری وترقیاتی طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔(۱) اور یہ باتیں صرف مرکز اسلام کے لئے ہی نہیں، بلکہ سعودی عرب کے علاوہ اردن کے شاہ حسین، اوران کے دادا شاہ عبداللہ، مراکش کے بادشاہ شاہ حسن اور یمن کے صدر اور پاکستان کے صدر اور دیگر متعدد ملکوں کے سربراہوں کو اپنے اپنے ملکوں کے حالات کو بہتر بنانے اور اسلامی تقاضوں کو اہمیت دینے اوران کا تحفظ کرنے کی نصیحتیں کیں، یہ نصیحتیں جن خطوط کے ذریعہ مولاناؒ نے کیں، ان کو دیکھ کر مولانا کی خوش اسلوبی اور حکمت عملی اور دور اندیشی اور مسائل کی سمجھ اور اسلوب کلام کی خوبی سامنے آتی ہے، مولانا ایک بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر انشاء پرداز اور اثر انگیز خطابت کے مالک تھے، بات کو بہت دل لگتے انداز میں لکھتے اور بیان کرتے تھے، اور جس کو نصیحت کے قابل سمجھتے تھے یا جس کو نصیحت کرنا ان کے پیش نظر ہوتا تھا، اس سے کوئی مالی منفعت خواہ ہدیہ کے طور پر ہو قبول نہیں کرتے تھے، کہتے تھے کہ پھر ہماری نصیحت بے اثر ہوجائے گی، اور نصیحت ہمارا فریضہ ہے جس کو چھوڑنا ہم غلط سمجھتے ہیں۔

مولانا کا یہ طریقۂ کار صرف حکمرانوں کے ساتھ ہی نہیں تھا، بلکہ قوم وملت کی

---

(۱) یہ خطوط مولانا کے ایک مجموعۂ خطوط پر مشتمل کتابچہ میں شائع بھی ہوچکے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

باثر شخصیتوں اور قائدین کے ساتھ بھی تھا۔

قطر کی سیرت کانفرنس ۱۹۸۰ء کے موقع پر جس میں دنیائے اسلام کے چوٹی کے علماء ودانشور اور ولی عہد مملکت موجود تھے۔ مولانا نے افتتاحی اجلاس کی اپنی تقریر میں پوری صفائی سے یہ بات کہی کہ اس کانفرنس کا اگر کوئی پیغام ہے تو یہ ہے کہ ہم اپنے اسلامی عربی معاشرہ کے اس تضاد کو دور کریں، جو اس وقت اس میں پایا جاتا ہے۔ ہمارا مرض الحمد للہ کفر و شرک نہیں، ہمارا مرض "نفاق" ہے۔ ہم اعلان کچھ کرتے ہیں، عمل کچھ کرتے ہیں۔ ہم کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ اس تضاد نے ہمارے معاشرہ کو بے اعتبار بنادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اب دنیا کے لئے وہ کشش نہیں رہ گئی ہے، جو لوگوں کے قبول اسلام کا سبب بنتی تھی۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا رائج الوقت نظریات اور مختلف ملکوں کے اچھے برے حالات کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے جیسا کہ ان کی کتاب "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" سے اور ان کے خطبات اور مقالات سے پتہ چلتا ہے، اور مولانا کے سفرناموں میں ان کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں اور مشاہدات اور اظہار رائے کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا نے اصلاح حال کے اپنے اس مقصد کے لئے عمومی خطابات کو بھی ذریعہ بنایا، وہ جلسوں میں، کانفرنسوں میں مؤثر ڈھنگ سے بات کہتے، اور حالات کے تقاضوں کی طرف توجہ دلاتے اور نصیحت کرتے، اس کے لئے پیام انسانیت کے نام سے ہندوستان کے بڑے شہروں میں شہریوں کے مخلوط اجتماعات کرتے جن میں مختلف مذاہب اور طبقات کے لوگ ان کے مخاطب ہوتے، اسی کے ساتھ دوسری طرف اصلاح معاشرہ کے عنوان سے صرف مسلمانوں سے بات کہتے، جلسے منعقد کراتے، جن میں مسلمانوں کی دینی و سماجی خرابیوں کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

مولاناؒ کے فکر و عمل کا یہ پہلو ایسا پہلو تھا جس کی وجہ سے سارے اسلامی

www.abulhasanalinadwi.org

ومشرقی ممالک میں اور ایشیائی خطوں میں پڑھا لکھا طبقہ اور قائدین جن میں حکمراں بھی شامل ہیں، مولانا کے بارے میں نہ صرف یہ کہ واقف ہوگئے تھے، بلکہ سب مولانا کے اخلاص کے بھی قائل ہوگئے تھے کہ وہ ایک بے غرض اور خیر خواہی کا مزاج رکھنے والے عالم دین اور رہبر ہیں، وہ سب کا بھلا چاہتے ہیں، اور اپنی بات کو ایسے اسلوب میں ادا کرتے ہیں جو دلپسند ہونے کے ساتھ غور وفکر کی دعوت دینے والا ہوتا ہے، مولانا کو اردو کے ساتھ ساتھ عربی پر بھی مادری زبان کی طرح قدرت حاصل تھی، وہ بے تکلف اور موثر انداز میں اپنی بات کہہ سکتے تھے، اس کے علاوہ انگریزی اور فارسی زبان سے بھی ایسی واقفیت تھی کہ ضرورت پڑنے پر اس کو بھی استعمال کرلیتے تھے، اس کا میں نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے۔

مولانا نے اس سے اپنے ایران کے سفر میں جہاں کی سرکاری زبان فارسی ہے خوب فائدہ اٹھایا۔ مولانا نے اپنے سفر میں جو رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے تھا ایران کی ممتاز مذہبی وسیاسی شخصیات سے ملاقاتیں کی تھیں، مولانا نے ان کے سامنے دین کی حقیقت اور ملک کی سالمیت کے لیے اس کی ضرورت کو واضح کیا تھا، اور اس حقیقت کا اعلان کیا تھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی نبوت آخری نبوت ہے، ور کسی بھی خیر و سعادت کا حصول اسی کی روشنی میں اور آپ (ﷺ) ہی کے واسطے سے ممکن ہے۔

اسی طرح افغانستان کے اپنے ایک سفر میں وہاں کے وزراء، علماء اور دانشوروں سے ملاقاتیں کیں، اور ان کے سامنے اسلام کی بیداری پیدا کرنے اور قوم کی رہنمائی کے مشورے اور تجربے سامنے رکھے۔

مولاناؒ نے یورپ اور امریکہ کے دانشوروں کو بھی خطاب کیا، آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن یونیورسٹی، کیمبرج یونیورسٹی، امریکہ میں اور کولمبیا یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں میں بھی مولانا کو بات کرنے کا موقع ملا، وہاں مغربی تمدن اور عیسائی مذہب

www.abulhasanalinadwi.org

کی قدروں کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا نے اصلاح حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسلام کی حقانیت بھی ان کے سامنے واضح کی، مولانا نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یورپ اور امریکہ کی قوموں کی زندگی کا مزاج اور انداز ایسا ہے کہ اسلام ان کے لئے زیادہ بہتر حل عطا کرتا ہے، کیونکہ وہ دنیا اور دین دونوں کی خوبیوں کو جمع کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کی اختیار کردہ عیسائیت ترک دنیا کی دعوت دیتی ہے، جو زندگی کے سب لازمی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ پھر عجیب بات ہے کہ وہ اس کو اختیار کرنے کے باوجود دنیا کے اندر پوری طرح ملوث ہو گئے ہیں، ان کو چاہئے تھا کہ اسلام کا جوان کو دنیا سے منع نہیں کرتا مطالعہ کرتے، اور دیکھتے کہ وہ ان کی ضرورت کو کتنے اچھے طریقہ سے پوری کرتا ہے، مولانا نے جرمنی کی برلن یونیورسٹی میں خطاب کیا، اور وہاں جرمنی کی فلسفیانہ خصوصیات کو اس میں ابھرنے والے فلاسفہ کا تذکرہ کر کے ان کو صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ مولانا کے ان میں سے اہم خطابات عربی اور اردو میں کتابچوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، مثلاً ''مغرب سے صاف صاف باتیں''، اور ''نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں'' کے عنوان سے دیکھے جا سکتے ہیں، مولانا کے یہ اسفار جو یورپ و امریکہ کے ہوئے، یہ بیشتر مولانا کے سالانہ ان سفروں کے دوران ہوئے جو مولانا نے جنیوا کے اسلامک سینٹر کے رکن کی حیثیت سے تقریباً ایک خاصی مدت تک ہر سال کئے، یہ اسلامک سینٹر اہل مغرب کو اسلام سے متعارف کرنے کے لئے مصری دانشور اور داعی اسلام ڈاکٹر سعید رمضان نے جنیوا میں قائم کیا تھا۔

مولانا کے خطابات اور مضامین میں قوموں کی خصوصیات اور ضرورتوں کو سامنے رکھکر بات کرنے کا بہت اچھا انداز ہوتا تھا، وہ ہر جگہ وہاں کا جو اہم قومی مرض ہوتا وہ اس کی بھی نشاندہی کرتے، مسلمانوں کے حلقہ میں سماجی برائیوں اور خیر امت ہوتے

ہوئے پھر بھی کوتاہیاں پائے جانے کی قابل مذمت حالت کی نشان دہی کرتے، تعلیمی اداروں میں وقت کی ضرورت اور دین کے تقاضوں کو باہم دگر کر کے نصاب تعلیم بنانے کی طرف توجہ دلاتے، یورپ وامریکہ میں جو اس وقت مسلمان آباد ہو گئے ہیں، ان کو خاص طور پر مولانا توجہ دلاتے کہ وہ مغربی ممالک کے ماحول کو مشرقی ممالک کی طرح نہ سمجھیں، مغربی ممالک میں جو نظام تعلیم ہے وہ اسلامی قدروں سے بالکل ہٹ کر الگ راستہ پر چلتا ہے، لہذا اپنی نئی نسلوں کی تعلیم میں اس سے پیدا ہونے والے ضرر سے تدارک کا نظم اختیار کریں، ورنہ یہ نسلیں اپنے اسلاف سے بالکل متصادم تیار ہوں گی۔

دوسرے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دلاتے کہ مغرب میں جو نظم وضبط، ظاہری صفائی ستھرائی ہے وہ اچھی چیز ہے، اپنے مشرقی ممالک کے ماحول میں پھیلی ہوئی پراگندہ حالی جس کی ان کو ایک طرح کی عادت پڑی ہوئی ہے، نہ اختیار کریں، ورنہ یہاں ان کے متعلق برا تأثر قائم ہوگا، جو ان کے دین اور ثقافت سے متعلق غلط اور بدگمانی والا تأثر دے گا، جو بہر حال نقصان دہ ہے۔

وہ اس سلسلہ میں وسیع دائرہ کے اندر وضاحت کرتے تھے، اس طریقہ سے وہ نظام زندگی کو موضوع بناتے، اصلاح حال کا مولانا کا یہ طریقہ ان سارے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے جو قوموں کی قیادت کرتے ہیں، خاص طور پر ملت اسلامیہ کے دائرہ میں۔ اور مولانا کی زندگی کا یہ اہم ترین پہلو ہے جو ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اس میں ایک بہت اہم پہلو یہ بھی تھا کہ مولانا کی خود اپنی زندگی صاف ستھری اور محتاط اور دنیاوی معاملات میں استغناء کامل اور اپنی ذات کے لئے فائدہ اٹھانے سے پورے احتراز کی تھی، جس کا اثر ان کی بات میں تھا کہ اس کو سننے والے مولانا کی بات کو بے غرضی اور اخلاص کی بات سمجھتے تھے، اور کسی نہ کسی حد تک اچھا اثر لیتے تھے۔

مولانا اپنی زندگی کے دائرہ کو صرف تصنیف و تالیف یا صرف تعلیم و تدریس یا پھر خانقاہی نظام کے تحت تصوف و سلوک کے کام تک محدود رکھ سکتے تھے، یا یہ کہ اقبال کی زبان میں "خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات" کو اختیار کرتے، مگر مولانا نے ملی و انسانی تقاضوں و ضروریات کے پیش نظر اپنے مزاج و طبیعت کے خلاف جسے تصنیف و تالیف کے کام سے زیادہ مناسب تھی، دعوتی و اصلاحی کام کو اختیار کیا۔ اور اس کو متعدد حیثیتوں سے انجام دینے کی فکر و کوشش کی، اور انہوں نے اپنے لیے "وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل" کو ترجیح دی۔ اور اس کے لئے ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت رہی، جس کا مشاہدہ لوگوں نے ان کی زندگی کے آخری لمحات تک کیا۔

وفات سے صرف ایک دن پہلے ایک مسئلہ میں جس کا تعلق ملت اور ملک سے تھا اور اس میں ملت سے انتساب رکھنے والے بعض افراد کے طریقۂ کار سے یہ تأثر سامنے آرہا تھا کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے مخالف کو زچ پہنچے، خواہ وہ راستہ اسلامی اصول کے مطابق نہ ہو، اور انسانی ہمدردی سے دور ہو۔ مولانا نے اس تأثر کو ختم کرنے کے لیے اسلام کے صحیح نقطۂ نظر کو میڈیا کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا جو دوسرے دن اخبارات میں شائع ہوا۔ یہی مولانا کی وفات کا دن تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

قائدین ملک وملت

اور ممالک اسلامیہ کے زعماء کو مشورے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم اور ان کی غور و فکر کی صلاحیت کی تشکیل ایسے متوازن اور دوررس انداز کی ہوئی تھی کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی بنا پر قوموں کے عروج و زوال کے واقعی اور دوررس اسباب و نتائج کے سمجھنے کا اچھا ملکہ حاصل ہو گیا تھا، اور حالات حاضرہ کو تاریخ ماضی کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کا اچھا ذہن بن گیا تھا، وہ ماضی سے حاضر کا اور حاضر سے مستقبل کا اندازہ کرنے میں بڑے کامیاب تھے، اور اسی ضمن مین وہ قائدین کے نظریات اور ان کی عملی زندگی میں ان کے ان نظریات کا انطباق کرتے ہوئے نتائج کے بارے میں رائے قائم کرتے تھے، چنانچہ ان کی عملی زندگی کے دوران مشرق وسطیٰ، برصغیر اور عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں جو حالات رونما ہو رہے تھے ان کے متعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ماضی کے اپنے علم اور حالات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کر کے ماہرانہ رائے قائم کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ امت اسلامیہ کے قائدین اور عوام کے حالات کے سلسلہ میں اپنی قائم کردہ رائے کی بنیاد پر اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرتے تھے، اور اپنی صلاحیت اور پہنچ کے اعتبار سے اصلاح

www.abulhasanalinadwi.org

حال کی کوشش بھی کرتے تھے، انہوں نے اصحاب اقتدار کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر طریقہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کو سمجھا تھا، اور حکومتوں کے ذمہ داروں کے سلسلہ میں وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ تعلیم اور تربیتی نظام کے معاملہ میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے قبل کے مفکرین و داعی علامہ ابن خلدون، علامہ ابن تیمیہ، شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام، علامہ ابن الجوزی، حضرت حسن بصری رحمہم اللہ کے فکر و طریقۂ کار سے رہنمائی حاصل کی تھی، اس طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں اور جدوجہد کے نقشہ میں ایک طرف حکومتوں کے افراد اور ذمہ داروں کی اصلاح، حکمت اور موعظت حسنہ کے اسلوب کے ساتھ اختیار کرنے کا انداز ملتا ہے، تو دوسری طرف تعلیم و اصلاح امت کے محاذ پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی کا پورا اثر معلوم ہوتا ہے، اسی کے ساتھ مولانا نے ابن خلدون کی آراء سے بھی اجتماعی زندگی کے بعض فکری پہلوؤں میں فائدہ اٹھایا، اور مولانا نے متوازن دینی فکر اختیار کرنے میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے عظیم المرتبت شاگردوں کی تصنیفات سے بھی فائدہ اٹھایا، اور اصلاح عوام کے طریقۂ کار میں حضرت حسن بصریؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ کے انداز کی پیروی ملتی ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان ملکوں میں سب سے زیادہ اہمیت بلاد عربیہ اور حجاز کو دی تھی، چنانچہ ہندوستان کی آزادی سے ذرا پہلے اپریل ۱۹۴۷ء میں ایک کانفرنس ایشیائی ممالک کے قائدین کی دہلی میں منعقد کی گئی تھی، جس کے داعی پنڈت جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہند) تھے، اس وقت کے امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے اس کی اطلاع بھیجی، اور یہ کہلوایا کہ مولانا عرب نمائندوں کو خطاب کرنے کے لئے تیار ہو کر آئیں۔ چنانچہ آپ نے اس میں مسلمان قائدین کو پیغام دینے کے لئے ایک

www.abulhasanalinadwi.org

بہت مؤثر اور جامع مضمون عربی میں " إلى ممثلي البلاد الإسلامية " کے نام سے تیار کیا تھا، اور کانفرنس کے مسلم شرکاء کو پہونچایا، اس کے لئے مولانا نے خود دہلی کا سفر اختیار کیا تھا، اور پھر چونکہ وہ کانفرنس حکومتی سطح کے لوگوں کی تھی، اس لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ صرف یہی کر سکتے تھے کہ نجی طریقہ سے ہی اپنی ملت اسلامیہ کے قائدین کو اپنی دردمندانہ اور مدبرانہ باتیں پہنچائیں جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ اسلام اور تاریخ اقوام کے مخلصانہ مطالعہ سے حاصل ہوئی تھیں۔ بعد میں مولانا نے اس مضمون سے جو رسالہ کے طور پر چھپ کر سامنے آگیا تھا، اپنے حجاز مقدس کے سفر میں جو اس کے قریب ہی پیش آیا تھا، فائدہ اٹھایا۔

اس رسالہ کی عرب علماء و قائدین نے بڑی پذیرائی کی تھی، مسجد نبوی کے اس وقت کے ممتاز استاد حدیث اور مشہور نجدی عالم شیخ محمد علی الحرکان نے جو بعد میں وزیر قانون وانصاف اور پھر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سکریٹری جنرل بنے، درس روک کر اپنے حلقۂ درس میں اس رسالہ کو خود پڑھ کر سنایا۔

مزید حج کے موقع پر اس سفر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سعودی عرب کے ولی عہد سعود بن عبد العزیز کو جو ولی عہد ہونے کی وجہ سے بااثر اور فیصلہ کن مقام رکھتے تھے، ایک مفصل خط تحریر کیا جس میں یہ توجہ دہانی کرائی کہ مسلمان حکومتوں کا موقف یہ ہونا چاہئے کہ ان پر اپنی اپنی قوموں کو زندگی کی صحیح راہ پر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے متعین کی گئی ہے، لانے اور ان کے حالات کو درست کرنے کی اصل ذمہ داری ہے۔ اور جہاں تک معاملہ حکومتی برتری اور مادی فائدہ اور مالی ترقی کا ہے تو اس کی اہمیت اس کے بعد کی بات ہے۔ حجاز جیسے خطہ کی ذمہ داری بہت احتیاط اور توجہ کے ساتھ راہ عمل اختیار کرنے کی ذمہ داری ہے، مولانا نے اسی کے ساتھ ذکر کیا کہ سعودی قائدین حکومت کی طرف سے جس راہ کو اختیار کرنے کا اظہار ہو رہا ہے اس سے اس

کی پوری توقع ہے کہ وہ اس کو عزم و ہمت کے ساتھ اپنائیں گے۔ اس میں مولانا نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بلیغ اور حکیمانہ بات بھی یاد دلائی تھی جو انہوں نے اپنے گورنر کو ایک موقع پر لکھی تھی کہ " ويحك إن محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثَ هادياً، و لم يُبعث جابياً " (کہ اللہ کے بندے! محمد رسول اللہ (ﷺ) ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، ”تحصیلدار“ بنا کر نہیں)۔ یہ خط سعودی عرب کی اس وقت کی سب سے اہم دینی شخصیت شیخ عمر بن حسن آل الشیخ نے امیر سعود کو پیش کیا تھا، اور پڑھ کر سنایا بھی تھا۔ یہ خط مفصل تھا اور " بين الجباية و الهداية " کے نام سے بعد میں رسالہ کے طور پر شائع بھی ہوا۔ یہ خط تھوڑی ترمیم کے ساتھ مولانا کے مجموعہ مضامین " إلى الإسلام من جديد " میں شامل کر دیا گیا ہے۔

حجاز مقدس کے سفر سے ۱۹۴۸ء میں واپسی ہوئی، مگر دل و دماغ پر عربوں میں دعوت کا جذبہ اور عرب قائدین و زعماء کی رہنمائی کا مسئلہ طاری رہا، حضرت مولانا کے اس جذبہ اور فکر و عمل کو سمجھنے کے لئے ان کی ہی تحریر کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

> ”حجاز سے ۱۹۴۸ء میں واپس ہوا تو عربوں کو ان کی زبان میں اسلام کی بازگشت کی دعوت اور عالم اسلام ہی نہیں، انسانی دنیا میں داعیانہ و قائدانہ کردار ادا کرنے اور اپنا قدیم منصب سنبھالنے کی دعوت دل و دماغ پر چھا گئی، اور اعصاب پر اس طرح مستولی اور حاوی ہوگئی کہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد و موضوع بنا لینے کا خیال آنے لگا۔ میرے اس جوش و جذبہ کا کچھ اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو میں نے اپنے ایک عزیز و محترم دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کو ۶ رشوال ۶۸ھ (۳ راگست ۱۹۴۹ء) کو اُس وقت لکھا جب

www.abulhasanalinadwi.org

وہ عراق میں تھے، اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

''دین کی تخم ریزی کے لئے اس کشت ویراں میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھئے، حجت تمام کردیجئے، دن رات ایک کردیجئے، دل کو جلائیے اور بدن کو گھلائیے، خون دیدہ اور خون جگر بہائیے، اور اس طرح بہائیے کہ دجلہ وفرات اپنی تنگ ظرفی اور کم مائیگی پر ماتم کریں۔ ایک ایک کا گریبان تھام کر کہئے کہ اے صحرائے عرب کے بھٹکے ہوئے آہو! اے عالم کی آبرو! اے ابراہیم ومحمد (ﷺ) کی آرزو! تو کہاں گم ہے؟ کیا سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) کی دعائے نیم شبی اور آہ سحرگاہی، مثنی بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کے خون شہادت، ابوعبید الثقفی (رضی اللہ عنہ) کی پامالی اور استخواں شکنی، سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) کی علم برداری، علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) کی جگر سوزی، اشک ریزی اور خطابت وتاثیر کی طوفان خیزی، آبروئے شہیداں، جگر گوشۂ رسول (ﷺ) کی تشنگی اور خاندان رسالت کے خون کی ارزانی، ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی دماغ سوزی، احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعزیر جرم عشق، ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) کی حمایت سنت، عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی دردمندی کا حاصل صرف یہ ہے کہ تو ائمۂ ضلالت کا ادنیٰ غاشیہ بردار اور ان کی راہ کا غبار بنے، عراق کے اس مقبرہ میں صور پھونک دیجئے اور شور قیامت برپا کیجئے کہ

گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا'' (۱)

پھر حج کا دوسرا سفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہوا، اس سفر کی خصوصیت یہ

(۱) کاروانِ زندگی حصہ اول، ص ۳۵۱-۳۵۲، طبع اول

www.abulhasanalinadwi.org

تھی کہ اس میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ساتھ تھے۔ حج کے بعد حضرت رائے پوری کی واپسی ہوگئی تھی، اور مولانا دعوتی مقصد سے مزید ٹھہر گئے تھے۔ پھر مولانا نے حجاز کے طبقۂ خواص میں ادباء واہل قلم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات سے، اور ان سے جو اعلیٰ عہدوں پر تھے، ملاقاتیں کیں، جس کے بعد مولانا کی سعودی ریڈیو سے تقریریں بھی نشر ہوئیں۔ اس موقع پر مولانا نے ہدایت و قیادت کی ان کی ذمہ داری کو یاد دلایا، اور "من العالم إلى جزيرة العرب" کے عنوان سے ایک بڑا ہی دلسوز خطاب بھی فرمایا۔

پھر اسی سے متصل مولانا کا مصر اور مشرق وسطیٰ کا سفر ہوا جس میں مولانا نے وہاں کے زعماء اور اسلامی قائدین سے ملاقاتیں کیں، اور ان کو خطاب کیا۔ (۱)

اس کے بعد سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجاز کے سفروں میں جو ۱۹۶۱ء سے سالانہ سطح پر ہونے لگے، اور وہ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی بنیادی کونسل کے رکن اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مشاورتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے اس کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔ اور اس حیثیت سے ان کو موقع ملنے لگا کہ ان سے خطاب کو کہا جاتا، اور ایسے بھی مواقع آئے کہ ان کو صدارت بھی کرنی پڑی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان مواقع سے جہاں بھی گنجائش دیکھتے اپنی ناصحانہ بات کہتے، انہوں نے وہاں کی حاضریوں کے زمانہ میں متعدد تقریریں اور خطوط اس مقصد کے لئے استعمال کیے، جو بعد میں رسالوں کی شکل میں شائع بھی ہوئے، ان میں ایک رسالہ "بين العالم و جزيرة العرب" اسی موضوع پر ریڈیائی تقریروں پر مشتمل ہے۔ دوسرا رسالہ خطوط کا وہ مجموعہ ہے جو وہاں کے شاہی گھرانے کے ذمہ دار حضرات کے نام لکھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دمشق (شام) کے سفر میں جو دعوتی مقصد سے

---

(۲) اس کی تفصیلات مولانا کی کتاب "شرق اوسط کی ڈائری" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا تھا، ممتاز اہل علم حضرات اور سیاسی اثر ونفوذ رکھنے والے لوگوں سے ملاقات کی تھی۔ بیت المقدس الخلیل بھی گئے تھے۔ اور والی اردن وقدس شاہ عبداللہ سے بھی ملاقات کی تھی، اور بڑے حکیمانہ انداز میں انہیں ان کی نازک ذمہ داری اور اس کے تقاضوں کو یاد دلایا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ ان کے اس سفر کے دوران میں ہی شہید کر دیئے گئے تھے۔

شام کے اس سفر کے دوران مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے فلسطین کے مسئلہ پر تقریر کی فرمائش کی گئی، اس وقت تک فلسطین کے ایک بہت چھوٹے سے حصے پر اسرائیل کا قبضہ تھا، لیکن اسرائیل کے بڑھتے ہوئے قدم صاف محسوس کئے جا رہے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور حالات کا مدبرانہ جائزہ لیتے ہوئے مرض کے اسباب پر روشنی ڈالی، اور قوموں کی وسیع النظری اور اخلاص عمل کی کمزوریوں سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی نشاندہی کی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بعد میں "كارثة فلسطين و أسبابها الحقيقية" کے نام سے شائع ہوئی۔

پھر شام کا اگلا سفر اس کے پانچ سال بعد وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ہوا، دعوت سال دو سال کے لئے دی گئی تھی، جس کے لئے مولانا نے معذرت کر کے تین ماہ کے لئے منظور کی۔

دمشق کا یہ سفر متعدد حیثیتوں سے بڑا مفید رہا، محاضرات میں شام کے چوٹی کے علماء وزعماء کی شرکت ہوتی، جن میں سے بعض لوگوں نے بعد میں زمام اقتدار بھی سنبھالی، مثلاً ڈاکٹر معروف الدوالیبی جو ایک مدت تک شام کے وزیر اعظم رہے۔ اسی زمانہ میں الجزائر کے مجاہد وفاضل رہنما علامہ محمد بشیر الابراہیمی دمشق آئے ہوئے تھے، انہوں نے بھی شرکت کی، اور استفادہ کیا۔ محاضرات کے علاوہ دمشق ریڈیو سے دو تقریریں بھی نشر ہوئیں، جن میں سے ایک تقریر "اسمعي يا سوريا!" کے نام سے ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا نے دمشق کے اس قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لبنان اور ترکی کا بھی رخ کیا، لبنان کی ممتاز دینی، علمی شخصیتوں اور دینی تحریکوں کے قائدین سے ملاقات کی، اور مفید مشورے دیئے۔

اسی سال دمشق کا ایک دوسرا سفر مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لئے ہوا، اس میں ڈاکٹر محمد ناصر سابق وزیر اعظم انڈونیشیا بھی آئے ہوئے تھے، اور مختلف ممالک کے مسلمان قائدین جمع تھے۔ مولانا نے اس موقع پر مسئلہ فلسطین کے تعلق سے اپنا فکر انگیز مضمون پڑھا، اور اس مسئلہ کی اہمیت اور اس کے دوررس اثرات سے آگاہ کیا۔

اس کے کئی برسوں کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مراکش کے ایک اجلاس میں جو مسلم یونیورسٹیوں کے وفاق کے تحت مراکش میں منعقد ہو رہا تھا اجلاس کے اختتام پر شاہ مراکش سے ملاقات کا موقع ملا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مہذب اور شائستہ انداز میں، لیکن پُر جوش اور مؤثر خطابت کے اسلوب میں، ملک کی اخلاقی ضرورت اور دینی حالت اور عصری تقاضوں کی رعایت اور اس میں اخلاص عمل کی طرف صاف طریقہ سے توجہ دلائی، موقع بہت نازک تھا، بادشاہ کی ملاقات کے لئے سب شرکاء کانفرنس آئے تھے اور موضوع صرف ملاقات کا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سب کی طرف سے بولنے کا موقع دیا گیا جو عام طور پر صرف تہنیت اور شکریہ کا موقع سمجھا جاتا ہے، اور بادشاہ سے خطاب میں ہوتا ہے جس کا ایک الگ مہذب طریقہ ہوتا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس کی رعایت رکھی، اور اپنی پوری بیباکانہ رائے کا اظہار کیا، اس میں وہ باتیں بھی تھیں جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ملک کے حالات کے تناظر میں بتائی گئی تھیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بہت کامیاب تقریر سمجھی گئی۔

اس کے بعد ایک بہت بڑے عرب عالم نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی کچھ بولیں گے، چنانچہ ان کو موقع دیدیا گیا، وہ اہل زبان ہونے کے باوجود موقع کی نزاکت

www.abulhasanalinadwi.org

اورضرورت کا پورا لحاظ نہ کر سکے، بعد میں ارکان نے جو تقریباً سب عرب علماء اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر تھے، اپنے تبصروں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کامیاب تقریر اوران عرب عالم کی کمزوری کا تذکرہ کیا۔ میں اس موقع سے موجود تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عربی زبان میں وہ عالمانہ اور مبصرانہ ترجمانی تھی کہ مجھے بھی حیرت ہوئی، اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی مدد کا نتیجہ ہے، جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص اور داعیانہ جذبہ کی وجہ سے ان کو حاصل ہوا، اور مجھے اسی طرح کے دوسرے متعدد موقعوں پر بھی یہ بات محسوس ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ اس طرح کی باتیں جو بااقتدار مخاطب کے لئے کچھ تکلیف دہ ہو سکتی ہیں، اور عام حالات میں ردعمل پیدا کر سکتی ہیں، لیکن ہر ایسے موقع پر میں نے دیکھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قدر ان کی نظر میں بڑھ گئی، چنانچہ اس موقع پر شاہ مراکش دروازہ تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو پہونچانے آئے، اور شکوہ کیا کہ آپ کوئی مرتبہ آنے کی دعوت دی گئی، آپ نہ آسکے، آپ آیا کیجئے۔

اسی طرح کا ایک موقع شاہ اردن کے ساتھ پیش آیا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ملاقات کا موقع حاصل ہوا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ناصحانہ باتیں کیں جن میں اصل کمزوریوں کی نشاندہی تھی، شاہ نے سنا اور اظہار قدر بھی کیا۔

کویت کے ایک سفر میں جو ۱۹۶۲ء کے آغاز میں ہوا تھا، "اسمعي يا زهرة الصحراء!" کے عنوان سے کویت ریڈیو پر خطاب کیا، جس میں ان کو یہ توجہ دلائی کہ اس کو اپنی کس شخصیت اور کس نمایاں کیرکٹر کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ اس سفر میں امیر کویت شیخ عبداللہ السالم الصباح کو ایک خط بھی پیش کیا جس میں عربوں کی ترقی، وحدت وقیادت اوران کی مشکلات کے حل کا راستہ بتایا اور دولت کے صحیح استعمال کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ایک تڑپ تھی کہ مسلمان ممالک اپنے دین و

عقیدہ پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کا لحاظ اس طرح کریں کہ ان کو دنیا کی حکومتوں کی برادری میں بلند مقام حاصل ہو، اور وہ دین و دنیا دونوں کو باہم یکجا کریں، اور دعوت حق کا جو پیغام ہے وہ دنیا کو پہنچائیں، اور اپنی قوموں کو صلاح وفلاح کے راستے پر جوان کو قرآن وحدیث سے اور سلف صالح سے میراث میں ملا ہے، چلائیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے لئے اپنے گہرے تاریخی مطالعے، اور دین وشریعت سے گہری واقفیت اور علم وعمل کے صحیح استعمال سے واقفیت کی بناء پر گامزن ہوتے تھے۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا جو اخلاص اور بے غرضی کا طریقہ تھا وہ ان کی باتوں کو مؤثر بنا دیتا تھا۔ وہ ان سربراہوں اور ذمہ داروں سے جن کو نصیحت کرنا اپنا فرض محسوس کرتے تھے قطعاً کوئی مادی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ ہدیہ قبول کرنے سے بھی معذرت کر دیتے تھے، اس کا تجربہ بارہا سامنے آیا۔

سعودی عرب کے شاہ فیصل شہید سے مولانا کی کئی ملاقاتیں ہوئیں، ان کی ولی عہدی کے زمانہ میں بھی اور بعد میں ان کے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی۔ بعض موقعوں پر میں بھی ساتھ تھا۔ مولانا نے ہر موقع پر پورے استغنا کے ساتھ ناصحانہ گفتگو کی، اور ان کو ان اندیشوں اور خطرات کی طرف توجہ دلائی جو مملکت کے لئے نقصان دہ اور حرمین شریفین کے تقدس کو متاثر کرنے والے ہیں۔ انہوں نے مولانا کو اطمینان دلایا کہ یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو مرکز اسلام کے مقام و پیغام کے منافی ہو۔ مولانا نے ان کو خطوط بھی لکھے جس کے انہوں نے اہتمام سے جوابات دیئے۔

پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے ۱۹۸۴ء میں شرق اردن، یمن، حجاز سے واپسی پر کراچی میں ملاقات کا موقع ملا، جو جنرل صاحب نے اپنے مجوزہ پروگرام میں ترمیم کر کے نکالا تھا۔ اس ملاقات میں مولانا نے جنرل صاحب کو قبة الصخرة (مسجد اقصیٰ) کا وہ خوبصورت مرمریں ڈھانچہ پیش کیا جو ان کو عمان میں

پیش کیا گیا تھا، اس میں مولانا کا ان کو یہ اشارہ تھا کہ مسجد اقصیٰ کی بازیافت واستخلاص کی فکر کی طرف بحیثیت مسلم حکمراں وقائد کے ذمہ داری سمجھ کر توجہ کریں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عالم اسلام کے سفروں میں برابر اپنے دعوتی و دینی خیر خواہی کا فریضہ انجام دیا، ۱۹۶۰ء کے آغاز میں برما تشریف لے گئے، وہاں انہوں نے اپنی تقریروں میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رنگون جیسے بڑے شہر میں خاص دنیوی وجاہت اور مالی برتری کے مواقع عطاء فرمائے ہیں، وہ خوشی کی بات ہوسکتی ہے، لیکن اس بات سے تشویش ہوتی ہے کہ اخلاق اور حسن صفات میں اسلامی تعلیمات سے توافق بہت کم نظر آتا ہے، ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکر گذاری میں مسلمانوں کی زندگی میں اسلامی صفات اور زندگی کے بہتر کردار کا عمل بھی نمایاں ہوتا، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے خوش حال قوموں کو مخاطب کر کے ان کے نبیوں کا یہ کلام نقل کیا ہے کہ "إني أراكم بخير، و إني أخاف عليكم عذاب يوم محيط" کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تم کو بڑے اچھے حال میں دیکھتا ہوں، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مصیبت والے دن کی سزا سے سابقہ نہ پڑ جائے۔ (سورہ ہود: ۸۴) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی برما سے واپسی کے چند ہی دن بعد برما میں کمیونسٹ انقلاب آیا اور وہاں کے بڑے بڑے کاروباری مسلمان جو عام طور سے برصغیر سے گئے ہوئے تھے ملک چھوڑ چھوڑ کر یورپ اور برصغیر میں منتقل ہوئے، اور وہ کہتے تھے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں یاد آتی ہیں، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہی باتیں شام کے اس سفر میں بھی کہیں جو وہاں کے فوجی انقلاب سے پہلے ہوا تھا، اور مولانا نے وہاں کی خوش حالی اور وہاں عافیت وراحت کے مظاہر نمایاں شکل میں دیکھے تھے، اور ہر طرف ایک اطمینان اور راحت

www.abulhasanalinadwi.org

پسندی نظر آرہی تھی، مولانا نے وہاں بھی یہی بات کہی تھی کہ مجھے یہ حالات دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے، زندگی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی نعمتیں دیتا ہے تو ان کی شکر گذاری دیکھنا چاہتا ہے، اور عجیب بات ہے کہ مولانا کی وہاں سے واپسی کے ایک ہی سال بعد فوجی انقلاب آیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے انقلابات آتے رہے، اور ملک کے عوام زندگی کے اس خوش حال نقشہ سے محروم ہوگئے اور فوجی انقلاب میں جو باتیں پیش آتی ہیں اس کی رو سے بکثرت صاحب صلاحیت لوگ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے، خوش حالی کے بھی بدحالی میں بدل جانے کے مناظر سامنے آنے لگے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ مختلف ملکوں میں جہاں جاتے وہاں کے حالات سے جو واقفیت ہوتی اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی دردمندانہ باتیں کہتے، بعد میں ان کی دردمندانہ باتوں کی صداقت سامنے آتی رہتی، اللہ نے ان کو ایسی بصیرت کی نظر عطا فرمائی تھی کہ وہ قوموں کے امراض کو سامنے رکھتے ہوئے جو مرض واقعی ہوتا اس کی تشخیص کرتے جو بروقت لوگوں کو پوری طرح سمجھ میں نہ آتی لیکن بعد میں اس کی درستگی ثابت ہوتی۔

عرب ممالک میں جب عربی قومیت کا نعرہ لگایا گیا تو عرب اپنی عربی حمیت کی وجہ سے اس کے دلدادہ بنے، اور عجم کے لوگوں سے یہ کہا کہ عربیت اور اسلام ایک ہی چیز ہے، اس کے معنی اسلامی قومیت کے ہی سمجھنے چاہئیں، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی صراحت سے کہا کہ یہ فتنہ ہے عرب مسلمانوں کو عجم کے مسلمانوں سے جدا کردینے کا، اور دین کے بجائے دنیا کو اپنا مطمح نظر بنانے کا۔ اور یہ غیروں کی سازش ہے، چنانچہ عرب قومیت کے اس تصور کے نتائج تھے کہ عرب عجم سے کٹے، اور پھر عربوں کے اندر وطنی بنیاد پر قومیت کے نعرے پیدا ہوگئے، اور عرب وحدت کا نظام بھی

www.abulhasanalinadwi.org

بکھرا، اور پھر عرب دشمن کے لئے عرب علاقہ ایک کامیاب شکارگاہ بن گیا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو کھلا مضمون اس سلسلہ میں لکھا، وہ " اسمعوها مني صريحة أيها العرب ! " کے نام سے شائع ہوا، (ترجمہ) مجھ سے کھلی کھلی اور صاف بات سن لو اے عربو!، اور دوسرا مضمون " إلى الراية المحمدية أيها العرب ! " کے نام سے شائع ہوا کہ محمدی جھنڈے کی طرف آؤ اے عربو!، عرب قومیت کا نعرہ شام کے ایک یہودی نژاد عیسائی دانشور میشیل عفلق کی طرف سے شروع ہوا تھا، پھر اس کی قیادت کا میدان شام ومصر وعراق کے ملک بنے تھے، اور سارے عرب متاثر ہوئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیغام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ نقل کرتے ہوئے کہتے تھے جو انہوں نے بیت المقدس کی فتح پر اپنے بوسیدہ لباس کو اچھے لباس سے بدلنے کے مشورہ پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت اسلام کے راستے سے دی ہے، اسلام سے پوری وابستگی میں ہی وہ باقی رہے گی، دیگر چیزوں سے اتنا اثر نہیں پڑتا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ عرب اسلام سے ہیں، وہ رسول اسلام حضرت محمد ﷺ سے جتنا وابستہ رہیں گے اتنی ہی ان کی بقا اور حفاظت رہے گی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اسفار جو دعوتی مقصد سے ہوتے تھے یہ اسفار عجمی ملکوں کے بھی ہوئے، وہ پاکستان گئے، بنگلہ دیش اور ملیشیا گئے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے برما گئے، کئی بار ترکی گئے، اور اس کے علاوہ یورپ کے کئی ملکوں میں بھی بار بار گئے، اور امریکہ گئے، سب جگہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں کے بسنے والے مسلمانوں سے یہی خطاب ہوتا تھا کہ تم اپنی اصل نہ بھولو، اللہ نے تم کو جو اپنے دین کی دولت دی ہے اس کو سنبھالو، اسی سے تمہاری قیمت اور عزت ہے، ان ملکوں میں مسلم جماعتوں اور تحریکوں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کرنے کا اگر موقع ملتا تھا تو ان کو جماعتی کمزوریوں کی

www.abulhasanalinadwi.org

طرف بھی متوجہ کرتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام ہوتا تھا کہ تم اپنی اسلامی ثقافت سے دور نہ ہو، اور مقامی باشندوں کی اخلاقی اور دینی کمزوریوں سے متاثر نہ ہو، اپنی نئی نسل کی تعلیم وتربیت کی ایسی فکر کرو کہ ان کی اسلامی وابستگی میں فرق نہ پڑے، اور یہاں کی زبان کو اس کے اعلیٰ معیار پر اور اس طرح سیکھو کہ تم لوگوں کو متاثر کرسکو اور دعوتی کام میں مؤثر ڈھنگ سے استعمال کرسکو، تم کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام کا صحیح تعارف حاصل ہو، اور جہاں رہتے ہو وہاں کے تقاضوں پر تمہاری مبصرانہ نظر ہو کہ جو عیب ہیں ان کو عیب سمجھو، اور جو کوئی خوبی نظر آئے اس کو " الحكمة ضالة المؤمن من حيث وجدها فهو أحق بها " کا مصداق سمجھو، یعنی حکمت مسلمانوں کے گمشدہ مال کی طرح ہے وہ جہاں ملے اس کو لینے کا مسلمان کو ہی زیادہ حق ہے۔(۱)

دراصل مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ملکوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی کمیوں کو محسوس کیا، اور ان کا جو اعلیٰ کردار ہونا چاہیے اس کو بڑی دلسوزی اور بلاغت کے ساتھ مستقل خطابات اور مفصل خطوط کی صورت میں بھی تحریر کرکے ان ملکوں کے دانشوروں کو بھیجا، ان میں سب سے پہلا خطاب مصر کے لئے: اسمعي يا مصر ! ، اور پھر شام کے لئے: اسمعي يا سورية ! حجاز مقدس کے لئے: من العالم إلى جزيرة العرب ، کویت کے لئے: اسمعي يا زهرة الصحراء ! ، ایران کے لئے: اسمعي يا إيران ! وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان خطابات میں جو بعد میں مستقل

---

(۱) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں ان کی تصنیفات ورسائل میں عام طور سے آگئی ہیں، وہاں دیکھی جاسکتی ہیں، اور خاص طور پر ان کے سفرناموں میں جو انہوں نے دنیا کے کئی ملکوں کے اپنے حالات سفر کے تذکروں پر مشتمل قلم بند کئے ہیں، مثلاً "دریائے کابل سے دریائے موک تک"، جس میں افغانستان، ایران، لبنان، شام، اردن، عراق اور کویت کے دینی وثقافتی دوروں کی روداد ہے، اور "مشرق اوسط کی ڈائری" جو کئی عرب ملکوں کے حالات سفر پر مشتمل ہے، جس میں مصر، سوڈان اور شام کے دوروں کے تفصیلی حالات پڑھتے ہیں۔ اور "دو ہفتے ترکی میں" اور "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" کے نام سے علیحدہ علیحدہ چھوٹی اور بڑی کتابیں ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

رسائل کی صورت میں بھی شائع ہوئے، اور پاکستان میں کی گئی تقریروں کے مجموعے میں جو کراچی سے "حدیث پاکستان" کے نام سے شائع ہوا زور خطابت بھی ہے اور حالات اور ملک وملت کے تقاضوں کی صراحت اور حالات کے جائزہ میں توازن و جامعیت بھی ہے، اوران رسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اندر مسلمان ملکوں اور قوموں کے لئے ان کی دینی وعلمی ترقی اور مذہبی اقدار کی پابندی کے تناظر میں کس قدر دردمندی اور دعوتی تڑپ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر امت مسلمہ کی خیر خواہی اور مذہبی اقدار کی پابندی کی طلب میں کیسی دردمندی اور جذبہ رکھا تھا، اور یہ کہ انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق کس اعلیٰ سطح پر اس کو انجام دیا۔

نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح

تعلیم کے سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کی تشکیل ایک خاص ماحول میں ہوئی، وہ ماحول ایک تو خاندانی تھا جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد قریب ترین اعزہ جدید تعلیم سے وابستہ تھے، بعض گذشتہ صدی کے آغاز میں امریکہ تک تعلیم حاصل کرنے گئے، بعض انگلستان اور بعض جرمنی بھی گئے، اس طرح یورپ وامریکہ میں تعلیم کا جو جدید نقطۂ نظر تھا وہ اعزہ کے توسط سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے افراد کے علم میں آیا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ چونکہ خالص دینی نقطۂ نظر رکھنے والی والدہ کے بیٹے تھے، والد ماجد مولانا عبدالحیؒ کا انتقال اگرچہ مولانا کے بچپنے میں ہی ہوگیا تھا لیکن ان کے بیٹے ہونے کے تعلق سے مولانا کو ان کی طرف سے دینی وعلمی رجحان ورثہ میں ملا تھا، اس لئے مولانا نے جدید تعلیم کے ماحول کو قریب سے دیکھا، لیکن ایک صاحب روحانیت اور وسیع وپختہ علم رکھنے والے عالم دین کے بیٹے ہونے کے تعلق سے اور دینی تربیت پانے کی بنا پر تعلیم کے دینی راستہ سے نہیں ہٹے، اور واقفیت کی حد تک جدید نظریات تعلیم مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اجنبی نہیں تھے مزید یہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے آغاز تعلیم ہی سے ندوۃ العلماء کا ماحول ملا تھا جو تعلیم کے نئے اور جامع منصوبہ کے تحت تشکیل پایا تھا، اس کو مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیریؒ کی سربراہی میں مولانا شبلی نعمانیؒ کے مشورہ وتعاون

www.abulhasanalinadwi.org

اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا عبدالحی صاحبؒ، اور حیدر آباد کے امور مذہبی کے سربراہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ کے تعاون اور مشورہ سے رائج الوقت دینی طریقۂ تعلیم میں جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور تعلیم کے جدید تجربات کی روشنی میں اضافہ وتغیر کی ضرورت سمجھتے ہوئے تشکیل دیا گیا تھا، اور اسی کی بنیاد پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی درس گاہ قائم ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے آغاز کا یہی زمانہ تھا، جس سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم کے جامع اسلامی نقطۂ نظر کو سمجھا، اور اس سے فائدہ اٹھایا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے موضوع سے خصوصی اور عملی تعلق رکھتے تھے، اسی کے ساتھ علوم دینیہ اور ادب سے بھی ان کا خصوصی ربط تھا، تاریخ کے دائرہ میں ان کی متعدد اہم تصنیفات بھی منصۂ شہود پر آئیں، شاید اسی کا اثر تھا کہ مولاناؒ کے ذہن میں تاریخ کی خاص اہمیت پیدا ہوئی، اور اس کے نتیجہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاریخ کا اچھا مطالعہ کیا، اسی کے ساتھ والد صاحب اور خاندان کے اعزہ کی ادب وشاعری سے دلچسپی دیکھی اور اس سے بھی بہت کچھ اخذ کیا۔

دینی ذہن ورجحان اپنے ننھیال اور ددھیال، دونوں طرف سے حاصل ہونے والی رہنمائی اور سرپرستی سے پیدا ہوا، خاندان میں جو مولاناؒ کے براہ راست سرپرست اور بڑے تھے، ان کا مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما سے احترام وقدر اور استفادہ کا ربط وتعلق بھی تھا۔(۱)

---

(۱) مولانا کے ایک چچا اور راقم سطور کے دادا جناب سید خلیل الدین صاحب حسنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت بھی تھے، اور مولانا کے والد حکیم مولانا سید عبدالحی حسنی صاحب کا مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت کا تعلق تھا، اور استفادہ کا تعلق مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس طرح ایک طرف تو مولاناؒ کو اس نظام تعلیم سے واقفیت حاصل ہوئی جس کا آغاز ۱۸۶۲ء میں دیوبند کے قریہ سے ہوا۔ پھر ندوۃ العلماء کی تحریک سے مولاناؒ کے والد اور برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی کے براہ راست تعلق ہونے کی وجہ سے دینی تعلیم کے لئے عصری تقاضوں کے لحاظ کی ضرورت سے بھی واقفیت حاصل ہوئی، انہی اسباب کے نتیجہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو دینی تعلیم کے دو مرجع قرآن وحدیث سے بنیادی وابستگی رکھتے تھے، اور دونوں کو وقت کے جید علماء سے حاصل کیا تھا۔ اور دوسری طرف تاریخ وجدید تقاضوں کے مطابق فکر اسلامی اور تاریخ وزبان و ادب سے بھی پوری شناسائی رکھتے تھے۔ اس پہلو کو دعوت وتربیت اسلامی کا کارگر ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور ان تینوں سمتوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اختصاص وامتیاز حاصل کیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخ کے مطالعہ سے اسلامی طریقہ ہائے تعلیم اور دنیاوی ودینی علوم کی اہمیت کا ربط زمانہ اور حالات کی ضرورتوں اور تقاضوں سے مولانا کے ذہن وفکر میں آیا، مولانا نے اس نقطۂ نظر کو محسوس کیا کہ مغربی قوموں نے تجربی علم کے راستہ سے خصوصی ترقی کی، لہٰذا یہ دیکھنے کی بات ہے کہ اس کے کون سے پہلو ایسے ہیں کہ مسلمانوں کی ضرورت اور مفاد کے لحاظ سے جب کہ وہ اس وقت غلبہ وسطوت کے لحاظ سے انتہائی زوال کی حالت میں پہنچ چکے ہیں، قابل استفادہ ہیں، اور وہ کس حد تک امت اسلامیہ کے اپنے زوال سے نکل کر قوت وعزت کے درجہ تک پہنچنے میں معاون بن سکتے ہیں، اور مذہبی تعلیم کے رائج نصاب درس میں ان کے حالات کے لحاظ سے کیا تحسین کی جاسکتی ہے، یہ وہی احساس تھا جو مولانا کے پیش رووں نے ندوۃ العلماء کی تحریک کے ذریعہ عملی طور پر پیش کیا تھا، جس سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو قریبی واقفیت حاصل ہوئی، پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب زندگی کے علمی وعملی مرحلہ کو پہنچے تو انہوں نے اپنی حاصل شدہ ذہنی تربیت اور اسلامی تاریخ کے علمی عروج وزوال

کے مطالعہ سے مسلمانوں کی تعلیم کی جدید تشکیل کی ضرورت کو خصوصی اہمیت دی، اور بعض علوم کی ترتیب جدید اور بعض میں رائج الوقت مقدار کی کمی بیشی کی طرف دعوت دی، جو ان کے مضامین میں ظاہر ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ علوم دینیہ میں پختگی اور اختصاص پیدا کرنے کے سلسلہ میں حدیث وقرآن کے علوم کو حاصل کرنے کے دائرہ میں ان سے براہ راست استفادہ کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، اور یہ کہ اصلاح و دعوت کے کام کے لئے جو کہ امت اسلامیہ کا اولین فریضہ ہے، اور علماء دین پر اس کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کے لئے زبان وادب سے اچھی واقفیت حاصل کرنا چاہئے، اور اس کے لئے تاریخ اسلام اور تاریخ اعداء اسلام سے بھی بقدر ضرورت واقفیت حاصل کرنی چاہئے۔ زبان کے سلسلہ میں عربی زبان سے اچھی گہری اور عملی واقفیت اور اسی کے ساتھ رائج الوقت بین الاقوامی زبان سے بھی ضروری حد تک واقفیت علمی ودینی کاموں کے لئے ایک ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ وہ وقت کے تقاضوں اور ان کے لحاظ سے زندگی کی ضرورتوں سے تعلق رکھنے والے مضامین سے واقفیت کا اہتمام مناسب سمجھتے تھے۔ یہ اہتمام ہمارے مدارس دینیہ میں رائج نصاب کے ان مضامین کی مقدار کچھ کم کر کے کیا جا سکتا ہے جو اسلامی تاریخ کے ایک خاص دور میں بطور ضمنی مضامین کے وسیع طریقہ سے اختیار کئے گئے تھے، لیکن اب جدید عہد میں ان کی ضرورت سابق جیسی نہیں رہ گئی ہے، بہت کم ہو گئی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عصری تعلیم رکھنے والے اعزہ کے ذریعہ نیز خود اپنے براہ راست مطالعہ سے یورپ کی برتری کے اسباب سے اچھی واقفیت ہو گئی تھی، اس کی بنا پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ مغربی قوموں کی دنیاوی برتری کو ذہنی برتری کا نتیجہ تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کی برتری کو ان کے مخصوص علمی وعملی اسباب کا نتیجہ سمجھتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اسلام کے عطا کردہ ذہن اور نبوت محمدی کے عطا کردہ

www.abulhasanalinadwi.org

طریقۂ عمل کی برتری کا پورا یقین تھا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ اگر ہم اس طریقۂ عمل کو اختیار کرلیں اور مغربی قوموں کے تجرباتی ذریعہ سے حاصل کردہ علمی وعملی تدابیر سے بھی کام لیں جن سے مغربی قوموں نے فائدہ اٹھا کر برتری حاصل کی ہے تو ہم مغربی قوموں سے بہتر مقام وحیثیت حاصل کرسکتے ہیں، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ امت مسلمہ کو قوت وعزت کے مقام پر واپس لانے کے لئے مغربی قوموں کے بڑھتے ہوئے ذہنی وفکری غلبہ کو دور کرنے کی ضرورت ہے، جب تک ان کا غلبہ دور نہیں کیا جاسکے گا امت مسلمہ کو عزت کا مقام واپس نہیں مل سکتا، اس کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معذرتی لہجہ اور محض دفاعی طریقۂ کار مفید نہیں ہے، مسلمان خیر امت ہیں، اور ان کا وہ نظام علم وعمل جو ان کے رسول خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات سے حاصل ہوا ہے سب سے بہتر اور ہر زمانہ میں کارآمد ہے، اس کو صحیح طور پر اختیار کرنے میں ہماری کامیابی اور بلندی ہے۔ ہماری موجودہ پسماندگی اور بے بضاعتی کا اصل سبب ہماری کوتاہ بینی اور ہماری سستی اور بے توجہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس نقطۂ نظر کا اظہار ہندوستان سے زیادہ عرب ممالک میں کیا، اور ہندوستان میں چونکہ ندوۃ العلماء کی تحریک سے وہ وابستہ تھے اس لئے ندوۃ العلماء کے توسط سے اور ندوۃ العلماء کے میدان کار میں انہوں نے اس بات کو پیش کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں تعلیم کے دونوں پہلو تھے، عصری تعلیم کے تعلق سے یہ دیکھنا کہ دینی وعملی زندگی کے لحاظ سے وقت کے تقاضے کیا ہیں؟ ان تقاضوں کے مطابق زندگی کے جو انفرادی اور اجتماعی ہیں ان سے متعلقہ مضامین میں ضرورت کے مطابق صلاحیت پیدا کرنا، اور دینی تعلیم کے دائرہ میں اسلام کی فطری اور دینی برتری کو دیگر افکار کے مقابلہ میں بہتر وبرتر محسوس کرنا، اور اس کی اس برتری پر اعتماد پیدا کرنا، اور امت کے خیر امت ہونے کی بنیاد پر دعوت کے کام کی صحیح صلاحیت

پیدا کرنا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا نصاب ایسا بنانا چاہئے جو مذکورہ بالا صلاحیتوں کو پیدا کرسکے، عصری تعلیم کی درسگاہوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ وہاں سماجی اور انسانی علوم کا نصاب مغربی فکر کے حاملین کا تیار کردہ ہے، جن کا عقیدہ خالص مادی اور ملحدانہ نقطۂ نظر کا ہے، یہ امت مسلمہ کی ضرورت اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے، ان علوم کے مسلمان ماہرین کو ان کے مقصد ومزاج کو اسلامی فکر کی بنیاد پر تشکیل جدید کرنا چاہئے، جو کہ افسوس ہے کہ اب تک نہیں کیا جاسکا۔ یہ علوم زندگی کی ضرورت کے علوم ہیں، لیکن ان کو امت مسلمہ کے حالات ومزاج کے مطابق ہونا چاہئے، نوجوان نسل کے ذہنوں کے صحیح اسلامی راہ سے ہٹنے میں ان علوم کو نہیں بلکہ ان علوم کو مغربی اور ملحدانہ ذہن سے مرتب کرنے کے انداز بیان اور تشریح کو دخل ہے، لہذا ان علوم کے لٹریچر کے مقصد ومزاج میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔ سماجی اور انسانی علوم کے علاوہ زبان وادب بھی انسانی فکر ورجحان پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں، اور امت مسلمہ کے ذہنوں کے انحراف میں ان کا بھی بہت دخل ہے، اس لئے ان لوگوں کو ان میں اختصاص پیدا کرنا چاہئے جو امت مسلمہ کے فکرو مزاج کے صحیح حامل ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ ہماری عصری درسگاہوں کے ذمہ داروں نے اس کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی، فلسفہ ہو یا نفسیات، جغرافیہ ہو یا تاریخ، وہ سب عموماً اسلام سے مغایرت رکھنے والے فضلاء کا تیار کردہ سرمایۂ علمی ہے اور یہ بڑی بے خیالی کی بات ہے کہ بجنسہ اسی پر اکتفا کیا جارہا ہے، مغربی قوموں کے مفکرین کی ترجمانی کو نا کافی سمجھتے ہوئے ضرورت ہے کہ ان علوم کا فلسفۂ وفکر اسلامی فکر ومزاج میں ڈھالا جائے جو ایمان ویقین کی صحیح قدروں پر مشتمل ہو، ایمان باللہ اور فکر اسلامی کے مخالف سانچے میں ڈھالے گئے علوم کو اسی مزاج ونقطۂ نظر کے مطابق ہمیشہ اختیار کرلینا نقصان کی بات ہے، اور کم سے کم یہ نقصان ہوتا ہے کہ اسلام واسلافِ

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام کے تعلق سے احساس کمتری پیدا ہو جاتی ہے۔

دینی علوم کی تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ ان علوم کو اپنے اپنے مطالعہ کی روشنی میں پیش کرنے والوں کی ترجمانی پر ہی انحصار نہ کر لینا چاہئے، بلکہ براہ راست ان کو ان کے اصل مآخذ سے بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، خاص طور پر قرآن مجید کے مطالب کو سمجھنے کے لئے صرف مفسرین کی تفسیروں تک محدود نہ ہو جانا چاہئے، مفسرین کی آراء اور تفسیرات سے فائدہ اٹھانا ضروری اور صحیح ہے، لیکن قرآن مجید سے اس طرح بھی فائدہ اٹھانا چاہئے جو عربوں نے باوجود امی ہونے کے اٹھایا تھا، البتہ نزول قرآن کے وقت کا ماحول اور نزول قرآن کے مواقع کا جاننا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں صرف علمی کمال رکھنے والوں کو ہی مخاطب نہیں کیا ہے، بلکہ سادہ اور صرف فطری علم و سمجھ رکھنے والوں کو بھی مخاطب کیا ہے، اور کلام اللہ کی تاثیر بھی براہ راست شکل میں زیادہ عمل پذیر ثابت ہوئی ہے، لیکن اس کے لئے عربی کے زبان و بیان کی ان خصوصیات سے واقف ہونا لازمی ہے جو خصوصیات عربی زبان و بیان میں اس کے عہد اول میں پائی جاتی تھیں، اور علماء نے قرآن فہمی کے لئے جو اصول بتائے ہیں ان سے بہرہ ور ہونا بھی ضروری ہے، یوں بھی عربی زبان و بیان میں اچھی اور عملی صلاحیت پیدا کرنا دعوت و موعظت کے کام کے لئے تو بہت ضروری ہے، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ ہماری دینی درسگاہوں کے طلبہ کو یہ صلاحیت خاص طور پر اور اپنے عہد کے مطابق پیدا کرنا چاہئے۔ عربی زبان و ادب کی اچھی صلاحیت کی ضرورت حدیث و قرآن کو بہتر سمجھنے کے لئے بھی ہے، اور دین و علم کے مطالب کے سمجھانے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، اور فکر اسلامی کی دعوت میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہماری دینی درسگاہوں میں عربی زبان و ادب کے ان مضامین کو نصاب میں مناسب معیار سے شامل کرنا بہت

www.abulhasanalinadwi.org

ضروری ہے، اجتماعی زندگی میں سماجی اور انسانی علوم اور موجودہ دنیا کی مختلف قوموں اور عناصر کے امتزاج اور اختلاط کی صورت میں ان سے واسطہ پڑتا ہے، اس طرح ہمارا علوم دینیہ کا حامل اپنے ہمعصر تعلیم یافتہ لوگوں میں جاہل نہ سمجھا جاسکے گا، اور اس کو اس طرح احساس کمتری سے سابقہ نہ پڑے گا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اپنی مادری زبان اور عربی زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں سے بھی جن کا ملک میں چلن ہو واقفیت حاصل کرنا چاہئے، بلکہ ان میں قابلیت پیدا کرنا چاہئے تاکہ دعوت وارشاد کے کام میں مدد ملے، اور ضرورت کے موقع پر دشواری نہ ہو، دینی مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے طلبہ کو وقت کے فتنوں سے اور باطل کی پُراثر تحریکات سے بھی واقف کرانا چاہئے تاکہ ان کے ضرر سے ہمارا دینی علوم کا فاضل محفوظ رہے، اور دوسروں کو بھی بچاسکے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان باتوں پر خود بھی عمل کیا، اور اپنے زیراثر درسگاہوں میں اس کو نافذ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی صلاحیتوں میں قرآن مجید اور حدیث شریف کے علوم کی ماہرانہ واقفیت تھی، اور وہ اپنے علمی ودعوتی کاموں میں ان سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے مدد لیتے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخ کے فن سے اس کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے اچھی واقفیت تھی، اور اس کا وسیع مطالعہ تھا، اسی کے ساتھ زبان وبیان میں اچھی صلاحیت پیدا کرلی تھی۔ عربی اگرچہ ان کی مادری زبان نہیں تھی لیکن زبان وادب کے ماہر اساتذہ کی مدد سے اس میں صلاحیت مادری زبان کی طرح حاصل کرلی تھی، اور اسلوب بیان میں بعض موقعوں پر عرب فضلاء سے بھی فائق نظر آتے تھے، انگریزی سے بھی حسب ضرورت واقفیت حاصل کی تھی، اور اس سے کام لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دینی درسگاہوں میں اس کی تعلیم کو اس کی رائج الوقت اہمیت کی وجہ سے ضروری سمجھتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دراصل مولانا کی یہ امتیازی خصوصیات اس لئے تھیں کہ انہوں نے بہت مناسب اور حسب ضرورت منہج کے مطابق تعلیم حاصل کی تھی، اس طریقہ سے ان میں جو خصوصیات پیدا ہوئیں ان میں زبان وادب کا اعلیٰ ذوق، پھر دینی، علمی اور دعوتی کاموں میں اس کا صحیح استعمال ان کا امتیاز بنا، اس کے علاوہ حدیث شریف اور قرآن مجید کے علوم کی تحصیل بھی چونکہ ان علوم میں اپنے وقت کے ماہرین سے کی تھی، اسکے علاوہ تاریخ عالم اور تاریخ اسلامی کا اچھا مطالعہ کیا تھا، لہٰذا ندوۃ العلماء میں مولانا کا بحیثیت استاد کے جب تقرر ہوا تو علوم قرآن اور ادب عربی کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا، اور ان دو موضوعات میں خاص طور پر مولانا نے دس سال تک باضابطہ درس دیا۔ اپنے اس درس وتدریس کے ساتھ مولانا دعوتی کاموں کے لئے بھی وقت صرف کرتے تھے، مولانا کے خطابات میں قرآن مجید سے ان کے استفادہ کی جھلک پوری طرح ظاہر ہوتی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ اپنی بات کو دلنشیں انداز میں کہنے کی مہارت بھی ظاہر ہوتی تھی۔

مولانا نے اپنی دعوتی اور اصلاحی کوششوں کو صرف تقریر وخطابت تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کے دائرہ میں بھی مولانا کا کام ممتاز رہا، اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا، اور بالآخر مولانا نے تدریسی مشغلہ کو ملازمت کے دائرہ سے ہٹا کر اپنے وقت کی سہولت وگنجائش کے ساتھ وابستہ کرلیا، تاکہ دعوت واصلاح کا کام خطابت وتصنیف کے ذریعہ سے زیادہ کرسکیں۔ مولانا کا دعوت واصلاح کا کام صرف دلنشیں انداز میں کرنے تک محدود نہیں تھا، بلکہ ٹھوس علمی بنیاد کے ساتھ ذہن سازی کی صفت رکھتا تھا، چنانچہ بالتدریج متعدد اہم ترین اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں فکر وبیان پر مولانا کی مہارت وصلاحیت کے نتیجہ میں منظر عام پر آئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کو عرب یونیورسٹیوں میں اور تعلیمی اداروں میں جب جب بات کرنے اور مشورہ دینے کا موقع ملا ان کو بھی اس کی تلقین کی، اور مولانا کو وہاں کے ماہرین تعلیم نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، اوران کو سنا اور پسند کیا۔ اس طریقۂ کار میں علوم کی کتابوں کو تدریجی انداز میں اختیار کرنے کی بات کہی گئی، اور اس کی طرف مشہور عرب دانشور اور ماہر علم اجتماع علامہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمۂ تاریخ میں توجہ دلائی ہے۔ اور علوم کو آپس میں خلط ملط کرکے پڑھانے کے بجائے ہر علم کو اس کے دائرہ میں رکھتے ہوئے پڑھانے کی طرف توجہ دلائی گئی، اور خود مولانا کی تعلیم تقریباً اسی طریقہ سے ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ زبان اور اس کی فصیح ادائیگی کی صلاحیت پیدا کرنے کی طرف مولانا نے توجہ دلائی، کیونکہ نہ صرف دعوتی مقصد کے لئے بلکہ ہر طرح کے علم کی ترجمانی کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی تعلیم میں قرآن مجید کو اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے حاصل کرنے کی اہمیت کو بڑھایا، اس لئے کہ تمام اسلامی علوم کے لئے یہی مرکزی نقطہ ہے، اس طریقۂ کار کو اختیار کرنے پر قرآن مجید کے مضمون و معنی کو زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور یہ بات علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہاں نمایاں انداز میں ملتی ہے، جو ان کی کتابوں میں اور آیات قرآنی کے اقتباس کے موقعوں پر ان کی تشریح وتفسیر و بیان سے معلوم ہوتی ہے۔

مولانا نے قرآن مجید کے درس کو صرف اپنے تعلیمی مشغلہ کے دائرہ کے اندر ہی نہیں رکھا، بلکہ اس کو اپنے دعوتی کاموں اور فکری رہنمائی کے موقعوں پر بھی اختیار کیا، چنانچہ مولانا کی تقریروں اور تصنیفات میں قرآن مجید کی آیات سے استشہاد میں یہ بات نظر آتی ہے۔ اور اس کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ مولانا نے شروع ہی سے

www.abulhasanalinadwi.org

جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن مجید کے مضامین پر درس کا اہتمام رکھا، شروع شروع میں اپنے محلّہ کی مسجد میں ہر ہفتہ درس دیتے، جس میں جدید تعلیم یافتہ لوگ خاص طور پر شریک ہوتے۔ مولانا اپنے اس درس میں زندگی کے حقائق اور اس میں پیش آنے والے حالات کے لئے قرآن مجید کی آیات سے جو رہنمائی ملتی ہے اس کو واضح کرتے تاکہ کلام الٰہی سے جو رہنمائی زندگی کے مسائل میں مل سکتی ہے وہ سامنے آئے۔ اور اسی کے ساتھ مولاناؒ نے اپنے ایک رفیق علمی مولانا عبد السلام صاحب قدوائی کی شرکت سے ادارۂ تعلیمات اسلام، امین آباد لکھنؤ میں قائم کیا، جہاں قرآن مجید کی عربی کی تعلیم ہوتی، اور اس تعلیم کے ذریعہ پورے قرآن مجید کا ترجمہ ایک مدت میں پورا کرایا جاتا تھا، اس سے عربی بھی آجاتی، اور قرآن مجید کے مضامین سے ربط پیدا ہوجاتا تھا۔ اس ادارہ میں تعلیمی کام کے علاوہ اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے فائدہ کے لئے ہفتہ میں ایک روز درس قرآن ہوتا جو مولانا خود دیتے۔ اور حدیث کا ایک درس ہوتا جو مولانا عبد السلام صاحب قدوائی دیتے تھے۔

عربی زبان وادب سے مولانا کا جو تعلق تھا، اور عرب اساتذہ سے اور عرب دنیا میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے تیار کردہ چھوٹی چھوٹی جو ریڈریں تھیں نیز عربی ادب کی دیگر مستند کتابوں کو اچھی طرح پڑھنے اور سمجھنے کا ان کو جو موقع ملا تھا، پھر قدیم عرب ماہرین تعلیم مثلاً ابن خلدون کی آراء سے واقفیت حاصل کی تھی، اس کی بنا پر مولانا عربی کی تعلیم اسی مفید طریقہ سے دیتے تھے، جو جدید وقدیم دونوں طریقوں کا جامع تھا۔ مولانا اس کو پسند کرتے تھے، اور جن کی سرپرستی ان کے ذمہ تھی ان کے لئے بھی اسی نظام کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس نظام میں عربی زبان کی تعلیم شروع ہونے پر خود عربی زبان اور اس کے ادب کی تعلیم کو کہ جس کا گہرا تعلق قرآن وحدیث سے ہے، اسی کے لائق اور اس کے بنیادی معیار کے مطابق اہمیت دیتے، اور اس کو

ایک خاص سطح تک مقدم رکھتے، پھر تفسیر وحدیث اور فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کو طلباء کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے معیاری مقام کی رعایت رکھتے ہوئے نصاب میں جگہ دیتے۔

تفسیر کی تعلیم میں مطلب کے تعین کے سلسلہ میں غلط راہ پر پڑ جانے سے بچانے کے لئے کتب تفسیر کو مرجع کے طور پر اختیار کراتے، لیکن ترجمۂ قرآن کو اصل کے طور پر اختیار کرتے، ان کے نزدیک علوم کی اہمیت وافادیت اسی ترتیب میں ہے، لیکن یہ نظام فضیلت کے مرحلہ سے پہلے مرحلہ کے لئے تھا، فضیلت کے مرحلہ میں اختصاص کے انتخاب کے لحاظ سے ان علوم کو پڑھانے کے قائل تھے، یہ نظام ندوہ کے اختیار کردہ نظام کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ مولانا نے اپنے بعض زیر نگرانی طلبہ کے لئے اختیاری سطح سے اس کو تجویز کیا کہ وہ درجہ میں باقاعدہ داخلہ کے بغیر مولانا کی ترتیب کے لحاظ سے درس میں بیٹھیں، اور اس طریقہ سے تعلیم حاصل کریں، اس کا سب سے زیادہ انطباق مولانا کے بھتیجے مولانا محمد الحسنی مرحوم پر کیا گیا جن کے والد بزرگوار خال معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب جو مولانا کے بھی سرپرست تھے، اس نظام کو صحیح سمجھتے تھے، اور مولانا کا ذہن اس سلسلہ میں ان ہی کی رائے کے مطابق بنا تھا۔

مولانا کا عمل اس طریقہ تعلیم کے اجرا میں عربی زبان وادب کی تعلیم کے دائرہ میں طالب علم پر زیادہ بوجھ ڈالنے کا تھا، وہ طالب علم کو صرف اسی حد تک بتانے کے قائل تھے جس حد تک طالب علم کے لئے خود سمجھ لینا کسی طرح ممکن نہیں رہ جاتا، وہ طالب علم ہی سے عبارت پڑھواتے، اور اسی سے ترجمہ کرواتے، اور اس کو اس بات کا پابند کرتے کہ وہ پڑھنے سے پہلے لغت کی مدد سے اور اپنی سابقہ معلومات کے لحاظ سے خود مطلب نکالے، اس سلسلہ میں اس کی کوتاہ فہمی یا بے توجہی سے ہونے والی غلطی کو

www.abulhasanalinadwi.org

برداشت نہیں کرتے تھے، اور اس کو سخت تنبیہ کرتے تھے، عبارت کو بھی صحیح پڑھنے کی عادت ڈلواتے، مذکورہ باتوں میں طالب علم کی کوتاہی پر سخت تنبیہی الفاظ استعمال کرتے چنانچہ طالب علم ذاتی محنت پر مجبور ہو جاتا، اور اس طرح اس کے اندر عبارت کو صحیح پڑھنے کی اور عبارت سے مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی۔

حدیث کی تعلیم میں فقہی ابواب کے مسائل کی تشریح میں تفصیل کو صرف اتنا ہی اختیار کرنے کو پسند کرتے جتنا حدیث کے موضوع کے تعلق سے ضروری ہوتا، اور دیگر ابواب میں جو آداب واخلاق و معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی اہمیت و ضرورت کا حق ادا کرتے ہوئے تشریح اور وضاحت کو پسند کرتے، بلکہ بعض وقت اس کو کچھ مزید توجہ دیتے کہ ان کا تعلق زندگی کو صالح بنانے سے ہے۔

تفسیر کی تعلیم میں استاد کے لئے کتب تفسیر سے خود استفادہ کر کے متن قرآن پڑھانے کے قائل تھے، لیکن اسی کے ساتھ طالب علم کو کتب تفاسیر سے رجوع بھی کرتے رہنے کا مشورہ دیتے، جیسا کہ گزشتہ سطروں میں گذر چکا ہے۔ آیات قرآنیہ کی تفسیر اس طور پر کرنا پسند کرتے کہ ایک مومن کی زندگی کو سنوارنے اور کلام الٰہی کے اعجازی اسلوب اور حسن بیان سے بہرہ ور ہونے میں مدد ملے۔

نصاب تعلیم جو ندوۃ العلماء میں یا کسی مدرسہ میں جاری کیا جا رہا ہوتا، اور اس کی تشکیل کا کام مولانا کو کرنا ہوتا تو اس میں قابل عمل حد تک مولانا اپنے اسی تخیل پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، مولانا کا خیال یہ تھا کہ نصاب تعلیم جو بھی مرتب کیا جائے اس میں اپنے عہد اور حالات کے تقاضوں کو ضرور ملحوظ رکھا جائے، اس کے لئے رائج الوقت اور غلبہ رکھنے کی صلاحیت والی زبانوں کو بھی ان کا حق دیا جائے، اور علمی دائرہ میں رائج الوقت مضامین کو بھی شامل نصاب رکھا جائے، خاص طور پر جن کی ضرورت پڑ سکتی ہے، چنانچہ علوم اجتماعیہ اور علوم انسانیہ، تاریخ وجغرافیہ، ریاضی اور تمدنی

www.abulhasanalinadwi.org

معلومات اپنے اپنے دائرہ میں جو خصوصیت رکھتے ہیں ان کا نصاب تعلیم میں بقدر ضرورت حصہ رکھنا مولانا کی نظر میں نصاب کے جامع اور ضرورت کے مطابق ہونے کے لئے ضروری تھا۔

• دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے لئے مولانا کی نظر میں سب سے بڑا مقصد داعیانہ اور تربیتی عمل کے لئے ضروری صلاحیت پیدا کرنا اور معلومات بہم پہونچانا، نیز ملت کی صحیح اسلامی رہنمائی اور اسلامی فکر کی صحیح ترجمانی کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا، طلبہ میں ان اخلاق اور آداب کو جزو زندگی بنانے کی تدابیر اختیار کرنا جو ایک صالح مسلمان اور مخلص داعی کے ہونے چاہئیں، اس لئے مولانا کی نظر میں تعلیمی نظام میں صرف مضامین کا پڑھا دینا اور ان کی صلاحیت پیدا کر دینا کافی نہیں تھا، بلکہ اس نظام میں ان تدابیر کا انتظام کرنا ضروری تھا جن سے طلبہ کے اخلاق وعادات کی صحیح اسلامی تشکیل ہوتی ہو، اور اسی کے ساتھ ساتھ جن علوم کی وہ تحصیل کر رہے ہیں ان کی تحصیل نظری کے ساتھ ساتھ عملی اور تجرباتی بھی ہو، اور ان کو اپنی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی مشق کا موقع بھی ہو۔ چنانچہ مولاناؒ نے اس کو عملی طور پر بروئے کار لانے کے سلسلہ میں اپنے زمانۂ تدریس کی شروعات میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا تھا کہ جمعرات کی شام کو اپنے سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو لے کر کسی قریبی گاؤں یا بستی میں چلے جاتے اور وہاں دعوتی کام بھی انجام دلواتے اور اسی دوران عربی زبان میں گفتگو کی مشق بھی کراتے، اور جمعہ گزار کر شام کو واپس آتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جو طلباء اچھی ذہنی صلاحیت رکھتے ہوتے ان کو تحقیقی مطالعہ اور اختصاص کے ساتھ اپنی استعداد کو ممتاز بنانے کی طرف لگانے اور اپنے تحقیقی وعلمی کاموں میں ان سے ایسی معاونت لیتے جن سے ان میں تحقیقی واختصاصی صلاحیت پروان چڑھے۔

مولانا کے نصاب ونظام تعلیم کے سلسلہ میں تخیل اور فکر کو خود ندوۃ العلماء کے

نصاب کے دیباچہ میں دیکھا جاسکتا ہے، جو مولانا نے نصاب کی ترتیب کے بعد اس پر بطور تمہید کے درج کیا، نیزان کی کتاب " نحو التربية الإسلامية الحرة " میں جو نصاب اور نظام تعلیم پران کے عربی مضامین کا مجموعہ ہے دیکھا جاسکتا ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں مولانا عصر حاضر کے اس نقطۂ نظر کے حامی رہے کہ تعلیم صرف تعلیم نہیں ہے، بلکہ وہ ایک معنی میں تعلیم ہے اور دوسرے معنی میں تربیت ہے، اس لئے تعلیم کے لئے تربیت کا لفظ بھی مطلب کو ادا کرتا ہے، اور اس سے نئی نسل کو ضروری معلومات اور صحیح فکر سے آشنا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاق ورجحانات کی صحیح تشکیل بھی مقصود ہوتی ہے، لہٰذا نصاب و نظام تعلیم کی تشکیل میں اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ مقصد پورا ہو، اس کے لئے نصاب کے اجزاء اور مضامین کی تعداد اور ترتیب اور علوم کو عملی اور کارآمد بنانے کی صلاحیت پیدا کرنے کے ذرائع بھی نظام تعلیم میں رکھے جانے چاہئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

باب چہارم

تحریکات اور ادارے

www.abulhasanalinadwi.org

مغربی فکر و فلسفہ کا مقابلہ

اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کا قیام

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی و عملی شخصیت بننے کے آغاز میں ہی تاریخ اسلام کی مجددانہ خصوصیات رکھنے والی شخصیتوں کا اور ان کے کاموں کا مطالعہ کر لیا تھا، وہ اس بات سے علمی طور پر واقف ہو گئے تھے کہ کن حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت ملی، اور اس خلافت سے انہوں نے کیا انقلابی کام لیا، اور کن حالات سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ گزرے، اور کس عزیمت اور صبر و ثبات کا انہوں نے ثبوت دیا، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ اور اس کے بعد کے دور میں برصغیر کے دائرہ میں رہتے ہوئے۔ جو پانچویں چھٹی صدی ہجری سے چودہویں صدی ہجری تک پھیلا ہوا دور ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ، سید علی ہمدانی کشمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ جیسی متنوع کمالات رکھنے والی شخصیتیں اور اپنے اپنے دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق اپنے اپنے طرز پر انقلابی جدوجہد کی مثالیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں، اور مولانا کو اپنے اس مطالعہ کے دوران ایسے اساتذہ اور مرشدین کی سرپرستی ملی جنہوں

www.abulhasanalinadwi.org

نے مولانا کے اس مطالعہ کے دوران پیدا ہونے والے شعور میں مہمیز کا کام دیا، اس طرح کے مطالعہ کا شوق دلانے میں مولاناؒ کے برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کا بنیادی حصہ رہا، مولانا کا یہی مطالعہ تھا جس نے مولانا میں وسیع تر اور متنوع پہلوؤں کے حامل اصلاح امت کے کام کو خصوصی اہمیت والا کام بنا دیا، جس کے تقاضہ سے مولاناؒ نے پہلا تصنیفی کام سیرت سید احمد شہیدؒ کی صورت میں انجام دیا، جس کو برصغیر کے باشعور مسلم طبقہ نے اور بیدار طبیعت علماء کے طبقہ نے اہمیت دی اور بہت سراہا، اور اس کو امت کی خصوصی رہنمائی کرنے کی ضرورت کی طرف ایک اہم توجہ دہانی کا ذریعہ سمجھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا منہج ندوۃ العلماء کا منہج تھا، جس میں فقہی اختلاف کے سلسلہ میں مسلکی تعصب کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو فقہی مسلک کے اعتبار سے شدت پسند حلقوں میں دی جاتی ہے، اور تاریخ کے وسیع مطالعہ کی بنا پر امت کی وسیع الاطراف ملی ضرورت کو بہت وسیع دائرہ میں دیکھا جاتا ہے، چنانچہ مولانا کا ذہن صرف برصغیر تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ بلاد عربیہ اور بلاد عجمیہ تک وسیع ہوا، مولاناؒ کے برادر معظم اسی رجحان کے تھے، اور وہ ایک طرف برصغیر کے مسلمانوں کی ملی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کے حالات سے بھی واقفیت رکھنے کی فکر کرتے تھے۔ اور دوسری طرف تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری جو یورپ کی استعماری طاقتوں کی مشرقی علاقوں میں اور خاص طور پر مسلمان ملکوں میں چیرہ دستیوں کا خاص زمانہ رہا ہے، اس میں صرف برصغیر تک اپنی فکر کو محدود رکھنا وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے، شمالی افریقہ، وسط ایشیا اور خود مرکز اسلام جزیرۃ العرب جو مسلمانوں کی تاریخی عظمت کے عظیم گہوارے ہیں ان سے دلچسپی رکھنے میں: ﴿من لم يهتم بأمرنا أو بأمور المسلمين فليس منا﴾ کے تقاضہ کو سامنے رکھتے تھے، ان کو

اس کی فکر ہوتی تھی کہ نیپال میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ حرمین شریفین کو کس طرح کے خطرات کا اندیشہ ہے؟ مراکش اور طرابلس میں فرانس اور اٹلی کے کیا مظالم ہیں؟ افریقہ کے مسلم ممالک میں کس طرح کی دشواریاں اور پریشانیاں ہیں؟ اسپین کی کیا صورت حال ہے؟ برطانیہ کی استعماری چیرہ دستیاں دین وملت کو کن کن ملکوں میں نقصان پہنچارہی ہیں؟ یہ وہ احساسات اور تقاضے تھے جو حضرت مولاناؒ کو اپنے بھائی، اپنے خاندانی ماحول، اپنے بعض مرشدوں اور اساتذہ سے ملے، اور مولانا کو ایک فائدہ یہ بھی ملا کہ ان کے مشفق اساتذہ میں یمنی نژاد شیخ خلیل عرب اور مراکش کے ایک جلیل القدر عالم شیخ تقی الدین ہلالی، اور ان کے پھوپھا مولانا سید طلحہ حسنی جو لاہور اورینٹل کالج کے پروفیسر تھے، نے بھی مولانا کے والد کے ان کے بچپنے میں انتقال کر جانے کی وجہ سے اپنی توجہات کے دائرہ میں رکھا، اور لاہور و پنجاب کی متعدد شخصیتوں سے انہیں ملایا، اور ایسی شخصیتوں کی ملاقاتوں سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ فائدہ مولانا کو حاصل ہوا۔ ان شخصیتوں میں علوم عصریہ اور علوم دینیہ دونوں کے ماہرین تھے۔ مولانا طلحہ صاحب کا مقصد ان ملاقاتوں سے مولانا کے ذہن کو مزید وسیع کرنا اور دائرۂ واقفیت کو بڑھانا تھا۔ ان ہی ملاقاتوں میں ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم سے بھی مولانا کی ملاقات ہوئی، اور علمی وفکری دائرہ میں گفتگو بھی رہی۔ چنانچہ انہی احساسات نے مولانا سے " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين " (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) نامی وہ عظیم کتاب لکھوائی جس میں تاریخ اسلام کا اصلاحی، اخلاقی اور تہذیبی جائزہ پیش کیا کہ اس امت نے دنیا کی قیادت کے کام سے آغاز کیا، اور اپنی ذمہ داریوں کو بطریقۂ احسن صدیوں انجام دیا، پھر اپنے جادۂ حق پر مضبوطی سے قائم رکھنے میں کوتاہی شروع کی، اس کے نتیجہ میں غیروں کے مقابلہ میں آگے رہنے کے بعد پیچھے ہوگئی، اور غیروں کو قیادت جب ملی تو انہوں نے کس طرح

www.abulhasanalinadwi.org

بے انصافی سے کام لیا، اوراب اس امت کے لئے بقاء وعزت کی ضمانت کس طرز عمل اورطریقۂ کار میں ہے؟ ایسی کتاب لکھنے کے لئے اپنے اور غیروں دونوں کے حالات سے گہری واقفیت کی ضرورت تھی، اور غیروں کے حالات انھی کی زبان و بیان کے ذریعہ جاننے کی ضرورت تھی، نیز صرف حال نہیں بلکہ ماضی کا جائزہ بھی لینے کی ضرورت تھی، مولاناؒ کو رائج الوقت عصری زبان اور عربی زبان کے قدیم و جدید اسالیب سے گہری واقفیت حاصل ہونے کی وجہ سے اس کام میں وہ دشواری پیش نہیں آئی جوان لوگوں کو پیش آتی ہے جو زبان اور اسالیب زبان کے معاملہ میں وہ مہارت نہیں حاصل کر سکے جو مولاناؒ کو حاصل تھی، چنانچہ کتاب کو پورے عالم اسلام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، اور لوگوں کو مسلمانوں کے عروج وزوال کے معاملہ میں جو الجھن پیش آتی تھی وہ الجھن دور ہوئی، اور آگے بڑھنے اور اپنے کو اپنے صحیح مقام پر لانے کے سلسلہ میں قابل عمل راہ عمل کا اندازہ ملتا تھا، مولاناؒ نے اس وقت تک برصغیر کے باہر کا کوئی سفر نہیں کیا تھا، اس کتاب کی تیاری کے اختتامی مرحلہ میں کتاب کی اشاعت سے قبل ہی انہیں حج کی سعادت حاصل ہوئی، اور وہاں پورے عالم اسلام کی متعدد اور مختلف اہم شخصیتوں سے ملاقات ہوئی اور تبادلۂ خیال کا موقع ملا، اور مولاناؒ نے ان ملاقاتوں سے اپنی کتاب کے سلسلہ میں معلومات کا مزید فائدہ بھی اٹھایا۔ اس کے بعد ہی کتاب منظر عام پر آگئی۔ اور پھر مولاناؒ کو دوسرے سفر حج کا موقع ملا، جو تین سال بعد ہوا، جس سے فراغت پر مولانا نے عالم عربی کا دورہ کیا۔

مولاناؒ کا یہ دورہ خاص طور پر اس زمانہ میں ہوا جب شمالی افریقہ اور وسط ایشیا میں مغربی استعمار کا مقابلہ کرنے اور ان سے ٹکر لینے والی تحریکوں اور کوششوں کے وہ زعماء جو اپنے ملکوں سے باہر نکال دیئے گئے تھے، ان کو عام طور پر مصر میں پناہ حاصل ہوئی تھی، ایسی اکثر اہم شخصیتوں سے مولاناؒ کی ملاقات مصر کے سفر میں ہوئی، اوران

سے معلومات بھی حاصل ہوئیں، اور تأثرات، نصرت حق کے تجربات اور رجحانات بھی معلوم ہوئے، اور خود مولاناؒ کا تعارف ان کی عظیم کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين " کے ذریعہ ان شخصیتوں کو حاصل ہو چکا تھا، اس لئے ملت کے لئے درد اور اس کی مصلحتوں کی فکر میں توارد اور احساس ضرورت میں یکسانیت پیدا ہوئی، اور یہی مولاناؒ کے دورہ کا زمانہ بھی تھا کہ دورہ کے اختتام پر صرف چند سالوں میں ان میں سے اکثر ممالک میں وہاں کی حکومتوں کی استعماری طاقتوں کے سامنے خود سپردگی اور اس کی وجہ سے وہاں کے عوام میں بےچینی اور بددلی اس درجہ تک پہنچ گئی کہ جگہ جگہ فوجی انقلاب ہوئے جن کا اعلیٰ مقصد اصلاح حال اور اصلاح حکومت تھا، لیکن ان کا عمل بتدریج مزید فساد اور بگاڑ کا سامنے آیا، اور وہ پریشان کن حالات جو فوجی حکومتوں کے جبر سے ظہور میں آرہے تھے مولاناؒ کے مطالعہ میں آئے، اور اس سفر کے کچھ عرصہ بعد دوسرے ایک سفر میں شام اور ترکی کا سفر ہوا۔ اور ترکی میں تقریباً چالیس سال سے جو مذہب دشمنی وہاں کی فوجی حکومت کی طرف سے جاری تھی اس کے افسوس ناک حالات کا مشاہدہ مولاناؒ نے اپنی آنکھوں سے کیا۔ ترکی کے سلسلہ میں مصطفیٰ کمال جن کی شخصیت غازی اور بعد میں اتاترک کے نام سے ابھری تھی، وہ پھر اسلامی رجحانات کو دبانے اور ترکی کو ملحدانہ سیکولرازم کی طرف لے جانے کے سخت رویہ میں تبدیل ہوگئی، اور اس میں خاص طور پر برطانیہ کی شاطرانہ اثر انگیزی کو بڑا دخل تھا۔ ان سب باتوں نے مولاناؒ میں پورے عالم اسلام کے حالات سے ایک خاص قسم کی بےچینی پیدا کردی، اور اسی کے نتیجہ میں مولاناؒ کی کتاب "الصراع بين الفكرة الإسلامية و الفكرة الغربية" (اسلامی ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش) منظر عام پر آئی جس میں اسلامی نقطۂ نظر اور مغرب کے استعماری نقطۂ نظر کے ٹکراؤ سے جو مصیبت عالم اسلام کو عمومی طور پر پیش آرہی ہے اس کا جائزہ پیش کیا گیا

www.abulhasanalinadwi.org

اور جائزہ کے ساتھ ساتھ اس کا مناسب حل بھی بیان کیا گیا، اور اصولاً یہ بتایا گیا کہ مغرب نے مشرق پر علم اور وسائل کے ذریعہ سے یہ برتری حاصل کی جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو اہل حق ہونے کے باوجود اپنے غلبہ کا اور اسی غلبہ کی بنا پر ظلم و جور کا نشانہ بنا رہا ہے، اور مسلمانوں کو ان کی اس کوتاہی کی گویا سزا دے رہا ہے جو کوتاہی انہوں نے علمی ترقی اور وسائل قوت کے حصول میں کی ہے۔

مولاناؒ کی پوری فکر ان کی ان دو کتابوں سے کھلے طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اصلاح حال اور بہتر صورت حال اختیار کرنے کے لئے تاریخ کے وہ واقعات اور وہ کوششیں جو مسلمانوں کے لئے صحیح اصلاح حال اور اپنے منصب زعامت پر آنے کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہیں ان کو بھی مولاناؒ نے بیان کرنا اور اہل دانش کے سامنے رکھنا مناسب سمجھا، اور اس کے لئے مولاناؒ کی نئی تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' تیار ہو کر سامنے آئی۔

مولاناؒ کے مذکورہ بالا حالات وصفات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولاناؒ کو اس امت کی فکر کتنی زیادہ تھی، اور کتنے وسیع پیمانہ پر تھی، اس کے ثبوت میں خود مولاناؒ کا طرز عمل بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ اصحاب اقتدار کو خواہ کسی بھی ملک کے ہوں، خدمت ملک وقوم کی طرف بڑی خوش اسلوبی کے انداز میں متوجہ کرتے تھے، ان سے ملاقاتیں کرتے تھے، اور ان کو خطوط لکھتے تھے، اس کے علاوہ پبلک جلسوں میں بھی اپنا خیال ظاہر کرتے تھے، اور غلط رخ پر لے جانے والی قیادتوں پر تنقید کرتے تھے، اور مولاناؒ کے یہ خیالات بعض وقت ان لوگوں کو بالکل سمجھ میں نہیں آتے تھے جن کا مطالعہ عالم اسلام کے سلسلہ میں صحیح اور جامع نہیں تھا، ان میں سے بعض زعماء جو اپنے ملک میں بڑا اثر رکھتے تھے مولانا کے ان خیالات کی مخالفت کرتے، لیکن اس کے باوجود مولاناؒ اپنی بات کہتے، حالانکہ اس وقت ممالک اسلامیہ کے یہ قابل

تنقید حالات ایسے کھلے ہوئے حالات نہیں تھے کہ جن کو سب محسوس کر سکیں، لیکن بتدریج ان حالات کے نتائج کے سامنے آنے پر دنیا نے محسوس کیا کہ مولاناؒ نے ان حالات کے آغاز پر جو کہا وہی صحیح تھا، مولاناؒ نے ترکی کے سفر سے واپسی پر مصطفیٰ کمال اتاترک پر سخت تنقید کی تھی، اور اس کو اسلام دشمنی کا سخت مرتکب قرار دیا تھا، اس وقت تک ہندوستان کے مسلم زعماء اور علماء مصطفیٰ کمال کو غازی کمال پاشا ہی سمجھتے تھے، وہ سخت متعجب اور ناراض ہوئے کہ ایک غازی کو مولاناؒ نے دشمن اسلام قرار دے دیا۔ اسی طرح مولاناؒ نے مصر سے واپسی پر اخوان المسلمین کی دینی حمیت اور اسلامی جذبہ کی تعریف کی، اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ مصر کے فوجی قائد جمال عبدالناصر اور اخوان میں ٹکراؤ شروع ہو گیا تھا، اس وقت ہندوستان کے مسلم زعماء وعلماء بڑے جراغ پا ہوئے، مولاناؒ نے اس کی بالکل پروانہ کی، بلکہ جمال عبدالناصر کے بارے میں اپنی مبصرانہ واقفیت اور امت مسلمہ کے لئے ان کے نقصان دہ رجحانات کی نشاندہی کی اور مخالفت کی، اس نے ہندوستان کے زعماء و علماء ملت کو ناگواری اور ناپسندیدگی میں مبتلا کیا، لیکن مولاناؒ کے علم و واقفیت میں یہ بات تھی کہ اخوان المسلمین کے ساتھ جمال عبدالناصر رہ چکے تھے، اور ملکی حالات کے سلسلہ میں اخوان کے ہم خیال تھے، لیکن جب اخوان نے ان کے مطابق ان سے اصلاح حال کا مطالبہ کیا تو جمال عبدالناصر خواہ ان کی جو بھی ذاتی مصلحت رہی ہو، اور ان پر جو بھی خارجی دباؤ رہا ہو اخوان کے خلاف ہو گئے، اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کیا کہ اخوان المسلمین کا حکومت سے جو مطالبہ تھا وہ صحیح تھا، اور ان کی جو دینی اور اخلاقی زندگی تھی وہ بہت معیاری اور اسلامی تھی، اور ان کے مقابلہ میں فوجی قائد کی سختی اور زبردستی ظلم و بربریت کی حد تک پہنچ گئی تھی، اور اس کے خیالات کے نتیجہ میں مصر اور پورا عالم عربی دینی حمیت کے جذبات سے عاری ہو کر کمیونسٹوں

www.abulhasanalinadwi.org

کے ملحدانہ جذبات کی طرف جانے لگا تھا، اور بڑی طاقتوں کے سامراجی مقاصد کی تائیداور جانب داری کے چکر میں آ گیا تھا، اورانہی کے نقطۂ نظراور پالیسی کے تحت ملک کی پالیسی کی تشکیل وترمیم کی جارہی تھی، اور یہ روس وامریکہ کی باہمی رسہ کشی اور کشمکش کے دائرہ میں انجام پارہا تھا، جس کے نتیجہ میں مصرکو دو جنگوں سے گزرنا پڑا اور تباہی برداشت کرنی پڑی۔

اوراسی سے ملتا جلتا حال شام کے انقلاب میں سامنے آیا کہ وہاں اصلاح کے لئے جوفوجی انقلاب ہواوہ ایک اسلام سے منحرف فرقہ، دروزی فرقہ کے غلبہ والا اوراس کی حکومت لانے والا انقلاب ثابت ہوا، اوراس سے اسلام پسندوں کو بڑی مشکلات سے گزرنا پڑا۔

پھرعراق میں جوفوجی انقلاب ہوا جس کی کھلی ہوئی رہنمائی جمال عبدالناصر نے کی، اوروہاں بھی پے بہ پے کئی انقلاب ہوئے، جس کے نتیجہ میں احمد حسن البکر اور ان کے دست راست صدام حسین برسر اقتدار رہے، ان سے عراق کے عوام کو اپنی اسلامیت کے تحفظ میں اورخود اپنی جمہوری آزادی میں جوشدید کلفت پیش آئی اورظلم و سفاکی کا سامنا کرنا پڑا، اب وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی، حضرت مولاناؒ نے اپنی کتاب میں ان سب باتوں کو اسلام اور مغربیت کی کشمکش کے ہی مظاہر قرار دیا۔ اور مغرب کی ان ریشہ دوانیوں، اسلام دشمنی، اوراسلامی ملکوں میں اسلامی رجحانات کو اس کے برعکس رجحانات میں تبدیل کرنے کی سیاسی شعبدہ بازی سے نکلنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔ اورصرف کتاب ہی میں نہیں بلکہ جن مسلمان سربراہوں سے ملاقاتوں کا موقع ملا ان کو بھی انہیں باتوں کی طرف توجہ دلائی، ان سب باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولاناؒ کا اصلاح امت کا نقطۂ نظر کتنا دردمندانہ، علمی وعملی لحاظ سے مدلل اورکس قدرآفاقی اورجامعیت رکھنے والا تھا، اس کی مثال عموماً دوسرے اہل قلم واہل فکر

اور مصلحین امت میں کم ہی ملتی ہے۔(۱)

بلاد عربیہ میں نئے اور استعماری طاقتوں کی ہمنوائی کرنے والے نظریات میں سب سے خطرناک اور اہم نظریہ جو اوپر سے بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اندر سے زہر رکھنے والا ہے، وہ قومیت کا نظریہ ہے، جس کا آغاز شام کے ایک عیسائی مغرب پسند شخص نے جس کا نام میشیل عفلق تھا شروع کیا کہ عربوں کی ساری خوبیاں اور عظمت ان کے عربی النسل ہونے کی وجہ سے ہیں، اور عربوں کو دراصل اپنی قدیم عربی قومیت پر فخر کرنا اور اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو خواہ سیاسی ہوں یا ثقافتی اسی کے مطابق ڈھالنا چاہئے، یہ دعوت اور تحریک اس وقت زیادہ خطرناک بن گئی جب اس کو جمال عبدالناصر جیسے بااثر لیڈر اور فوجی ڈکٹیٹر نے اختیار کرلیا، اس کے نتیجہ میں پورا عالم عربی نظریاتی اور عملی دونوں طریقوں سے ایسے نقطۂ نظر کی طرف منتقل ہونے لگا جس میں اسلام کو زندگی کے ایک چھوٹے سے کونے میں جگہ مل رہی تھی، وہ عرب جن کی ساری عظمت اور جاودانی کا مقام اسلام سے حاصل ہوا وہ اپنی اسی بنیادی خصوصیت سے محروم ہونے کے خطرہ میں پڑ گئے تھے، اور تاریخ میں دنیا کی کتنی قومیں ہیں جنھوں نے

---

(۱) مولانا کے اس نقطۂ نظر کو جہاں ان کی ان دو کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے جن کا ذکر کیا گیا، وہیں اس کی وضاحت مولاناؒ کے سفرناموں میں بھی ملتی ہے، جو مصر، سوڈان اور شام کے سلسلہ میں مذکرات سائح في الشرق العربي (شرق اوسط کی ڈائری) اور ترکی کے سلسلہ میں (دو ہفتے ترکی میں) اور مراکش کے سلسلہ میں "مغرب اقصیٰ مراکش میں" اور افغانستان، ایران، لبنان اور اردن کے سلسلہ میں "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک"، اسی طرح جزیرۃ العرب کے سلسلہ میں " بين العالم و جزيرة العرب " اور سعودی بادشاہوں کے نام خطوط کے مجموعہ میں نظر آئے گا۔

مولاناؒ کے دورے یورپ اور امریکہ کے ملکوں کے بھی ہوئے، ان کے سلسلہ میں مولاناؒ کے خیالات اور مشورے مولاناؒ کی تقریروں اور تحریروں میں آئے جو "مغرب سے صاف صاف باتیں" اور "نئی دنیا امریکہ میں......" میں دیکھے جاسکتے ہیں، اس کے علاوہ راقم کی کتاب " دو مہینے امریکہ میں" میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے کو اپنی نسل یا لسانی دائرہ میں محدود کر کے اپنے کو ان بیشمار قوموں کی طرح تاریخ کے کباڑ خانہ میں منتقل کر دیا، اسی طرح عربوں کو بھی اس نقطۂ نظر کے نتیجہ میں یہ نقصان پیش آسکتا تھا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام سے ان کے تعلق کا جو امتیاز اور مقام بلند ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے، اور اس طریقہ سے گویا ان میں بالواسطہ طریقہ سے اسلام کو بھی ختم کرنے کی ایک تدبیر کی گئی۔ مولاناؒ نے اس کی سخت مخالفت کی، اور یہ کہا کہ میں نسلاً عرب ہوں لیکن عرب قومیت کو اسلام کے ساتھ دشمنی سمجھتا ہوں، اور کوئی بھی ایسی عصبیت جو نسلی یا لسانی بنیاد پر ہو وہ تفرقہ کا باعث اور انسانیت کی قدروں کو پامال کرنے والی ہے، چنانچہ مولاناؒ نے اس پر بڑا سخت مضمون لکھا، اس کا عنوان تھا: "اسمعوها مني صريحة أيها العرب !!" کہ اے عربو! مجھ سے صاف صاف یہ بات سنو۔ اور " إلى الراية المحمدية أيها العرب ! " (محمد ﷺ کے جھنڈے کے نیچے آؤ اے عربو!!)۔

اور مولاناؒ نے اپنے ایک رسالہ کے اخیر میں اقبال کے اس شعر کا ترجمہ دیا اور پھر دہلی کے ایک بڑے جلسہ میں بڑے مؤثر انداز میں اسے سنایا۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

اور مولانا کو رابطہ عالم اسلامی کے ایک جلسہ میں اپنی اس بات کو قوت کے ساتھ کہنے کا موقع ملا جس میں فلسطین کے رہنما یاسر عرفات شریک مجلس ہوئے تھے، مولانا نے بھرپور انداز میں کھلے طریقہ سے یہ بات کہی کہ فلسطین کا مسئلہ سارے مسلمانوں کا مسئلہ ہے، اس کو صرف عرب مسئلہ سمجھنے اور بنانے کی بات اپنی جگہ پر غیر حقیقت پسندانہ بھی ہے اور مسئلہ کے حل میں کسی طرح مفید بھی نہیں۔ اس کو دینی جذبہ سے حل کرنا چاہئے، جس جذبہ سے ہمارے قدیم پیش رووں نے حل کیا۔ اگر آپ اس

www.abulhasanalinadwi.org

نقطۂ نظر کو اختیار کریں گے تو آپ کو تاریخ میں اسی طرح یاد کیا جائے گا جس طرح سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو یاد کیا جاتا ہے، ورنہ وہ مسئلہ سامراجی طاقتوں کی شعبدہ بازی کی نذر ہو جائے گا، اور بے گناہوں کا خون ضائع ہوگا اور بہت سی جانیں اس کے حل کی کوشش میں رائیگاں جائیں گی۔ اس کو اسلامی مسئلہ سمجھئے اور اور اس کو اسلامی جذبہ اور اسلامی ہدایات کی روشنی میں ہی حل کیجئے، پورا عالم اسلام آپ کا پشت پناہ ہوگا۔

مولاناؒ نے اس سے ایک دہائی قبل دمشق یونیورسٹی میں اسی طرح کا خیال ظاہر کیا تھا، اور فلسطین کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جن پہلوؤں کی نشان دہی کی تھی، اور مسئلہ کو خراب کرنے کے جو اسباب ان کی نظر میں تھے، ان کو پوری صراحت کے ساتھ "كارثة فلسطين و عواملها الحقيقية" کے نام سے اپنے رسالہ میں ظاہر کئے تھے۔

مولاناؒ کے اس اعلان اور اظہار کو وہ عرب جنہوں نے عرب قومیت کے نظریہ کو صرف اوپر اوپر سے دیکھا تھا ناپسند کیا، لیکن جب اس کے مضر اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے تو انہوں نے مولانا کو داد دی، اور مولاناؒ کے کہنے کو پسند کیا، مولاناؒ برابر اسی کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ جب بنگلہ دیش میں زبان کے تعصب کو کھلے طریقہ سے اپنایا گیا اور اس کے نتیجہ میں بہاری اور بنگالی کے ٹکراؤ کے حالات سامنے آئے تو وہاں بھی مولاناؒ نے لسانی عصبیت کو سخت مضر قرار دیتے ہوئے اس کو انسانیت کے خلاف نظریہ قرار دیا، اور اسلام کے صحیح نقطۂ نظر کا متوازی نقطۂ نظر قرار دیا کہ جس کے قبول کرنے سے اسلامی بنیاد کے بجائے ملحدانہ سیکولر بنیاد قائم ہو جاتی ہے، جس پر ان کا رسالہ ''لسانی عصبیت کا المیہ'' مشتمل ہے۔

بہر حال مولاناؒ نے کھلے طریقہ سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں مغربیت کی اسلام دشمنی اور لسانی عصبیت کی مضرت رسانی کی مخالفت کو اپنا موضوع بنایا، اور اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

امت اسلامیہ کے لئے بہت خطرناک ظاہر کیا، اور اسلامی اخوت اور صحیح اسلامی قدروں اور ﴿وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوا ، وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً ، وَ كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾.(۱) (اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ (تم سب) باہم متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو، اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔) اس میں "نعمة الله" سے مراد وہی اسلامی روح اور جذبہ و نقطۂ نظر ہے جو مسلمانوں کو اسلامی رابطہ کے تحت اکٹھا کرتا ہے، اور اسلامی روح کے مطابق بر سر عمل لاتا ہے۔ مولاناؒ کے یہ خیالات اور اس کے لئے ان کی ممکنہ کوششیں مولاناؒ کی اکثر تصنیفات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مغربیت کا خطرناک پہلو مولاناؒ کی نظر میں صرف اس کا سیاسی پہلو نہیں تھا، اس کے سیاسی پہلو کو ایک ذریعہ کی حیثیت حاصل رہی تھی، اس کی اصل خطرناکی مذہب بیزاری تھی، یورپ میں گذشتہ صدیوں میں جو مذہب سے بغاوت ہوئی تھی اس نے مذہب اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا تھا، سیاست کے دائرہ میں ثقافت اور اخلاق کو رکھا تھا، اور مذہب کے خانہ میں گرجا کے اندر جا کر کئے جانے والے عمل کو رکھا تھا، اس طرح انسانی زندگی کو مذہب سے علٰحدہ کر لیا۔ چنانچہ یورپ کی قوموں کی زندگی میں مذہب صرف گرجا تک محدود ہے لیکن اسلام میں مذہب زندگی کے ہر پہلو سے تعلق رکھتا ہے، چونکہ اسلام میں مذہب زندگی کو خدا اور رسول کے حکم اور پسند کے

---

(۱) آل عمران: ۱۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

مطابق گذارنے کو کہتے ہیں، اوراس طرح مذہب زندگی کے ہر پہلو سے کسی نہ کسی حد تک وابستگی رکھتا ہے، لہذا اس کو کسی بھی شعبۂ زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اور مغربی مفکرین اور مغربی تعلیم کے پروردہ لوگوں نے جونظریات ہم کو دیئے ہیں ان میں اسلام کوایک فرسودہ اور پارینہ مذہب اور طریقۂ زندگی قرار دیا گیا ہے، اوراسی کے ساتھ ساتھ مغربی ملکوں میں جوسامراجی ذہن ہے وہ مشرقی قوموں کو جوزیادہ تر اسلامی ممالک پر مشتمل ہیں، اپنے فائدہ کے لئے اپنا تابع بنانے کی پالیسی رکھتا رہا ہے، اور مزیداس کا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ صدیوں میں مسلمان ملکوں سے ان کی جوآویزش رہی ہے اس کی تلخی کو بھلانہیں سکے، اور مسلمان قوموں کے معاملہ میں اندر سے ایک انتقامی جذبہ رکھتے ہیں، اس لئے اصلاح وجمہوریت کے جونظریات وہ پیش کرتے ہیں اس میں درپردہ اسلامی جذبہ وروح سے علیحدگی کے اشارے مخفی ہوتے ہیں۔ قومیت کا نظریہ بھی ان ہی نظریات میں ہے کہ جس کواختیار کرنے کا نتیجہ اسلامی روح وجذبہ سے علیٰحدگی ہے۔

اسلام میں جن باتوں پر پابندی لگائی گئی ہے وہ انسانی معاشرہ اورانسانی فرد کے تحفظ کے لئے اورانسانی قدروں کی بقاء کے لئے ضروری ہے، لہذا کوئی ایسا نظریہ جومذہب کوزندگی سے بے دخل کرتا ہوکسی بھی مذہب کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے لیکن اسلام کے ماننے والوں کے لئے بالکل قابل قبول نہیں ہے، وہ مسلمان سے صرف اسلام ہی کوسلب نہیں کرتا بلکہ اس کی انسانی قدروں کوبھی سلب کرلیتا ہے، مولاناؒ نے اسی لئے مغربیت کے اس مضر پہلوکو کہ وہ مذہب کوزندگی سے علیٰحدہ کرتا ہے بہت خطرناک اور مضر قرار دیا، اوراس کے خلاف برابراپنے مضامین اور خطبات میں اظہار خیال کیا، اور چونکہ مغربیت کا یہ پہلومغربی تعلیم کی وجہ سے خاصا عام ہونے لگا تھا اس لئے مولاناؒ نے اس کے خلاف مزید شدت اختیار کی، مولاناؒ نے اپنی بعض تقریروں میں

www.abulhasanalinadwi.org

یہاں تک کہا کہ حالات ایسے ہوتے جارہے ہیں کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے مقبروں میں کتنے ایسے آدمی دفن ہوتے ہیں جن کی تحقیق کی جائے تو وہ مسلمان کے دائرہ میں نہیں آتے، کہ جب اسلام کی بنیادی قدروں پر ہی آدمی کو ایمان نہ ہوتو تنہا نام مسلمان رکھ لینے یا تنہا مسلمان گھر میں پیدا ہوجانے سے کیسے وہ اللہ کے یہاں مسلمان ہوجائے گا؟ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ہمیں اس بات کی طرف توجہ کرنا چاہئے اور اپنے کو صحیح مسلمان بنانے کی فکر کرنی چاہئے، اس کے لئے مولاناؒ نے جو اہم ترین مضمون لکھا وہ ''نیا طوفان اور اس کا مقابلہ'' کے عنوان سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا، اور پھر مولاناؒ کی اس توجہ دہانی کے نتیجہ میں یہ طے ہوا کہ اس موضوع پر مضمون لکھے جائیں اور کوشش کی جائے کہ یہ مرض جدید تعلیم یافتہ طبقے میں زیادہ پیدا ہورہا ہے، اس لئے اس کی خاطر ذہن سازی کی کوشش کی جائے۔

چنانچہ مولانا نے اپنے مضمون میں اس پر زور دیتے ہوئے پوری صراحت سے کہا:

''آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے، جو عالم اسلام کے سر سے گزر رہی ہے، نہیں، بلکہ آگے بڑھ کر اس کے قلب ومرکز پر حملہ کیا جائے، وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے احساسات وعقائد، اس کے نظام وحقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے

www.abulhasanalinadwi.org

جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے، اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔ آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں ان سے علم و عقل کے میدانوں میں نبرد آزمائی کی جائے، یہاں تک کہ اسلام کے اصول و مبادی پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں۔

کامل ایک صدی گذرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے۔ شک و الحاد، نفاق و ارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل و دماغ میں برپا کر رکھا ہے۔ غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے، اور سیاست و اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس کی جگہ پر قابض ہو رہے ہیں۔ کامل ایک صدی سے اس شکست و ریخت کا سلسلہ جاری ہے، لیکن ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی۔ ہم نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدیم علمی ترکہ پر اضافہ کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ کریں، بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے گویا یکایک یہ منظر آیا کہ ایمان و عقیدہ کی دنیا متزلزل ہے، اور ایک ایسی نسل تیار ہو کر برسر اقتدار آ چکی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

جو نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ایمان رکھتی ہے، نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت سے معمور ہے، اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مومن اور مسلم قوم سے اس کے سوا ہے کہ قومیت کے خانہ میں اس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک ہے۔ بس اس کے سوا کوئی تعلق نہیں۔ اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر صورت حال یہ ہے کہ یہ لادینی مزاج اور لادینی انداز فکر ادب و ثقافت اور صحافت و سیاست کے راستہ سے جمہور تک پہنچ چکا ہے، اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیمانہ کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ خاکم بدہن وقت کی رفتار وہ وقت قریب لارہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے کہیں بے دخل کر کے نہ رکھ دیا جائے۔ (۱)

اسی کے لئے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کو بحیثیت علمی اکیڈمی کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زیر صدارت مئی ۱۹۵۹ء میں قائم کیا گیا، جس نے مولاناؒ کے اس نقطۂ نظر کے مطابق رسائل وکتب شائع کرنے شروع کیے، جن کی تعداد مولاناؒ کی زندگی میں ہی دوسو سے اوپر ہوگئی تھی، اور اس کے ذریعہ اردو، عربی، انگریزی اور ہندی میں مفید لٹریچر شائع کیا گیا، جس کا اچھا خاصا حصہ خود اکیڈمی کے زیر نگرانی تیار کرایا گیا۔

مولانا اسحاق جلیس صاحب ندوی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی کا اس سلسلہ میں بڑا تعاون رہا۔ مولانا اسحاق جلیس صاحب ندوی نے دفتری اور علمی سطح پر تعاون دیا، اور ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے مجلس کے وسیع تعارف اور اس کے مالی استحکام کے لئے مخلصانہ فکرمندی اور کوششوں سے اہم تعاون دیا۔

---

(۱) نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، ص ۲۶-۲۷، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

مولاناؒ کو اس اکیڈمی کی بڑی فکر رہتی تھی، اور اس کے ذریعہ کام کئے جانے کو بڑی اہمیت دیتے تھے، اور مولاناؒ اپنے ان خیالات اور تصنیفات کو دیگر زبانوں میں بھی منتقل کرانے کی فکر کرتے تھے، چنانچہ مولاناؒ کی فکر کی شہرت اور ان کے کام کی اہمیت جیسے جیسے وسیع مراکز میں محسوس کی جاتی رہی ان کی کتابیں دوسری بیرونی زبانوں میں بھی منتقل ہوتی چلی گئیں، چنانچہ زیادہ لٹریچر ترکی زبان میں اور دنیا کی دیگر زبانوں میں منتقل ہوا۔

مجلس نے اردو، عربی، انگریزی اور ہندی چاروں زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا آغاز کیا تھا۔ الحمد للہ مجلس اب تک تین سو سے زائد مطبوعات شائع کر چکی ہے، جن میں سے ان مطبوعات کے متعدد اڈیشن بھی نکل چکے ہیں، اور بنگلہ زبان میں بھی اب کام کا آغاز ہو گیا ہے، اور ہندوستان کی بعض علاقائی زبانوں میں ترجمہ کی جارہی ہیں۔ مجلس کے پیش نظر شروع سے انسانیت کی بھلائی اور دعوت واصلاح رہا، اسی لئے اس نے اپنے مادی نقصان کی پرواہ کئے بغیر دنیا کے اکثر گوشوں میں مختلف طبقات کو کتابیں روانہ کیں، اور مسلم طلبہ کی ذہنی وفکری رہنمائی کے لئے اپنی مطبوعات تقسیم کیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ادب اسلامی کے تصور کے لئے جدوجہد

اور رابطہ ادب اسلامی کا قیام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعلیم ومطالعہ کے مرحلہ سے گذرنے پر ان حقائق کو پوری طرح محسوس کرلیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری اور زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنی بلند حیثیت کو برقرار رکھنے میں ان کی کوتاہی کا یہ موجودہ دور آج سے صرف پانچ چھ سو سال پہلے شروع ہوا، اور تقریباً اسی وقت سے یورپ کی قوموں میں اپنی شدید جہالت اور علمی تاریکی سے نکلنے کا احساس ابھرا، اور ان کے دانشمند افراد میں مسلمانوں کی درسگاہوں سے فائدہ اٹھا کر علم کے ذرائع اختیار کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، جس کا بتدریج یہ نتیجہ نکلا کہ وہ مسلمانوں کی بے توجہی سے فائدہ اٹھاتی ہوئی مسلمانوں سے آگے بڑھ گئیں، اور بالآخر آج سے تقریباً تین سو سال قبل مغربی طاقتوں کو مسلمانوں کے بلکہ تمام مشرقی ممالک پر اپنے متعدد وسائل طاقت کی برتری کی بنا پر اپنی برتری قائم کرنے کا موقع ملنے لگا۔ مشرقی ممالک اپنی گرتی ہوئی حالت کی وجہ سے ان کا مقابلہ زیادہ نہ کرسکے۔ یہ شکست وریخت دو میدانوں میں زیادہ نمایاں ہوئی، ایک علمی تفوق کے معاملہ میں، دوسرے حکمرانی کی تدابیر کے معاملہ میں۔ چنانچہ گذشتہ تین صدیاں اسی نشیب وفراز میں گزریں، اس دوران علمی اور تعلیمی میدان میں مغربی ممالک کے دانشوروں کو کام کرنے اور مشرقی

www.abulhasanalinadwi.org

قوموں کو متاثر کرنے کا خاصا موقع ملا۔

یہ زمانہ مغربی قوموں کا ایسا زمانہ تھا کہ اس میں مغربی دانشوروں کے ذہنوں میں مذہب وسیاست کے درمیان اور دین ودنیا کے درمیان کشمکش پیدا ہوئی، اورانہوں نے ان دونوں کوایک دوسرے سے بالکل جدا کردیا، اور انسانوں کے لئے اپنے شخصی معاملات میں عمل کی مکمل آزادی، اور سماجی اور اجتماعی معاملات میں حکومت کی پالیسی کی تابعداری طے کردی، اس کے نتیجہ میں ان کی سوسائٹی میں فکری واخلاقی انارکی پیدا ہوئی، اور الحاد کو پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موقع ملا۔ اس عہد میں جو لٹریچر تیار ہوا اس پر نئے پیدا ہونے والے رجحانات کا پورا اثر پڑا، اور یہ طرز کسی مذہب کے خلاف ہو یا نہ ہو، اسلامی فکر ومنہاج سے بہرحال بالکل جوڑ نہیں کھاتا کیونکہ اسلام میں دین ودنیا کو علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں رکھا گیا، اور سیاست واخلاق کوایک دوسرے سے جدا نہیں کیا گیا، اور نجی زندگی کو شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا گیا ہے، لیکن مغربی فکر وعمل میں اس تقسیم اور آزادی عمل کو اپنایا گیا اور اس کو رائج کیا گیا چنانچہ مغربی اقتدار جہاں بھی آیا وہاں اس کے فکر وسیاست کے اثر سے جو لٹریچر پھیلے ان سے ذہنوں کی تشکیل ویسی ہی ہونے لگی جیسے اس طرح کے بے باک اور مذہبی گرفت سے آزاد لٹریچر سے ہونی چاہئے۔

مسلمانوں کے ذہین اور باشعور دانشوروں کی نظر میں مغربی لٹریچر وافکار کے اثر سے نئی نسلوں کی ذہنی واقتصادی تبدیلی جوان کو ان کے عقائدی اور اخلاقی ورثہ سے محروم کرتی ہو بڑے خطرہ کی بات تھی، لیکن اس کے مداوے کی شکل مولاناؒ کی نظر میں یہ تھی کہ اس بدلے ہوئے اور ناموافق علمی سرمایہ کے بالمقابل لٹریچر لایا جائے، جو اس منفی اثر رکھنے والے لٹریچر کی جگہ لے سکے، اور یہ اسی وقت ہوسکتا تھا جب وہ لٹریچر فنی اور نفسیاتی انداز سے تیار کیا جائے، اور وہ شرح وتفہیم کے ایسے اسلوب میں ہو کہ جس میں دلچسپی کا انداز بھی ہو، اور اس کے پڑھنے والوں کی نفسیاتی کیفیت کی

www.abulhasanalinadwi.org

اس میں رعایت بھی ہو۔

ہمارے قدیمی ورثہ کے حاملین کے ذہنوں میں اس تلخی کے سبب جو مغربی سامراج کے ظلم وسفاکی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی مغرب کے علم اور طاقت کے ذرائع کے حصول کے اسباب پر غور کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی، انہوں نے اپنے علمی و دینی ورثہ کی حفاظت کی طرف توجہ پر اپنی فکر کو مرکوز کرلیا، اور انہوں نے نئے غیر موافق فکری و تعلیمی لٹریچر کے مقابلہ میں اپنا قدیم محدود نظام فکر وعمل اختیار رکھا، اور اپنے کو اپنے قدیمی وسائل علم وفکر کے دائرہ میں ہی محدود رکھا۔ لیکن ان کے برعکس ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اس خطرناک صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے ایسے ذرائع علمی اور نظام تعلیم کی ضرورت پر زور دیا جو معیار اور اسلوب دونوں لحاظ سے مخالفانہ نو وارد نظام فکر وعمل کا بدل بن سکے۔ چنانچہ ندوۃ العلماء کے فکر ورجحان کے مطابق کوشش کرنے والوں نے ادھر توجہ کی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ کار بھی یہی رہا، یہ طریقۂ کار اسلامی فکر وتعلیمات کی طرف سے صفائی دینے اور ان کے فرسودہ نہ ہونے کی وکالت کا نہیں بلکہ عقلی اور فکری بنیاد پر بھی ان کی برتری ثابت کرنے کا تھا، بلکہ علمی اور تاریخی دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کا تھا کہ انسانیت کی بقاء اور نجات اسلامی فکر وتربیت کی مؤثر اور وقت کی زبان اور اسلوب کو اپنانے میں ہے، اور مدلل طریقہ سے یہ بتانے میں ہے کہ مغرب کے دیئے ہوئے فکر وطرز حیات میں انسان کی بربادی اور انسانیت کی تباہی ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں قرآن مجید کی دی ہوئی رہنمائی کو بنیاد بناتے ہوئے مغربی فکر وتمدن کے اصل مراجع کے مطالعہ سے حاصل کردہ اپنی معلومات سے فائدہ اٹھایا، اور اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں، تقریروں اور تصنیفات میں قلب و دماغ دونوں کو ہی مخاطب کرنے والی تشریحات سے کام لیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز کلام واسلوب تحریر وتقریر کو بہت مؤثر محسوس کیا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

عصری تعلیم کے میدان میں جہاں نئی نسل کی تشکیل ہوتی ہے مغربی فکر و رجحان کا اثر زیادہ نتیجہ خیز ہوا، طالب علموں کے ہاتھ میں نصاب کی ایسی کتابیں پہونچیں جو مغربی فکر وفلسفہ کے مطابق تیار کی گئی تھیں۔ علمی اور ادبی موضوعات پر تیار کردہ کتابوں پر اس کے اثرات پیدا ہوئے، ان سب کے نتیجہ میں جن نسلوں کو اس طرح کے نصاب اور لٹریچر سے گزرنا ہوا، ان کے دماغوں کو مذہبی تحفظات اور اسلام پسند فکری رجحانات کے برخلاف رجحانات سے واسطہ پڑا، وہ منفی انداز کے تھے، اور ان مذکورہ موضوعات میں جو رجحانات اور محسوسات ان کو حاصل ہوئے وہ مغرب کے اختیار کردہ ذہن ومزاج کے مطابق تھے۔

دوسری طرف نصاب ونظام تعلیم نیز زبان وادب اور اسلوب کلام کی طرف توجہ ہمارے علماء دین کے مراکز تعلیمی میں قدیم انداز کی ہی قائم رہی جس کے سبب ان کے کلام کا طرز اور مواد جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو کم متوجہ کرتا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء کے فکر ومنہج کے زیر اثر وہ اسلوب کلام جو نفسیاتی اور ادبی لحاظ سے زیادہ کارگر ہے اپنایا، اور صرف اپنایا ہی نہیں بلکہ اس کی دعوت دی، اور اپنے تعلق کے طلباء اور مستفیدین کو اس پر تیار کرنے اور ان کے سامنے مؤثر اور کارگر کلام کے نمونے رکھنے اور اس سلسلہ میں عربی زبان وادب پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دی۔ یہ عربی زبان وادب جس میں مسلمانوں کی فکر وثقافت کا اصل مأخذ ہے اور جس سے اچھی واقفیت ہمارے دینی مقاصد کے لئے ضروری اور لازمی ہے اس کا ہمارے قدیم مدارس میں ایسا نصاب نہیں تھا جو ضرورت اور وقت کے تقاضے کو پورا کرتا ہو۔ چنانچہ ندوۃ العلماء نے اس ضرورت کے لئے عرب ممالک میں، خاص طور پر مصر میں تیار کردہ نصاب کو دیکھتے ہوئے ایسا نصاب تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی جس سے عربی کی صلاحیت عملی اور عہد جدید کے تقاضہ کو پورا کرسکنے کے لائق پیدا ہو، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کا رشتہ عہد اول

کی زبان وبیان سے بھی نہ ٹوٹے، وقتی طور پر اختیار کیا۔ پھر اسی کے فنی معیار کے مطابق کتابیں تیار کرنے کی کوشش شروع کی۔

اس میں اول اول مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی زبان کی تعلیم کی ابتدائی کتاب "دروس اللغة العربية" تیار ہوئی، اور عربی کے رائج الوقت جدید الفاظ پر مشتمل معجم انہوں نے "لغات جديدة" تصنیف کی۔ اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مصری کتابوں کا بدل تیار کیا۔ یہ متبادل سلسلۂ کتب علمی اور فنی لحاظ سے اپنے صحیح اور اعلیٰ معیار کے مطابق تھا، اور مضامین کے اعتبار سے صحیح اسلامی ذہن سازی کا مواد رکھتا تھا، اس میں قصص النبيين کے پانچ اجزاء اور القراءة الراشدة کے تین اجزاء زبان کے لئے، اور مختارات من أدب العرب کے دو اجزاء ادب عربی کے لئے مولاناؒ کے قلم سے تیار ہوئے۔ اور یہ سب ندوۃ العلماء کے عربی زبان وادب کے نصاب تعلیم کی ضرورت کو پورا کرنے والے ثابت ہوئے، ان کی خوبی اور ضرورت اور مطلوبہ معیار سے مطابقت کو مصر وشام کے زبان وادب کے ماہرین نے بھی تسلیم کیا، مولانا نے اپنے اس عمل کے ذریعہ اعلیٰ سطح سے عربی زبان وادب کے نصاب کی ضرورت کو پورا کیا، اور اس میں عملی کامیابی بھی حاصل کی جس کا اعتراف ممالک عربیہ کے زبان وادب کے ماہرین نے بھی کیا۔ اور مولاناؒ نے اپنے شاگردوں کے ذریعہ صرف ونحو اور انشاء اور زبان وادب کے مختلف موضوعات پر اپنی نگرانی میں کتابیں تیار کرائیں۔ مثلاً ''معلم الانشاء'' کے تین حصے اور '' تمرین الصرف''، ''علم التصریف''، ''تمرین النحو'' اور "منثورات من أدب العرب" اور "الأدب العربي بين عرض و نقد" وغیرہ۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نقطۂ نظر کہ ہمارا لٹریچر اپنے اسلوب کلام اور فکری مواد

www.abulhasanalinadwi.org

کے لحاظ سے ان قدروں کا حامل ہونا چاہئے جو ہم کو ہمارے اسلامی ذہن و مزاج سے ہم آہنگی رکھتا ہو، اور مغربی اہل علم کی طرف سے رائج کردہ فکر و ادب کے لٹریچر سے جو صحیح اسلامی فکر و مزاج سے ٹکرانے والے رجحانات کا حامل ہے ہمارا لٹریچر اس کا بدل حسن ہونا چاہئے، اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لٹریچر تیار کیا اور کرایا۔

مولانا نے اس میں مغربی فکر اور اسلامی فکر کے درمیان مقصد ورجحان کا جو فرق ہے اس کو واضح کیا، اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ مغربی ترقی و تمدن کے لائے ہوئے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان اہل علم و اہل غیرت نے جو تعلیمی ادارے اور جامعات قائم کئے ان میں نصاب اسی مغربی ذوق ورجحان کا حامل رکھا اور باوجود اس کی اصلاح کی صلاحیت رکھنے والے علمی اختصاص رکھنے والے افراد کے ہونے کے اس کی اصلاح نہیں کی، اور وہی غیر اسلامی فکر رکھنے والا نصاب چلاتے رہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضامین اور کتابوں میں نصاب کو اسلامی فکر کا حامل بنانے کی طرف توجہ دلائی۔ اور جہاں تک ادب کا تعلق ہے اس کی طرف مزید توجہ کی، اور اس کو دعوت و تربیت کا ذریعہ قرار دیا، اور اس کے مطابق عربی زبان و ادب کے نصاب میں تبدیلی لانے کا عمل خود اختیار کیا، جس کی پہلی مثال منتخب عربی ادب پر مشتمل ان کی کتاب " مختارات من أدب العرب " کے نام سے سامنے آئی، اور ندوۃ العلماء کے نصاب میں داخل ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فکر کو عربوں کے سامنے بھی پیش کیا، یہ انہوں نے دمشق کی عالمی اکیڈمی " المجمع العلمي العربي " میں رکن منتخب ہونے کے موقع پر مضمون کی صورت میں عربی زبان و ادب کے ماہرین کے سامنے پیش کیا، مولانا کو اپنے اس خیال اور فکر کے حامی ملے، اور مولانا کو اس بات کا علم ہوا کہ اس رجحان کو اپنانے کا جذبہ متعدد موقر ادیبوں میں پایا جاتا ہے، مولانا کو اس سے تقویت حاصل ہوئی، اور انہوں نے ادب اسلامی کے عنوان کو موضوع بناتے ہوئے ندوۃ العلماء میں

ایک کانفرنس بلائی جس میں عالم عربی کے وہ اکثر ماہرین ادب شریک ہوئے جو اس فکر سے اتفاق ظاہر کررہے تھے، یہ کانفرنس اس موضوع پر پہلی کانفرنس تھی، اور بہت کامیاب کانفرنس ثابت ہوئی، پھر اسی فکر کی تقویت کے لئے سعودی عرب کے دو شہروں میں اس موضوع پر کانفرنسیں منعقد ہوئیں، پہلی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں، دوسری جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض میں، اور ان میں ندوۃ العلماء میں ہونے والی سبقت کو تسلیم کیا گیا، یہ رجحان بتدریج تحریک بن گیا، اور عرب یونیورسٹیوں کے متعدد شعبہ ہائے ادب کے پروفیسروں نے مولانا کے سامنے ان کے مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں اس کام کے لئے ایک وفاقی انجمن قائم کرنے کی تجویز پیش کی، جس کے لئے ایک کانفرنس کی تجویز رکھی، تاکہ اس میں اس انجمن کی تشکیل کی جاسکے، چنانچہ ۱۹۸۶ء کے آغاز میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل قرار پائی، اور اس کا دستور اساسی منظور کیا گیا، اس کانفرنس میں اور اس تشکیل میں پورے عالم اسلامی کے نمائندہ اہل ادب شریک تھے۔ سب کی رائے سے اس کی صدارت کے لئے مولانا کا ہی انتخاب ہوا، اور ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی میں اس کا صدر دفتر قائم ہوا۔

رابطہ ادب اسلامی کے قیام اور ترقی میں جن لوگوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت الباشا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کے انتقال کے بعد ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح نے غیر معمولی دلچسپی لی، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد رابطہ کے وہی صدر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس رجحان اور اس کے لئے کوشش میں اتنی برکت رکھی کہ اس کا کام پھیلتا گیا۔ شروع میں تو اس کے فکر ونقطۂ نظر کو مختلف اہل ادب نے تردد وشک وشبہ سے دیکھا تھا لیکن بتدریج اس کی اہمیت وضرورت کو تسلیم کیا جانے لگا، اور اس کا صدر دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہونے کے ساتھ ساتھ علاقائی دفاتر مختلف ملکوں

میں قائم ہونے لگے، اور اس وقت اس کے تقریباً ایک درجن ممالک میں دفاتر قائم ہو چکے ہیں جو اسلامی ادب کے مختلف موضوعات پر مجالس مذاکرہ منعقد کرتے ہیں، اور اسلامی ادب کو نظری اور عملی طور پر بڑھانے اور واضح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں، اور ضرورت کے مطابق لٹریچر بھی تیار کرتے ہیں، کام کی وسعت کے لحاظ سے مرکزی دفتر صدر کے مستقر پر اور اس کے دو مرکزی ذیلی دفتر لکھنؤ اور ریاض میں قائم کئے گئے، جو اپنے اپنے قریب کے ممالک کے دفاتر کی رہنمائی و نگرانی کے ذمہ دار بنائے گئے، اور ان کی سرپرستی کے لئے ایک ایک نائب صدور وہیں کے مقرر کئے گئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد عرب علاقائی دفتر کے صدر مرکزی دفتر کے ذمہ دار منتخب ہوئے، اور ان کے لحاظ سے صدر دفتر ریاض منتقل ہو گیا۔

رابطہ ادب اسلامی کے عہدیداران کا نیا انتخاب یا ان کی تجدید ہر تیسرے سال پر ایک کانفرنس کے موقع سے کی جاتی ہے، اور رابطہ ادب اسلامی کی ایک مرکزی کمیٹی جو ٹرسٹی بورڈ (Trusty Board) کہلاتی ہے، اس میں ہر ملک سے ایک یا دو نمائندے اور صدور و نائب صدور اس کمیٹی کے ارکان ہوتے ہیں، یہ رابطہ کے مشاورتی بورڈ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں، اور انتظامی مسائل پر غور ہوتا ہے، اور پالیسی بنتی ہے۔ اور اسلامی ادب کے موضوعات پر لٹریچر تیار کرایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں متعدد وقیع کتابیں منظر اشاعت پر آچکی ہیں۔

رابطہ کے مرکزی و ذیلی دفاتر سہ ماہی اور بعض ماہانہ پرچے بھی نکالتے ہیں، جن میں ادب اسلامی کے موضوعات پر مضامین اور خبریں اور ادیبوں کے زبان و قلم سے نکلا ہوا کلام بھی شامل ہوتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی فکر و رجحان کو مسلمانوں ہی کے مقصد و مزاج کا حامل بنانے اور اس کے تحت ادب کی اصلاح کی کوشش کے اپنے اس نقطۂ

www.abulhasanalinadwi.org

نظر کو اپنی مختلف تصنیفات اور مقالات میں پیش کیا ہے، اور مختلف لوگوں کے تردوات اور شبہات کو دفع کرتے ہوئے اسلامی ادب کی تشریح کی، رابطہ ادب اسلامی کا کام اپنی وسعت کے ساتھ دنیا کے سامنے آنے پر اس میں مولانا کا جو بنیادی حصہ رہا ہے اس کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور یہ محسوس کیا گیا کہ اسلامی روح و مزاج کے دائرہ میں ایک بڑی ضرورت کے پورا ہونے کا انتظام بھی ہوا۔ مولانا نے اپنے مضامین میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ادب آدمی کے اعتقاد اور جذبات سے بنیادی تعلق رکھتا ہے، یہ احساسات و جذبات انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو کے دائرے میں پائے جاسکتے ہیں۔ ادب کو صرف لطف ولذت کے دائرہ میں محدود کردینا یا ادب کی وسعت کو محدود کردینے کے مرادف ہے، اسلامی مزاج ادب کو صالح و مفید رکھتا ہے، اس کا میدان تنگ نہیں کرتا ہے۔ اس سلسلہ کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات ان کی اور ان کی زیر نگرانی لکھی گئی تین کتابوں میں خاص طور پر دیکھے جاسکتے ہیں: "نظرات في الأدب"، "روائع من أدب الدعوة" اور "دین وادب" (۱) اور مختارات کا مقدمہ۔

مولانا نے ادب اسلامی کے تاسیسی سیمینار (منعقدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے موقع پر جو افتتاحی تقریر فرمائی تھی، اس میں فرمایا تھا کہ

> "یہ ادیبوں کی محفل ہے، آپ سب ادب کے طالب علم رہ چکے ہیں، اور اب ادب کے شارح و ترجمان ہیں، آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی چیز کو مختصر کیا جائے تو وہ ایک نقطہ ہے، اور اگر کسی چیز کو پھیلایا جائے تو وہ ایک خط ہے، صفحہ ہے، کتاب ہے، اور ایک عالم کا عالم ہے۔ ادب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور جس مقصد

---

(۱) "دین وادب" راقم کی مرتب کردہ ہے، اول الذکر دونوں کتابیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے سیمینار بلایا گیا ہے اس کا بھی حال یہی ہے، میں اس وقت ایک ادبی محفل میں ہوں، اسی لئے میں غالب ہی کے ایک شعر سے مدد لوں گا، غالب کہتے ہیں:

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

نالہ پابند نے نہیں ہے

رونے اور ہنسنے کی کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہوتی، اور نہ اس کو فن چاہیے، بلکہ سچا ہنسنا اور سچا رونا وہ ہے جو فن سے عاری ہو، جس میں تصنع نہ ہو، کوئی روتا ہے تو درد سے بے قرار ہو کر، کوئی ہنستا ہے تو کسی مسرت کی بنا پر۔ یہ اندر کا جذبہ ہے، اسی لئے رونے اور ہنسنے کے لئے اندر کا جذبہ چاہیے۔ اور وہ رونا رونا کہلانے کا مستحق نہیں جس کو ابھارنے والی اندر کی کوئی چیز نہ ہو، درد نہ ہو، کسک نہ ہو۔ اور وہ ہنسنا ہنسنے کا مصداق نہیں ہے جو کسی کی فرمائش سے ہو۔ ادب کا معاملہ بھی یہی ہے کہ ادب کی کوئی قومیت ہے، نہ وطنیت ہے، نہ جنسیت ہے، اور نہ وہ خاص اصطلاحات کا پابند ہے، نہ خاص ضوابط کا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود ادیبوں نے جنہوں نے اپنی زندگیاں ادب کے لئے وقف کیں، اور اپنی بہترین صلاحیتیں اس کے لئے مخصوص کر دیں، انہوں نے بھی ادب کے سمندر کو کسی آب جو میں تصور کیا۔ ادب ادب ہے، خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفے میں ہو۔ اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات

www.abulhasanalinadwi.org

اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے، اور اس کو قبول کرے۔ میں نے کل عربی سیمینار (۱) میں کہا تھا کہ حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اسے پسند کیا جائے۔ بلبل کو آپ پابند نہیں کرسکتے کہ اس پھول پر بیٹھے، اس پھول پر نہ بیٹھے، لیکن یہ کہاں کا حسن مذاق ہے، اور یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی میخانہ کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے، اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں؟۔ کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمود اور اپنی جلوہ نمائی کے لئے مسجد کا سہارا لیا؟۔ اقبال کا شعر تو ان کے سامنے نہیں پڑھ سکا تھا، مگر آپ کے سامنے پڑھ سکتا ہوں:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

ہمیں حسنِ بے پروا سے مطلب ہے کہ شہر و صحراء سے؟ تو ادب کے ساتھ معاملہ یہی کیا گیا۔ اجازت دیجئے تو فارسی کا بھی شعر پڑھ دوں:

دل عبث لب پہ شکوہ وا نہ کند
شیشہ تا نہ شکند صدا نہ کند

اگر شیشے کی آواز سنئے تو سمجھئے کہ وہ ٹوٹا ہے۔ تو یہ ٹوٹے ہوئے دل اور ایک ٹوٹے ہوئے ساغر کی صدا ہے، صدائے احتجاج ہے

(۱) سیمینار کا وہ سیشن جس میں عربی میں مقالات پیش کئے گئے تھے، اور مخاطب عرب علماء، ادباء اور صحافی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کہ ادیب و ادب کی بارگاہ میں یہ شرط کردی گئی کہ فلاں قسم کی وردی پہن کر آئیں۔ رسمیات سے سب سے زیادہ بے پروا ادب ہے، اس کو ہر گز یہ قبول نہیں کہ وہ فلاں وردی پہن کر آئے، اور فلاں زبان بولتا ہو۔ وہ جہاں بھی ہے ادب ہے، اگر وہ پھٹے پرانے کپڑے میں بھی آئے تو ادب ہے، اور شہ نشیں پر بٹھانے اور ذہن نشیں کرانے کے قابل ہے۔ اور اگر وہ بادشاہوں کا لباس پہن کر آئے لیکن اس کو اپنے مطلب کو صحیح طرح سے ادا کرنے کا سلیقہ نہ ہو تو وہ ادب نہیں ہے۔ ادب اس لئے ادب نہیں ہو جاتا کہ وہ کسی انگریزی داں نے ادا کیا، کسی ترقی پسند نے ادا کیا، شعبۂ ادب کے کسی چیرمین اور پروفیسر نے ادا کیا، صدر نے ادا کیا۔ وہ ادب ادب ہے، خواہ اس کو آپ کسی سائل کی صدا میں سن لیں، کسی غریب کی فریاد میں سن لیں، کسی ماں کو اپنے بچے کو سلاتے ہوئے لوری سنانے میں سن لیں، کسی خدا شناس کے نالۂ نیم شبی میں سن لیں، جو صرف خدا ہی کو سنانا چاہتا تھا، اتفاق سے آپ نے سن لیا۔ اس لئے ادب جس شکل میں ہو، جس زبان میں ہو، اور جس شخص کی زبان سے ادا ہو وہ ادب ہے۔

لیکن ادب کے ساتھ معاملہ یہ کیا گیا (ادھر پچھلے دور میں خاص طور پر) ادب کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ تھوڑا سا مذہب کا مذاق بھی اڑائے۔ وہ ادب مستند نہیں جو کبھی کبھی چٹکی نہ لیتا ہو، مگر آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذاق اڑانے اور چٹکی لینے کا ادب سے کیا تعلق ہے؟ ہو سکتا ہے کہ چٹکی لینے والا ادیب ہو، میں اس

www.abulhasanalinadwi.org

سے انکار نہیں کرسکتا، لیکن ادب کے حدود میں، ادب کی تعریف میں یہ داخل نہیں ہے کہ وہ چٹکی ضرور لے، یا ادیبوں کے مزاج پر موقوف ہے، ان کے رجحانات پر موقوف ہے، ان کے ماحول اور تربیت پر موقوف ہے۔ ادیب غلطی بھی کرتا ہے، ادیب صحیح بات بھی کہتا ہے، لیکن اس کا ادب سے کوئی تعلق نہیں، ادیب سے تعلق ہوسکتا ہے، لیکن اب اس دور میں یہ شرط کردی گئی کہ جب تک آدمی ترقی پسندی کی باتیں نہ کرتا ہو، جب تک قدیم چیز کا مذاق نہ اڑاتا ہو، جب تک مذہبی صحیفوں پر بھی کوئی چھینٹ نہ ڈال دیتا ہو، اس وقت تک وہ ادب نہیں۔ میں صاف کہتا ہوں، اور دبستان ادب کے ادنی طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ادب کی سب سے پہلی زیارت جو نصیب ہوئی وہ آسمانی صحیفوں میں نصیب ہوئی۔ ادب تھا کہاں؟ لیکن جب خدا نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کو زبان دی، اور ان پر معانی کے ساتھ الفاظ وارد کئے تو معلوم ہوا کہ ادب اسے کہتے ہیں۔ ادب کی تاریخ میں آسمانی صحیفوں سے پہلے ہمارے پاس کوئی دستاویزی ثبوت نہیں۔ اگر ہو کسی کے پاس تو بتائے کہ ادب کب آیا؟ ادب سے دنیا متعارف کب ہوئی؟ پہلے آسمانی صحیفوں کے ذریعہ ہی ہوئی۔ پھر قرآن مجید نے آکر تو اس پر ہمیشہ کے لئے مہر لگادی۔ (نزل به الروح الأمين ، على قلبك لتكون من المنذرين ، بلسان عربي مبين ﴾ ادب کا پایہ کتنا بلند کیا خدا نے کہ اپنی کتاب کی تعریف ادب کے

www.abulhasanalinadwi.org

ساتھ کررہا ہے، یعنی کہ وہ ایک معجزہ ہے، اورلسان عربی مبین میں ہے، حالانکہ خدا سے زیادہ بے نیاز ذات کسی کی نہیں۔ لیکن اس نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے جو بہتر سے بہتر پیرایہ ہوسکتا ہے اس کو استعمال کیا"۔(۱)

ادب کے سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فکر ورجحان صرف زبانی اور دعوتی ہی نہ تھا بلکہ اس کو انہوں نے عملی طور پر خود بھی اپنی تحریروں اور تصانیف میں اختیار کیا، چنانچہ مولانا کی تحریروں اور تقریروں میں خواہ وہ عربی کی ہوں یا اردو کی، ان کا ادبی اسلوب نمایاں نظر آتا ہے، بلکہ وہ ادبی لحاظ سے ایک مستقل ادبی اسلوب رکھنے والے ادیب نظر آتے ہیں، ان کا خاص کمال یہ ہے کہ انہوں نے ادب کے بیک وقت تین پہلوؤں کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ ان میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا، ایک تو خالص ادبی موضوع پر لکھنے کا اسلوب جو اسی کے معتبر معیار کے مطابق ہے۔ دوسرے بچوں کے لئے لکھنے کا اسلوب جو اس کے پورے معتبر معیار کے مطابق پایا جاتا ہے۔ تیسرے فکری موضوعات میں ایک متوازن معیار کی ادبی چاشنی۔ یہ مولانا کی ایسی خوبی تھی جس کو عام طور پر خوب سراہا گیا، اور اس کی وجہ سے مولانا بیک وقت ایک مفکر، ایک داعی اور ایک ادیب تسلیم کیے گئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ادب اسلامی کی وضاحت، تقویت اور ترقی کے لئے جو فکرمندی ظاہر کی اور اس سلسلہ میں جو ممکنہ کوشش کی وہ نہ صرف یہ کہ لائق قدر تھی بلکہ اس کے لئے عالم اسلامی کے اسلامی الفکر حلقوں سے عملاً خاصی قدردانی کا اظہار بھی ہوا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اس کی بڑی بڑی کانفرنسیں ہوئیں جن میں زبان وادب کے ماہرین اور ممتاز اہل قلم نے اپنے اپنے ملکوں اور علاقوں کی نمائندگی

---

(۱) دین وادب صفحہ ۴۱ – ۴۲

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے ہوئے شرکت کی۔ترکی، مراکش، مصر، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور یورپ میں آکسفورڈ نیز امریکہ میں اور اردن میں ادب اسلامی کے نئے نئے موضوعات پر بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوئے۔ ہندوستان میں ملکی سطح پر جو سیمینار منعقد ہو چکے ہیں ان کی تعداد بیس سے اوپر ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان سیمیناروں میں شرکت کا التزام رکھتے تھے، اور توجیہی وصدارتی کلمات کے علاوہ وہ اپنے مقالہ کے ساتھ شرکت کرنے کا اہتمام فرماتے۔ مولانا کی ہی سرپرستی میں رابطہ ادب اسلامی کے ریاض دفتر سے عربی میں مجلة الأدب الإسلامي نکلنا شروع ہوا، اور اس کے لکھنؤ دفتر سے اردو میں ''کاروان ادب'' کا اجرا ہوا، اور یہ دونوں رسالے تین ماہ کے فصل سے برابر نکل رہے ہیں۔ لاہور پاکستان سے اردو کا مجلّہ ''قافلۂ ادب اسلامی'' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ رابطہ ادب اسلامی کے یہ دفاتر اہم موضوعات پر مقالات لکھانے اور کتابیں شائع کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، اور ایک اچھا ذخیرہ اب تک سامنے آچکا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا کام اور تحریک پیام انسانیت کا قیام

قوموں کی عظمت اور وقار کی تعمیر ان کارناموں سے ہوتی ہے جو ان کے فرزندوں کے ذریعہ ان کے ملکوں کی تعمیر و ترقی کے میدانوں میں انجام پاتے ہیں، ملکوں اور ان کی تہذیبوں کی تاریخ انہی کارناموں سے بنتی ہے، اور دنیا میں انہی سے ان کا امتیازی مقام بنتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سماجی و ملی اور تہذیبی تینوں سطح پر بھی بڑا کام انجام دیا ہے، انسانیت اور خاص طور پر مسلمانوں کی علمی و مذہبی ترقی کے لئے اہم خدمات انجام دی ہیں، جن کو ملک میں اور ملک کے باہر بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور قدر کی جاتی ہے، علمی لحاظ سے وہ ایک بلند پایہ عالم اور ایک کامیاب مصنف، سماجی لحاظ سے ایک مصلح و مربی اور مذہبی لحاظ سے ایک عظیم المرتبت بزرگ اور مقبول عام خطیب تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ملک کے لئے وطن دوست اور اس کی ترقی کی فکر رکھنے والے تھے، وہ اس کے حق کو ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے، چنانچہ اپنی کتابوں میں اسی حق شناسی کے ضمن میں انہوں نے ہندوستان کی علمی و تمدنی ترقیات کا

کھلے دل سے ذکر کیا، اور باہر کی دنیا کو ان سے روشناس کرایا، اس سلسلہ میں ان کا مجموعہ مضامین "المسلمون في الهند" اور "الدعوة الإسلامية و تطوراتها في الهند" اور مختلف مقالات اور تقریریں دیکھی جاسکتی ہیں، جن کے ذریعہ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں اور ہندوستان میں کیے گئے علمی و تمدنی کارناموں کا تعارف انہوں نے عرب ممالک میں کرایا۔ اس معاملہ میں ان کے والد بزرگوار مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو نمایاں سبقت حاصل رہی تھی، اور غالباً اسی کا اثر مولانا میں آیا تھا۔ اسی کے ساتھ مولانا نے اپنے ملک ہندوستان کے باشندوں کو بھی اپنی اعلیٰ اقدار پر قائم رہنے اور ان کے سلسلہ میں جو کوتاہی ان کو نظر آتی اس کو دور کرنے کے لئے باقاعدہ مہم چلائی، اور اس کے لئے پیام انسانیت فورم قائم کیا، جس کے جلسے وہ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد کرتے تھے، جن میں مذہب کے فرق اور طبقاتی اختلاف سے اوپر ہو کر اعلیٰ انسانی خصوصیات کی طرف جن کو ہر مذہب میں سراہا گیا ہے توجہ دلاتے تھے۔ البتہ اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات نے جو رہنمائی کی ہے اور جو نمونے مسلمانوں کی عظیم شخصیتوں کے تاریخ میں محفوظ ہیں مولانا ان کا حوالہ بھی دیتے تھے۔ ان کی اس تحریک کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے تھے، اور ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو مدد ملتی تھی، جس کا اعتراف مختلف مذاہب کے دانشوروں نے کیا جن میں عدالتوں کے جج اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر حضرات شامل ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس طرح کے موقعوں کی تقریریں ان کے پیام انسانیت اور مقام انسانیت کے کتابچوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، جن میں ہندوستانی معاشرہ میں پھیلی ہوئی اخلاقی کمزوریوں اور انسانیت سوز باتوں کی طرف نشان دہی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا تھا کہ جو عام شہری کا اخلاق اور کردار ہے وہ ملک سے کم ہوتا جارہا ہے، وہ کہتے تھے کہ زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

طرف توجہ دلانے والے بھی بہت کم ہو گئے ہیں، یہ ملک کو نقصان پہنچانے والی بات ہے، ملک کی طاقت وعظمت اس کے کردار سے ہے، کردار کا زوال ہوتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ قوم وملک دونوں زوال کی طرف جارہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کا بہت توجہ سے مطالعہ کیا تھا، انہوں نے ہندوستان کی تاریخ، یورپ کی تاریخ، عربوں اور مسلمانوں کی تاریخ اور غیر مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ ان کے اپنے اپنے فرق کے ساتھ کیا تھا، اور اپنے اس مطالعہ سے قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کو سمجھا تھا، اور اس کی بناء پر ان کے حساس قلب نے بہت اثر لیا تھا، وہ چاہتے تھے کہ تاریخ کے وہ ادوار جو شاندار رہے ہیں واپس آئیں، اس کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں زور دیکر ظاہر کیا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے تمدنی وثقافتی عروج کی تاریخ کو جس کو وہ ایک جامع انسانی خصوصیات کی تاریخ محسوس کرتے تھے، اور اس کی اعلیٰ خصوصیات نے دوسرے ملکوں اور قوموں کو جو فائدہ پہنچایا، اور انسانی وتمدنی لحاظ سے ان ملکوں کی تہذیب وتمدن کو جو فائدہ پہنچا ہے اس کا ذکر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں کیا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ مسلمانوں کو خاص طور پر متوجہ کرتے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ تم پوری انسانیت کی خیر خواہی کرنے والے ہو، تمام انسانوں کو بہتر احوال واخلاق کی طرف لانے کے سلسلہ میں جو ممکن کوشش ہو اس کو اختیار کرو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کہتے اور لکھتے تھے کہ اسلام امن اور انسانی ہمدردی کا مذہب ہے، قرآن وحدیث میں اس کے لئے کوشش کرنے کی تلقین آئی ہے، مسلمانوں کو اس کی رو سے نفع حاصل کرنے سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہونا چاہئے، وہ اس کام کو ایک مشن کی طرح کرتے تھے۔

وہ ہندوستانی اہل اقتدار سے ملتے تو ان کو بھی اعلیٰ انسانی اقدار اختیار کرنے

کی اور ملک وقوم کی خیر خواہی کرنے کی تلقین کرتے تھے۔انہوں نے اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں ان کو نصیحت کی کہ عوام کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی اور رعایت کا طریقہ اختیار کریں۔اور بعد میں جب وہ وزیر اعظم دوبارہ منتخب نہیں ہوسکیں،اور مولانا سے ان کے گھر پر ملنے آئیں تو ان کو مولانا نے توجہ دلائی کہ ہندوستان کی قیادت میں سب کے ساتھ منصفانہ سلوک اختیار کرنے کو اپنا وطیرہ بنائیں۔

راجیو گاندھی کے دور اقتدار میں ان کو نصیحت کی کہ ہندوستان مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے، ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کی ہدایات پر عمل کرنے کی سہولت کو برقرار رکھا جائے،اس سلسلہ میں اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کے لئے جو ضابطہ ہے اس پر عمل کرنے کا ان کا حق تسلیم کیا جائے۔مولانا نے یہ بات ان سے بار بار کہی حتیٰ کہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ کے سلسلہ میں جو مسلمان عورت کے مسئلۂ طلاق کے سلسلے میں اسلامی شریعت کے خلاف ہوا تھا،اس کے ازالہ کے لئے پارلیمنٹ میں باقاعدہ بل لا کر شریعت کے مطابق قانون بنوانے میں بہت مدد ملی ،اور یہ ایک بڑا کارنامہ سمجھا گیا۔

بابری مسجد کا جب مسئلہ تازہ تازہ شروع ہوا تھا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو توجہ دلائی تھی کہ حکومت کی طرف سے اس بات کا اعلان کریں کہ آزادی کے وقت عبادت گاہوں اور یادگاروں کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت قائم رکھی جائے گی،اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا کہ مسئلہ کے طول پکڑنے سے قبل اس کا تدارک کرلیا جائے تاکہ کوئی خراب صورت نہ پیدا ہو۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستانی قائدین کے سامنے فرقہ وارانہ تشدد کے لئے آگ سے مثال دی اور کہا کہ آگ کا قاعدہ ہے کہ کھانے کو اس کو جب کوئی چیز نہیں ملتی تو وہ خود اپنے کو کھالیتی ہے،اس لئے فرقہ وارانہ تشدد سے سب کا نقصان ہے اس

www.abulhasanalinadwi.org

مثال کو خاص طور سے ہندوستان کے ایک دوسرے وزیر اعظم وی پی سنگھ نے جن کو بھی مولانا نے بار بار بڑے ناصحانہ مشورے دیئے تھے، اس بات کو بہت سراہا۔

نرسمہا راؤ کے دور اقتدار میں ان سے ملاقات پر ان کو یہ توجہ دلائی کہ ہندوستان کی آزادی کے حاصل کرنے والوں کو قوم کا اخلاقی کردار بنانے کی بھی فکر تھی، وہ فکر آج ملک سے ختم ہو چکی ہے، اس کے لئے آپ لوگوں کو توجہ کرنا چاہئے، اقتدار اور دولت کی ہوس اس وقت سب پر طاری ہے، یہ ملک کے لئے بہت خطرہ کی بات ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ دلائی کہ آپ لوگ ملک میں نکلئے اور لوگوں کو اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کیجئے تا کہ ملک درست راستہ پر چلے اور عظیم ملک بن سکے۔

وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آخری علالت میں ان کی مزاج پرسی کے لئے آئے تو اس وقت جب کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بولنے میں بھی دقت ہو رہی تھی، یہی کہتے رہے کہ باجپئی جی! ملک کو بچایئے، ملک بڑے خطرہ میں ہے، مال اور اقتدار کی محبت نے تمام اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے، ملک کو بچایئے۔

دیگر وزراء اعظم کو بھی مولانا نے ان کی ذمہ داری ملنے پر اخلاقی اور انسانی ذمہ داری یاد دلائی، اور ملاقات پر یہ باتیں کہیں، اور ملاقات نہ ہونے پر خطوط کے ذریعہ متوجہ کیا۔

پیام انسانیت کے جلسوں میں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذاتی اغراض اور مال کی ہوس سے بلند ہو کر اعلیٰ اقدار اختیار کرنے کی دعوت دیتے، اور افسوس کا اظہار کرتے کہ اس وقت جائز و ناجائز کا لحاظ ختم ہو چکا ہے، ہر ایک ملک کو نہیں، صرف اپنے ذاتی نفع کو دیکھتا ہے، خواہ ملک کا بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے، یہ اچھی علامت نہیں ہے۔

برائی دور کرنے اور اچھے اقدار اختیار کرنے کی مولانا کی یہ فکر صرف وطنی دائرہ کے اندر رہتے ہوئے ہی نہ تھی، بلکہ ایک مسلمان عالم دین کی حیثیت سے

www.abulhasanalinadwi.org

مسلمانوں کی دورنگی کی فکر خاص طور پر کرتے تھے، اس کے لئے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے کوشش کرتے، اور تقریر کرتے، اور مضامین لکھتے تھے، وہ مسلمانوں کو توجہ دلاتے تھے کہ اسلام نے جو اقدار تم کو دی ہیں ان کو بھلاتے جارہے ہو، اور اخلاقی لحاظ سے گرتے جارہے ہو، اپنے کو سنبھالو، تم کو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ساری انسانیت کو غلط راہ سے بچانا ہے، اور اعلیٰ اقدار کی طرف لانا ہے، اس کے لئے تاریخ کے واقعات سے مثالیں دیتے تھے کہ مسلمانوں نے جب بھی اپنے اعلیٰ اقدار سے پہلو تہی کی تو ان کو نقصان ہوا، اور ذلت ہوئی، اور جب اعلیٰ اقدار کو اختیار کیا تو عزت بھی حاصل ہوئی اور ملکوں اور قوموں کو تباہی سے بچایا، تم کو شکی کا اور اعلیٰ مقاصد کا پیامبر ہونا چاہئے تمہارے رسول سیدنا محمد (ﷺ) نے یہی سکھایا ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب انسانوں کا رب ہے، سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے، سب پر لازم ہے کہ وہ اپنے مالک اور اپنے پروردگار کو پہچانیں، اور اس کی زمین پر انسانوں اور آپس کی محبت اور ہمدردی اور اپنے رب کی بندگی کے ساتھ زندگی گذاریں، اور ترقی کریں، اور خوش رہیں، دانشوروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی فکر رکھیں، اور اس کے لئے کوشش کریں۔

مولانا کی اس طرح کی کوششوں میں خاص بات یہ تھی کہ عقیدہ اور احکام شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہوئے اور اس کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بات کہتے تھے، تاکہ مولانا کی کسی تقریر یا نصیحت سے یہ تأثر نہ پیدا ہو کہ مولانا سب مذہبوں کو یکساں سمجھتے ہیں، اور ان کے ذہن میں اس سے کوئی وحدت ادیان کا مطلب نہ سمجھ لے۔ اس لئے کہ مولانا کا عقیدہ تنہا اسلام کے صحیح مذہب ہونے اور اس کی شریعت کے خدا کی واحد شریعت ہونے کا پختہ عقیدہ تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں اور مضامین کے ذریعہ اپنے کام اور

www.abulhasanalinadwi.org

پیغام کو پھیلایا، اور تقریروں اور ڈائیلاگ کے ذریعہ بھی اپنی بات عوام تک پہنچائی۔ وہ ملک میں ہم وطن ہونے کے تعلق سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو پڑوسی کی حیثیت سے ایک دوسرے کا لحاظ کرنے والا اور خیال رکھنے والا دیکھنا چاہتے تھے۔ اس بات کی ضرورت بتانے کے لئے وہ شہر شہر جلسے کرتے تھے، اور مختلف طبقات کے سربرآوردہ لوگوں کو جو ملک کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہوں، شریک کرتے تھے، بلکہ ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہوئے ان کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع بھی دیتے تھے، یہ جلسے ملک کے مختلف مذاہب اور مختلف رجحانات کے حاملین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لینے کا کام انجام دیتے تھے، اس سے ایک دوسرے کے مذاہب کو سمجھنے کا بھی موقع فراہم ہو جاتا تھا، اور ہندو مسلم کے مابین ناواقفیت و ٹکراؤ کی فضا کو بدلنے میں مدد ملتی تھی، یہ پیام انسانیت فورم تا حال کام کر رہا ہے۔

مولانا کے اس نوعیت کے کام میں ان کو کئی اچھے رفیق حاصل تھے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ہیں جو ہم وطن غیر مسلموں کے مزاج سے واقفیت رکھتے ہیں، اور مولانا ان پر بڑا اعتماد بھی رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ اپنی اپنی خصوصیت کے لحاظ سے مولانا اسحاق جلیس مرحوم اور قاضی عبدالحمید اندوری صاحب مرحوم نے بھی مولانا کے اس کام میں بہت مفید تعاون کیا، اور پونہ کے پروفیسر انیس چشتی صاحب سے بھی بہت تعاون ملتا رہا، اور وہ اس وقت بھی اس کام پر توجہ دیتے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں وسیع القلبی اور آپسی اختلافات کو کم کرنے کا ایسا مزاج تھا کہ مختلف نظریات کے لوگ مولانا کی رہنمائی کو بخوشی قبول کر لیتے تھے، اس طرح مختلف الفکر اصحاب کے درمیان مولانا کی شخصیت کو متفقہ شخصیت تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس رواداریانہ شخصیت کی وجہ سے مولانا کے متعلق خیر خواہانہ

اور صلح جو ہونے کا تصور مسلمانوں سے بڑھ کر ملک کے غیر مسلموں میں بھی پھیل گیا تھا، اور سب کے دلوں میں مولانا کا احترام تھا، ہندوستان کے تقریباً سب رہبران قوم نہ صرف یہ کہ مولانا کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے بلکہ ان کو وقعت اور تعلق خاطر کی نظر سے دیکھتے تھے، حکومت کے ذمہ دار تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کو وقعت کے ساتھ سنتے اور خیال رکھتے تھے، حالانکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس روادارانہ طبیعت کے باوجود اپنے عقائد اور خیالات میں بہت پختہ تھے، اور مذہبی امور میں تو پوری پختگی کے ساتھ عمل کرنے والے تھے، جب ان کے سامنے اپنے اسلامی عقائد و اعمال کا معاملہ آجاتا تو اس میں کسی ردو بدل یا ردو قدح کو قبول نہیں کرتے تھے، لیکن اس کے لئے کوشش میں افہام و تفہیم کے عمل کو ترجیح دیتے تھے، برہمی یا ٹکراؤ کا طرز اختیار کرنے کو مفید نہیں سمجھتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس امن پسندانہ طرز سے بعض بہت اہم اور مشکل ملی معاملات میں بات منوانے میں کامیابی حاصل کی، اور اپنے اس طرز و مزاج کی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کے ایک مشترکہ رہبر بن گئے تھے، کہ جب مسلمانوں کے مشترکہ معاملات کا مسئلہ سامنے آتا تو عموماً مولانا پر سب کا اتفاق ہو جاتا تھا، اور حکومت وقت بھی مولانا کی اس نمائندگی کو اہمیت دیتی تھی۔

بات یہ تھی کہ ملک کی ترقی اور فلاح کے معاملہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن بہت صاف تھا، وہ کہتے تھے کہ وطن ایک مشترک چمن ہے جس کے سب رہنے والوں پر اس کی ترقی اور بہتری کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، یہ صرف اکثریت کا ملک نہیں ہے، اکثریت کے ساتھ تمام اقلیتیں بھی پورا استحقاق رکھتی ہیں، اور ہندوستانی دستور نے یہ استحقاق تسلیم کیا ہے، اور اس پر عمل کرنے ہی میں ملک کی سالمیت اور طاقت کا انحصار ہے، ملک کے مشترک فائدے کے لئے ایک دوسرے کا آپسی تعاون ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ ملکی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنی اپنی نسل، اپنے اپنے طبقہ کو ترجیح دی

www.abulhasanalinadwi.org

جائے، اس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، اکثریت و اقلیت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واپنائیت کا معاملہ رکھیں، ورنہ ملک کمزور ہوگا اور تباہی کی راہ پر پڑ جائے گا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ بات صرف سمجھتے ہی نہ تھے بلکہ اس کو ملک کے دانشوروں کے سامنے بلکہ حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے پوری طاقت سے رکھتے تھے، مولانا ان سے فرماتے تھے کہ آپ لوگ اپنے کو صرف حکومت کرنے اور ووٹ حاصل کرنے تک محدود نہ رکھیں، اس وقت ملک میں جو کرپشن ہے، اور ہر ایک شخص خود غرضی کے ساتھ فائدہ اٹھانے کی جو کوشش کر رہا ہے، خواہ اس سے ملک کا نقصان ہو، اس کو روکنے اور سمجھانے کے لئے ملک کے رہنماؤں کو سماجی سدھار کے لئے رضا کارانہ کوشش کرنا چاہئے، قوم میں نکلیں اور سماجی اصلاح کی کوشش کریں، ورنہ ملک برباد ہو جائے گا، ملک کو آزاد کرانے والوں نے سماجی سدھار کی بھی فکر کی تھی، جس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ یہ فکر اور افسوس کی بات ہے کہ اب یہ کام چھوڑ دیا گیا ہے۔

مولانا نے پیام انسانیت کا کام ۱۹۵۴ء کے آغاز سے شروع کر دیا تھا۔ اس کے لئے پروگراموں کا انعقاد کرایا جاتا جس میں مولانا کی انسانیت کی بہی خواہی اور سماج سدھارنے کی طرف توجہ دلانے والی اور جھنجھوڑنے والی زبردست تقریریں ہوتیں۔ ان میں سے بعض مجموعے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مگر باقاعدہ تحریک کا آغاز ۱۹۷۴ء میں الہ آباد شہر سے کیا۔

یہاں ہم اس تحریک کے مقصد اور پیام سے واقف اور مانوس ہونے کے لئے مولانا کی ہی ایک تقریر سے جو مئو (یوپی) میں ۲۴ رجنوری ۱۹۵۴ء کو مسلمان و ہندوؤں کے ایک مشترک مجمع میں کی گئی تھی، ایک طاقتور اقتباس پیش کرتے ہیں، جس میں اس تحریک کی روح آگئی ہے، مولانا نے فرمایا تھا کہ:

"ہم اپنے پیام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا

www.abulhasanalinadwi.org

وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ ہمارا کام ہوگیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا۔آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان عنقا ہے۔ ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو۔آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں، آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجیے۔ہم آپ کے کاموں میں روڑا اٹکانے نہیں آئے، ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجیے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے آئے ہیں۔کاش یہ چبھن پیدا ہو۔ یہ پیغمبروں کا کام اور ان کا پیغام ہے۔ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں۔کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے، لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انہیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم اس سرمایہ کو چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے بھی تاجرانہ ذہنیت اپنالی، اور بیوپاری بن گئے۔تمہاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے۔تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھو دیا۔تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے، اور کامیاب و بامراد جیتے رہتے۔اب تمہاری

www.abulhasanalinadwi.org

فلاح اسی میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو۔ دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ پیغمبروں کے کام کی قدر کریں۔ سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں قیادت کی جنگ اور غلبہ واقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشے کو بنانے کی کوشش کریں، اور اپنے متعلقین اور دوستوں کے بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں، کہ اس سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہوسکتا۔"(۱)

مولانا کی یہ صفت اور فکرمندی ایسی تھی کہ ملک کے سب دانشور خواہ مسلمان ہوں یا ہندو مولانا کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے، اور جب مولانا کی وفات ہوئی تو سب نے خواہ سیاسی اور مذہبی اختلاف رکھتے ہوں مولانا کی وفات کو ملک و ملت کا خسارہ قرار دیا، اور افسوس کا اظہار کیا، اور مولانا سے محبت وعقیدت کے جذبات پیش کیے۔

(۱) ملاحظہ ہو: پیام انسانیت: پبلک جلسوں کی پانچ تقریریں، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

بنیادی دینی تعلیم کا کام اور دینی تعلیمی کونسل

ہندوستان جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف رنگ ونسل کے لوگ بستے ہیں، جب آزاد ہوا تو اس کی آزادی سے فائدہ اٹھانے کا حق اس کے سب باشندوں کو یکساں حاصل ہوا، اور ہندوستان کے دستور سازوں نے اس کو تسلیم کیا، اور دستور میں اس کو واضح بھی کیا کہ اس ملک کے تمام باشندوں کو اپنے اپنے مذہب، اپنے اپنے عقیدہ اور اپنی اپنی پسند کے مطابق زندگی گذارنے کا حق حاصل ہے، کسی ایک کی قدروں اور عقیدوں کو کسی دوسرے کی قدروں اور عقیدوں پر غالب نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ حکومت کسی بھی پارٹی کی ہو، حکومت کے ذمہ داروں کا جو بھی عقیدہ ہو، وہ جس طبقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں، ان کی ذمہ داری ملک کا صحیح انتظام کرنا، امن وامان کو برقرار رکھنا اور مذہب ونسل کے فرق سے بلند ہو کر سب کے شہری حقوق کی حفاظت کرنا ہے، اور ان کو آزادی اور جمہوریت کا جو استحقاق ہے اس کو ان کے لئے مہیا کرنا ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ حکومت کے لئے جو پارٹی اور جس مذہب کے ماننے والے منتخب ہوتے رہے ہیں وہ اپنے عمل سے اور اپنی کارکردگی سے اس توازن کو برقرار رکھنے میں کچھ نہ کچھ کوتاہی کرتے رہے ہیں، اور یہ کوتاہی مذہبی فرق کی بنیاد پر

www.abulhasanalinadwi.org

زیادہ تر مسلمانوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے اپنی نئی نسل کے اسلامی تشخص کے بقا کی حفاظت کے انتظام میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس دشواری کو مسلمانوں کے دانشور طبقہ نے محسوس کیا اور اس کا انتظام اپنے عوامی اور شخصی ذرائع سے کرنے کی کوشش کی، اس میں سرفہرست یوپی کے کئی اصحاب احساس اشخاص کا نام نمایاں رہا۔ ان میں ضلع بستی کے ایک مجاہد آزادی اور غیرت مند مسلمان قاضی محمد عدیل عباسی نے ایک بہت کارآمد تدبیر اختیار کی، وہ یہ کہ مسلمان بچوں کو حکومتی نظام تعلیم سے روکے بغیر ان کے لئے پرائمری سطح پر ایک متوازی اسلامی تعلیم کا نظم کریں، جو اسکول کے اوقات کے علاوہ اوقات میں دی جائے۔ اس کے علاوہ کل وقتی، آزاد، خود کفیل مکاتب کے قیام کی کامیاب تحریک کا آغاز بھی کیا، اور مسلمانوں کے سامنے تجویز رکھی کہ یہ پورا نظام تعلیم خود مسلم عوام کے ایسے معمولی تعاون سے چلایا جائے جو ان کے لئے قابل برداشت ہے۔ قاضی صاحب نے اس تدبیر کو قوم کے سامنے رکھا اور اس میں ان کو مدد ورفاقت پر آمادہ کیا۔ اس سلسلہ میں جو حضرات ان کے اولین رفیق بنے ان میں خود ان کے ایک قریبی عزیز مولانا محمود الحسن عثمانی تھے۔ اور ان کے اس نقطۂ نظر کو سراہنے والوں میں نمایاں مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہما تھے۔

یہ ادارہ ''دینی تعلیمی کونسل'' کے نام سے تشکیل پایا، اور اول روز سے اس کی صدارت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے حصہ میں آئی۔ اور قاضی صاحب اس کے جنرل سکریٹری اور اولین عملی ذمہ دار بنے۔ ان کو معاونت کے لئے وکیل ظفر احمد صدیقی صاحب، پرنسپل ریاض الدین احمد صاحب اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب جیسے جذبۂ کار کے حامل اور ملت اسلامیہ کے متعدد اصحاب شعور و عمل حضرات حاصل ہوئے، اور اس جماعت نے اس ادارہ کے پلیٹ فارم سے متعدد کام انجام

www.abulhasanalinadwi.org

دیئے۔ان کی کوشش سے صوبہ یوپی میں قریہ قریہ گاؤں گاؤں یہ مکاتب قائم ہوئے، اور لاکھوں بچوں کوان کی بنیادی مذہبی تعلیم سے روشناس کیا گیا۔اور یہ کام نہایت منظم طریقہ سے انجام پایا۔اس کی اہمیت اور ضرورت کوکونسل کی مختلف کانفرنسوں میں واضح کیا گیا،اور پڑھے لکھےاور مسلمانوں کے باشعور طبقہ کوروشناس کرایا گیا۔یہ ملت کے مذہبی وثقافتی بقا کے لئے نہایت ضروری کام تھا۔اس کی اہمیت ان خطبات سے معلوم کی جاسکتی ہے جوصدراور سکریٹری حضرات کے خطبات میں واضح کی گئی ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے اس دینی وتعلیمی قافلہ میں دیگر ذمہ داروں کا اضافہ ہوتا گیا،اور بعض حضرات اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہوتے گئے۔آخر میں اس کے اہم اور بنیادی کارگذاروں میں محترمی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحبؒ جنرل سکریٹری،اوران کے معاونین میں ڈاکٹر مسعودالحسن عثمانی اور پروفیسر نفیس احمد صدیقی نمایاں حضرات ہوئے۔اب اس وقت مولانا سعیدالرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نائب صدر،وپروفیسر نفیس احمد صاحب صدیقی علی گڑھ نائب صدر،اورڈاکٹر مسعودالحسن عثمانی صاحب جنرل سکریٹری کے اہم عہدوں پر فائز ہیں۔اوران حضرات کی فکروکوشش سے اس کا کام اور میدان وسیع ہوا ہے،اور علاقائی سطح پر مختلف جگہوں پر اہم اور تاریخ ساز کانفرنسیں منعقد کی جاچکی ہیں،جن میں حالیہ دنوں میں رائے بریلی اور مرادآباد کی کانفرنسیں اور ہریانہ میں یمنانگر میں واقع بوڑیہ کی کانفرنس خصوصی اہمیت کی حامل رہیں۔اس کی پہلی دینی تعلیمی کانفرنس ۳۰-۳۱؍دسمبر ۱۹۵۹ء کوبستی میں منعقد ہوئی تھی۔اوراسی وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر منتخب ہوئے تھے جو چالیس سال تک یعنی ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء تک تاحیات صدر رہے۔

قاضی محمد عدیل عباسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ہندوستان کی تحریک

www.abulhasanalinadwi.org

آزادی کے ایک کارگذار فرد تھے، اور سیکولر سیاست کے حامی تھے، لیکن بحیثیت ایک باشعور مسلمان کے ان کو اس ملک میں مسلمانوں کے ملی تشخص اور مذہبی عقیدہ کی حفاظت کی بڑی فکر تھی، اور ملک کے ذمہ داروں کا اس سلسلہ میں جو غیر عادلانہ رویہ تھا وہ ان کو بہت محسوس ہوتا تھا، لہذا انہوں نے اس کے تدارک کے لئے اپنی مصروفیات وقف کردیں، اور دل سوزی کے ساتھ یہ کام انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کی آزادی کے وقت ہی سے خاص طور پر اس مسئلہ کی بڑی فکر ہوگئی تھی، چنانچہ انہوں نے اس کے لئے جگہ جگہ تقریریں کیں، اور ذمہ داران حکومت کو خطوط کے ذریعہ متوجہ کرنے کی کوشش کی، اور دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل کے وقت ہی سے اس کو اپنی توجہات سے تقویت پہنچائی۔ اس سلسلہ میں ان کی صدارتی تقریریں، مختلف موقعوں پر ان کے خطابات، ان کی اسی توجہ وفکر مندی کے آئینہ دار ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ملک کے حالات کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے موقع پر اپنی اولاد کے سامنے نہایت دردمندی کے ساتھ ان کا جو جملہ قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے کہ ﴿ ما تعبدون من بعدي ﴾ (کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟) اس کو وہ بڑی دردمندی کے ساتھ پڑھتے اور توجہ دلاتے کہ اے مسلمانو! اپنی نئی نسل کے ایمان وتوحید کی حفاظت کرو۔ دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے جو کہ سب ایمان وتوحید والے ہی تھے، لیکن ایسے ملک میں تھے، یعنی فرعون کے زمانہ کا مصر جہاں پر مسلمان اقلیت میں تھے، کس طرح اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی جوان کی زندگی کے اختتام پر ان کی بے چینی اور فکرمندی ظاہر کرتی ہے کہ ان کی اولاد ایمان وتوحید پر قائم رہے۔ تو اے مسلمانو! تمہارے لئے بھی اس مسئلہ کی فکر تم میں سے ہر فرد پر لازم ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ وہ مرنے سے قبل اس کا انتظام کرجائے کہ اس کی اولاد ایمان وتوحید پر قائم رہے۔

بنیادی دینی تعلیم کے سلسلہ میں مولانا کے فکر ونظریہ کو سمجھنے کے لئے ان کی یہ تحریر پیش کی جاتی ہے، جو علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس الہ آباد (منعقدہ ۱۷رفروری ۱۹۸۵ء) کے خطبۂ صدارت سے ماخوذ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''حضرات! جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے، اس کے لئے دینی تعلیم اور دین کی بنیادی واقفیت کی وہی حیثیت ہے جو ایک انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی کی ہے۔ ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے، مسلمان کہلانے کے لئے اور پھر آخرت میں خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کو منہ دکھانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا اور پانی کی ضرورت ہے۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، اس لئے کہ مسلمان کسی نسلی تسلسل کا نام نہیں ہے، کسی قومیت کا نام نہیں ہے، کسی تہذیب کا نام نہیں ہے، (تہذیب اس میں شامل ہے)، تہذیب اس کے تقاضوں اور اس کی معاون چیزوں میں سے ہے) لیکن اسلام محض ایک تہذیب، خالی ایک کلچر نہیں، کسی ذات برادری کا نام نہیں۔ کسی برہمن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوجائے تو وہ بہرحال برہمن ہے، چاہے مانے یا نہ مانے، اس کے لئے اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں بھی بہت سی پشتیں اور خاندان ہیں جن پر مسلم معاشرہ میں فخر کیا جاتا ہے، اور لوگ ان کی وجہ سے عزت

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے ہیں، لیکن اصل نسبت صحیح عقیدہ، اللہ سے صحیح رشتہ غلامی وعبودیت ہے، اور اس کا صحیح طریقہ تعلیم ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار میں) اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے سب فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کرکے (اور وہ ماشاءاللہ کثیر الاولاد تھے) دریافت فرمایا کہ ﴿ما تعبدون من بعدي﴾ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے!!!"۔

آگے مولانا فرماتے ہیں:

"اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے، اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے، تو میں کہوں گا کہ ﴿ما تعبدون من بعدي﴾ لکھ دو، پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے، اور جب تک دنیا میں ہے، اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لئے، اپنی آئندہ نسل کے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ ﴿ما تعبدون من بعدي﴾ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، معاشرہ کے پیمانہ پر، محلّہ کے پیمانہ پر، قصبہ کے پیمانہ پر، اور آخر میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانہ

پر ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستہ پر چلے گی؟ وہ کس گروہ یا ملت کی پیرو ہوگی؟ کس کی پرستش کرے گی؟ کن عقائد کو مانے گی؟ یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں خداؤں اور دیوتاؤں کی؟ یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی؟۔"(۱)

اس سلسلہ میں مولانا کا احساس شروع سے بہت شدید رہا ہے، دینی تعلیمی کونسل کی تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی مولانا نے ملک کے اکثریتی فرقہ کے قائدین کے اس رجحان کو کہ ہندو پوروج (قدیم ہندوستان کی بزرگ شخصیتیں) کو ہر ہندوستانی اپنا بزرگ اور مقتدا مانے، ورنہ وہ ہندوستانی نہیں ہے۔ یوپی میں شروع کے وزیر اعلیٰ سمپورنند نے ہندو پوروج کو ماننے کو سختی سے لازمی کیا تھا، اور اسمبلی کے اسپیکر ٹنڈن نے سخت رویہ اختیار کیا تھا، اس پر مولانا نے سختی کے ساتھ خط لکھا، اور پھر اس کو ہندی اور انگریزی میں رسالہ کی شکل میں شائع کیا، اور پھر اس کام کو باقاعدہ جاری رکھنے کے لئے مجلس اشاعت کے نام سے لکھنؤ میں دفتر بھی قائم کیا، جس کا سکریٹری مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی (اس وقت کے مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء) کو بنایا تھا۔ اس مجلس اشاعت نے اس موضوع پر مولانا کے متعدد رسالے شائع کیے جو ہندوستانی لیڈروں کو بھیجے گئے کہ مسلمان ہندو مذہبی شخصیتوں کو اپنی شخصیتیں نہیں سمجھ سکتا، یہ بات ہندو قائدین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ہندوستانی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اکثریت کے مذہبی تصورات اور عقیدوں کو اقلیت بھی

---

(۱) ملاحظہ ہو: آئندہ نسلوں کے اسلام کی ضمانت اور ایمان کی حفاظت کی ذمہ داری، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

مانے اور اختیار کرے۔ ہندوستان سیکولر ملک ہے، ہر ایک اپنے عقیدہ پر رہے گا۔ بعد میں دینی تعلیمی تحریک کے ذریعہ سے اور پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے بھی مولانا اپنی یہ بات کہتے رہے۔

نوخیز نسلوں کی تعلیم کا جو نظام اس وقت ملک میں رائج ہے، اس میں اکثریتی فرقہ کے مذہبی خیالات اور اسی فرقہ کی قدآور شخصیتوں کو نمونہ کے طور پر پیش کرنے کا جو طرز اختیار کیا جارہا ہے وہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور ان کی اخلاقی قدروں اور ان کی اسلامی امنگوں سے عموماً متضاد اور برخلاف ہے، اس کے اثر سے مسلمان بچے بڑے ہوکر اپنے پیشواؤں سے ناواقف رہتے ہوئے غیروں کے پیشواؤں کو اپنے لئے قابل تقلید نمونہ سمجھیں گے، اور عقیدہ وعبادت کے سلسلہ میں اسلامی رہنمائی کے بجائے غیر اسلامی بلکہ مشرکانہ رہنمائی میں پرورش پائیں گے، یہ ایک بڑا خطرہ ہے، جو ہندوستان کی عقیدۂ توحید کی حامل اقلیت کے مذہبی رخ کو بدلنے والا ہے۔ حضرت مولانا نے اس اہم مسئلہ کو بڑی توجہ دی تھی، اور اس کے تدارک کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے، چنانچہ وندے ماترم کی ترویج اور سرسوتی کے سامنے اظہار عقیدت کو لازم کئے جانے کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے اس معاملہ کی سخت مذمت کی، اور کہا: "اگر اس کو بدلا نہ گیا تو ہم بچوں کو درسگاہوں سے ہٹالیں گے"۔ چنانچہ اس کا بہت اثر پڑا، اور حکومت نے اس کا خاص نوٹس لیا، اور اس سلسلہ میں اپنے حکم کو واپس لے لیا، اور مسلمانوں کو اس سلسلہ میں کامیابی حاصل ہوئی، اور اس مثال سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا، اور انہوں نے رائج الوقت تعلیمی نظام پر نظر رکھنے کا سلسلہ قائم رکھا جو دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ انجام پارہا ہے۔

وندے ماترم کا ترانہ جس کا مشرکانہ پہلو سب سے زیادہ قابل اعتراض بنا ہے، جب اسکولوں میں بچوں کے لئے لازمی قرار دیئے جانے کی بات آئی تو حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ چونکہ ان کی آواز دور دور پہونچتی تھی، اس لئے ہندو فرقہ پرست طاقتوں نے اس کا برا بھی مانا، اور ان کے قائدین نے سخت تبصرے کئے، اور مزید شاخسانہ یہ پیش کیا کہ (۲۲ر نومبر ۱۹۹۸ء کی رات کو) ان کی قیام گاہ رائے بریلی میں مسلم دشمن افراد نے داخل ہو کر خانہ تلاشی لی، شاید ان کا مقصد دہشت پیدا کر کے مخالفت سے روکنے کی کوشش رہی ہو، مگر مولانا اپنے موقف پر پوری طرح ڈٹے رہے، اور ان لوگوں کو اپنی حرکت پر ہر طرف سے سخت سست سننا پڑا۔ اس سے مسلمانوں میں یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ وہ اگر اس طرح کے معاملات میں اپنی دینی غیرت کا ثبوت نہ دیں گے تو ان کو اپنے مذہبی عقائد کے خلاف بتدریج راضی کر لیا جائے گا، اور ان کو مشرکانہ طرز زندگی اختیار کرنا پڑے گا، جو ان کے لئے مذہبی اور ملی دونوں حیثیتوں سے تباہی کا ذریعہ بنے گا۔

مولانا کے اس صاف اور دوٹوک رویہ اور ان کے طرز عمل پر فرقہ پرستوں کے سلوک اور پھر ہندوستان اور ہندوستان کے باہر اس پر ردعمل کا یہ اثر پڑا کہ فرقہ پرستوں کی اس کوشش پر روک پیدا ہوئی، اور حکومت کو اپنے سابقہ اعلان کے برخلاف صاف الفاظ میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ ''وندے ماترم'' اور ''سرسوتی پوجا'' سب پر عائد نہیں کی گئی ہے، اور وہ سب کے لئے لازمی نہیں ہے۔ دونوں واقعات یعنی وندے ماترم پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اور اس کے مشرکانہ اور ناقابل قبول ہونے کی وضاحت اور اس پر فرقہ پرست لوگوں کا ردعمل اور چھاپہ ملک کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا۔ حکومت کو معذرت کرنی پڑی، اور ریاستی وزیر تعلیم کو برطرف بھی کیا گیا۔ دوسری طرف حضرت مولانا سے اظہار ہمدردی اس وسیع پیمانہ پر کی گئی جس کی ماضی قریب میں نظیر نہیں ملتی۔

مراد آباد میں کونسل کے ایک اجلاس میں کونسل کے صدر حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو خطبہ دیا تھا اس سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے حضرت مولانا کے نزدیک اس مسئلہ کی اہمیت آپ بہتر طریقہ سے محسوس کر سکیں گے:

''اس کے لئے مسلمانوں کو ایسا ہی انتظام کرنا ہوگا جیسے ان کو اپنی نمازوں اور دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے معابد و مساجد اور روح و جسم کے رشتہ کو برقرار رکھنے کے لئے ضروریات زندگی کا انتظام کرنا پڑتا ہے، اور اس سلسلہ میں وہ کسی حکومت کی امداد کا انتظار نہیں کرتے، اس کے لئے ان کو مساجد میں وعظ و تلقین، گھروں میں اصلاح و تربیت اور مکتبوں اور مدرسوں میں دینی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ان کو سارے ملک میں صباحی و شبینہ مکاتب کا ایک ایسا جال بچھا دینا ہوگا جس سے کوئی قریہ اور کوئی محلّہ محروم نہ رہے۔

اس سلسلہ میں قدرتاً تین کام اور ضروری ہیں، ایک ایسے نصاب کی ترتیب جو بچوں کی دینی ضروریات اور ضروری معلومات پر حاوی ہو، بہترین تعلیمی اصول اور تجربات اور بچوں کی نفسیات کے مطابق لکھا گیا ہو، اور مسلمانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول ہو۔ دوسری ضرورت اساتذہ کی فراہمی اور ان کی تربیت کی ہے، جو اس نصاب کو کامیابی، دلچسپی اور ذوق و خلوص کے ساتھ پڑھا سکیں۔ تیسرے اردو زبان کی تعلیم، جو دینی معلومات اور اسلامیات کے مطالعہ کا سب سے آسان ذریعہ ہے۔

حضرات! قوموں کے اجتماعی فیصلوں نے دنیا کے نقشے اور

قوموں کی تقدیریں بدل دی ہیں، آج جس چیز کی ہم کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے، اور جس کے سامنے حالات کو سپر ڈالنی پڑے گی، وہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری دینی تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر کو، اور اپنے عقیدہ اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں گے۔ اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو اس صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی، اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کرسکتی"۔

دینی تعلیمی کونسل کے سلسلہ میں مولانا کی خدمات کے مفصل تعارف اور بنیادی دینی تعلیم کے مسئلہ کے لئے ان کے خطبات و مقالات پر ایک گرانقدر تصنیف "تکبیر مسلسل" کے نام سے ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی صاحب جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل کے قلم سے سامنے آچکی ہے، جس سے اس تعلق سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و پیغام اور مشن سے مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تحفظ ملت وشریعت کا کام اور مسلم مجلس مشاورت و مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندوستان کی آزادی کے لئے جو کئی دہائیوں تک جدو جہد کی گئی اس میں ہندو مسلمان دونوں شریک رہے، بلکہ مسلمانوں کی طرف سے علماء نے بہت غیر معمولی حصہ لیا اور قربانیاں تک دیں۔ چنانچہ آزادی کے بعد اگرچہ مسلمانوں کے علیٰحدگی پسند حلقہ نے ہندوؤں سے الگ اقتدار کا مطالبہ کیا جو پاکستان کی صورت میں ان کو دیا گیا، لیکن علماء کا مشترک جدو جہد میں شریک رہنا ان کے اس مطالبہ کا باعث رہا کہ ہندوستان متعدد مذاہب اور قوموں کا ملک ہے، اور سب نے شانہ بشانہ آزادی کے لئے کوشش کی ہے، لہذا آزادی کے بعد ان کو زندگی کا یکساں حق اور تحفظ حاصل ہونا چاہئے، لیکن مکمل فسادات نے مسلمانوں کو بے یقینی اور جانی و مالی نقصانات میں مبتلا کردیا، ان فسادات میں راوڑ کیلا اور جمشید پور کا فساد بڑا سنگین تھا، جس کی تفصیل سن کر انصاف پسند لوگ بہت ملول ہوئے ، اور مسلمانوں کے دانشور و اور رہنما بڑی فکر میں پڑ گئے۔ اسی فکر کے تقاضے سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مسلم قائدین اور دانشوروں کا ایک کنونشن منعقد ہوا، جس کے انعقاد میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر حصہ لیا، اور تمام مسلم جماعتوں کے نمائندوں کو اس میں شریک کیا گیا، اور مسلم مجلس مشاورت کے نام سے ایک تنظیم تشکیل پائی جس نے لوگوں کے ذہنوں کو امن پسندی اور ایک دوسرے کی رعایت اور ہر طبقہ کی جانی و مالی حفاظت کا ذہن بنانے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے، اور شہرت واہمیت رکھنے والے افراد کا گروپ بنا کر ہندوستان کے مختلف علاقوں کے دورے کئے، اور مسلمانوں کے دلوں سے بے اعتمادی اور کم ہمتی کو دور کرنے کی کوشش کی، اور اکثریت کے بااثر لوگوں کو اطمینان وامن کی فضا بنانے کی طرف متوجہ کیا، اور مسلمانوں کے جانی و مالی تحفظ کی تدابیر پر غور وتوجہ کی فکر کی، جس کا الحمد للہ بڑا اثر پڑا، اور ہندوؤں کے بھی امن پسند لیڈروں نے تعاون کیا، اور مسلمانوں میں کم ہمتی اور بے یقینی کے احساسات ختم ہوئے۔

اس تنظیم نے ملک پر بہت اچھا اثر ڈالا، اور کانگریس کے عہد میں چونکہ یہ بدامنی اور فسادات ہوئے تھے جس کے نتیجہ میں کانگریس سے مسلمانوں کا اعتماد کم ہوا، اور یہ احساس پیدا ہوا کہ کانگریس کو محسوس کرایا جائے کہ وہ مسلمانوں کی ہمدردی کے لئے صرف الفاظ کے استعمال سے کام زیادہ دن نہیں چلاسکتی، اور یہ کہ مسلمان اس رویہ کو جمہوری طریقہ سے رد کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اگلے الکشن میں مسلمانوں نے یہ دکھایا کہ وہ کانگریس کو قبول نہیں کررہے ہیں۔ چنانچہ کانگریس کے بجائے ان پارٹیوں کا اتحاد حکومت میں آگیا جو مسلمانوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا رویہ ظاہر کررہی تھیں، اور اپنے حکومت میں آنے پر انہوں نے مسلمانوں کی ہمدردی کے متعدد کام کئے۔ اور اس طریقہ سے ملک میں یہ پیغام عام ہوا کہ حکومت جس کی بھی ہو، اس کو ملک کے مختلف مذہبوں اور طبقوں کو ان کا جو وطنی حق ہے، اور ان کو جو تحفظ ملنا چاہیے وہ دے کر ہی حکومت کا مقام حاصل کرسکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مشاورت نے کئی دہائی فعال حیثیت سے اثر ڈالا، اور اس میں مولانا کا بھرپور حصہ رہا۔ اور اس میں مولانا کی رفاقت اور معاونت میں جو حضرات رہے ان میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی رفاقت اور ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی کی معاونت نمایاں رہی۔

اس تنظیم کے اولین صدر ڈاکٹر سید محمود تھے، اور چونکہ ان کا پس منظر کانگریسی تھا اس لئے ان کی صدارت کا مفید اثر پڑا۔ ان کے انتقال پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی صدر ہوئے، اور انہوں نے بھی مشاورت کے اثر اور مقام کو تقویت پہونچائی، لیکن ان کے انتقال کے بعد مشاورت کمزور ہوگئی۔ مولانا اگرچہ اس کے ساتھ برابر ہمدرد اور معاون رہے، لیکن مولانا کے ذہن میں اس کی افادیت بہت کم ہوگئی۔ اور یوں بھی وہ جو کام انجام دے چکی تھی اس کی ضرورت بھی زیادہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے وجود کی عام ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا نے اس سے اپنا تعلق توڑا نہیں، لیکن اس کو کچھ زیادہ مفید بھی نہیں سمجھا۔

مزید یہ کہ مسلمانوں کے ملی دائرہ میں ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا، وہ شریعت کے تحفظ کا تھا، اس کے لئے نئے طور وطریق سے جدوجہد کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس سلسلہ میں جو بات پیش نظر رکھنے کی تھی وہ یہ تھی کہ ہندوستان کی آبادی صرف ایک یا دو مذہبوں کی آبادی نہیں ہے، یہاں ہندو اکثریت میں ہیں، لیکن اس کے ساتھ متعدد غیر ہندو اقلیتیں بھی ہیں، جو اپنا مخصوص مذہب اور خصوصیات رکھتی ہیں، ان میں مسلمان اقلیت بڑی اقلیت اور اپنا مکمل نظام حیات رکھنے والی ملت ہے۔ ملک کی آزادی کے وقت ملک کے اندر مذہب وزبان اور ثقافت کے تنوع کو دیکھتے ہوئے ہی یہاں کا دستور بنانے والوں نے ملک کے لئے کسی ایک مخصوص مذہب کی رعایت میں قوانین طے نہیں کیے، بلکہ مذہب کے معاملات کو خود انہیں کے ذمہ داروں پر چھوڑ دیا،

www.abulhasanalinadwi.org

اوران کو مذہب کے معاملہ میں خود اپنے مذہب کے احکام پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا۔ لیکن دستور ہند میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ ملک کے سماجی قوانین میں اگر وحدت پیدا کی جاسکے تو اچھا ہے۔

آزادی کے کچھ عرصہ بعد اس اشارہ سے اکثریتی مذہب والوں کے بعض حلقوں نے اپنے مذہب کی بالادستی کے لئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور مسلمان اقلیت چونکہ ملک کی بڑی اقلیت ہے، اور اس کے سماجی اور عقائدی قوانین متعین اور مکمل ہیں اس لئے اس مذہبی بالادستی کی زد سب سے زیادہ ان پر پڑتی تھی، لہذا ملت اسلامیہ کے غیرت مند اور بہی خواہ علماء و دانشور حضرات نے اس رجحان کی مخالفت کی اور اکثریتی حلقوں کی طرف سے بات آنے کی وجہ سے خطرہ زیادہ محسوس کیا گیا، جس کے لئے منظم کوشش کی ضرورت سامنے آئی۔ لہذا ۱۹۷۲ء کے آخر میں بمبئی میں ایک زبردست کانفرنس اس موضوع پر ہوئی، جس میں اس رجحان سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا باقاعدہ مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے کل جماعتی بورڈ کی تشکیل کی گئی، جس کے صدر ہندوستان کی عظیم مذہبی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے سربراہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، اور جنرل سکریٹری بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ منتخب ہوئے۔ اور بورڈ نے ملک گیر سطح پر جلسے کر کے اکثریتی حلقوں کی طرف سے آنے والے اس رجحان کی مضرت اور ناانصافی کی وضاحت کی جس سے مسلمانوں کی زبردست رائے عامہ بنی، جس کی اہمیت اور طاقت کو حکومت اور عوام دونوں کے حلقوں میں محسوس کیا گیا۔

بورڈ کی تشکیل کے گیارہ سال بعد جولائی ۱۹۸۳ء میں اس کے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے وفات پائی، ان کی جگہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید

www.abulhasanalinadwi.org

ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب ہوا، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تعلیم ومطالعہ کے لحاظ سے جدید وقدیم دونوں طبقوں کو سمجھتے اور غیر مسلموں کے مسلمانوں کے متعلق رجحانات وافکار سے اپنے وسیع مطالعہ کے ذریعہ خاصی حد تک واقف تھے، اور ایک بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے سامنے مؤثر علمی انداز میں اپنی بات رکھنے کی ممتاز صلاحیت رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے شریعت اسلامی کی ناقابل ترمیم خصوصیت اور خداوندی حکم سے مقرر ہونے کی بنا پر اس کی ناقابل تنسیخ حیثیت کو بیان کیا، اور ملک کے دستور کے حوالہ سے اس کے اپنی ملت کے ساتھ مخصوص ہونے کو ملک کے دستور اور صورت حال کا لحاظ کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کی خصوصیت اور اس کے بنیادی حقوق کے دائرہ میں بتانے کی ضروری تدبیر کی۔

مولانا کو اس ذمہ داری کی انجام دہی میں ۱۹۸۳ء کے آخر سے ۱۹۹۹ء کے آخر تک ۱۶ سال ملے، مولانا کے صدر ہونے کے صرف دو سال بعد مسئلہ نے ایک نیا رخ یہ لیا کہ ہندو حلقوں کی طرف سے یکساں سول کوڈ کے مطالبہ کو ملک کی عدالت علیا (سپریم کورٹ) نے ایک مسلمان مطلقہ کے سلسلہ میں اپنے ایک فیصلہ کے ذریعہ تقویت پہنچادی، جس سے مسلمانوں کو اپنی شریعت کے ناقابل ترمیم ہونے کے حق کو سخت متاثر ہونے کا اندیشہ ہوگیا تھا، چنانچہ مولانا کی قیادت میں بورڈ کی طرف سے مدبرانہ طریقہ سے شریعت اسلامی کے ناقابل ترمیم وتنسیخ ہونے کی مہم مسلم رائے عامہ کے تعاون سے دستور ہند کے حدود میں رہتے ہوئے طاقتور اور متحدہ طریقہ سے چلائی گئی، اس مہم کی مخالفت اکثریتی حلقوں کی طرف سے اور پریس اور میڈیا کی طرف سے بہت سخت طریقہ سے کی گئی، اور بہت کوشش کی گئی کہ اسلامی شریعت کے تحفظ کے حق کو ہرگز تسلیم نہ کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا، اور الحمد للہ ایک سال کی کوششوں

www.abulhasanalinadwi.org

سے یعنی ۱۹۸۶ء میں بورڈ کی قیادت حکومت وقت کو سمجھانے میں کامیاب ہوگئی، اور اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی جن کی پارٹی انڈین نیشنل کانگریس کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت حاصل تھی، جس کی بنا پر اس کو قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل تھا، مولانا اور ان کے رفیق تحریک بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے سمجھانے اور بتانے سے وہ مسلمانوں کے مطالبہ کے برحق ہونے کے قائل ہوگئے، اور انہوں نے پارلیمنٹ میں ترمیمی بل پیش کیا، اور اپنی پارٹی کو تائید کی سخت ہدایت کی، چنانچہ وہ بل پاس کرالیا، جس کی رو سے سپریم کورٹ کی وہ دلیل ختم ہوگئی جس کی بنا پر اس نے مطلقہ کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔

بورڈ کی یہ زبردست کامیابی تھی کہ اقلیت اپنے حق کے تحفظ کے لئے اکثریتی فرقہ کی مخالفت کے باوجود قانون پاس کرالے، اس میں صدر بورڈ اور سکریٹری جنرل کی مدبرانہ اور مدلل گفتگوؤں نے بنیادی کام انجام دیا، بورڈ کی اس کامیابی سے بورڈ کا وزن بھی بہت بڑھا اور اس کی آواز کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی، لیکن مسئلہ برابر توجہ کا طالب رہا کہ کوئی نئی بات ایسی پیش نہ آئے جس سے بورڈ کے اس اعلیٰ موقف کو نقصان پہنچے، نیز اس بات کی بھی ضرورت قائم رہی کی مسلمان رائے عامہ نیز دانشوروں کا ذہن بھی بورڈ کے موقف کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کرے، اس کے لئے بورڈ کے صدر و سکریٹری اور ان کے رفقائے بورڈ نے ملت اسلامیہ کی طرف سے وضاحت اور دفاع کی کوششیں جاری رکھیں، خاص طور پر صدر بورڈ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی بات کا وزن، ان کی مؤثر گفتگو اور وزیر اعظم کا ان کی اہمیت کے سلسلہ میں خصوصی تأثر، ان سب کا نتیجہ تھا کہ وزیر اعظم نے اپنے رفقاء تک کے اختلافی رویہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمان عورت کے سلسلہ میں حمایتی رجحان رکھنے والا بل پاس کرایا، جس کو ہندوستان کی ہندو اکثریت کے جمہوری نظام میں جب کہ

اکثریت کا عام رویہ مسلم اقلیت سے بیگانگی بلکہ ناپسندیدگی کا رہا تھا، ایک بڑی کامیابی اور جرأتمندانہ اقدام کہا گیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کاموں میں اس کے جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی ذمہ داری بورڈ کے قیام کے ہی وقت سے عملی طور پر نمایاں تھی، چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور صدارت میں مولانا کو ان کی خصوصی مشارکت حاصل رہی، فکری و عملی طور پر ان کی فکرمندی وکوشش سے بڑی تقویت ملی، اور دونوں میں ذہنی مشارکت اور آپسی تعاون کے اثر سے مسائل کے حل میں بڑی مدد ملی، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اہمیت دیتا، اور ہر ایک دوسرے کو اپنے مخلصانہ جذبہ سے تعاون دیتا تھا۔ مولانا منت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان ہی کی امارت شرعیہ کے ناظم مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ انہوں نے مولانا کی صدارت کے تحت اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کے ذریعہ مولانا کو پورا تعاون دیا۔ مسلم مطلقہ کے سلسلہ میں ان رہنماؤں کی کامیابی کی اہمیت کو سب نے محسوس کیا اور اس سے بورڈ کا وزن بڑھا۔

یہ ملک کا ایک غیر معمولی سیاسی واقعہ قرار پایا اور اس فیصلہ کے اثر سے ملک میں مختلف اطراف سے اٹھنے والی یہ آواز کہ یکساں سول کوڈ ضرور بنایا جائے تاکہ ملک مختلف سول کوڈوں کے انتشار سے بچ جائے، درحقیقت یہ مسلمانوں کے تشخص کو ختم کرنے کے جذبہ سے تھا، اور اس جذبہ کو دستور ہند کے اس اشارہ سے مدلل بنانے کی کوشش کی جارہی تھی کہ جو یکساں سول کوڈ کی طرف قدم بڑھانے کا تھا، ایسی صورت میں اکثریت کی رائے عامہ، دستور کے اشارے اور سپریم کورٹ کا فیصلہ سب کے سامنے ہوتے ہوئے ان سب کے برعکس فیصلہ کرانے پر اڑ جانا اور اسے کرا لینا ایک غیر معمولی اقدام تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو یکساں سول کوڈ کی بار بار آواز

www.abulhasanalinadwi.org

سننے سے بڑی حد تک فرصت مل گئی، اور اس میں مولانا کی کوششوں کی اثر انگیزی کو صاف طریقہ سے محسوس کیا گیا۔

مسلمان مطلقہ کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کے حکم کو قانون کے ذریعہ تسلیم کرا لینے کے بعد بورڈ کو ایک بہت بڑی کامیابی حاصل ہونے کو ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ ملک میں بابری مسجد کا مسئلہ ہندو مسلم سخت نزاع کا باعث بن کر ابھر آیا، اور ابھی چند روز قبل شریعت کے ایک سماجی مسئلہ میں کامیابی ملنے پر جائے عبادت کے ایک مسئلہ کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کے قائدین نے اس مسئلہ کو اپنا موضوع بنا کر کوشش شروع کر دی، اور بورڈ چونکہ ایسے مسائل میں جن کو مسلمانوں کی دیگر جماعتیں موضوع بنا کر کوشش کرتی ہیں، ان کی کوشش کو کافی سمجھتا ہے، اور خود براہ راست دخل نہیں دیتا، بورڈ کے لوگ صرف انفرادی ہمدردی اور تعاون کو اختیار کرتے ہیں، چنانچہ باقاعدہ طریقہ سے تو بابری مسجد کے نام سے بعض کمیٹیاں میدان میں آ گئیں، اور کوشش کرنے لگیں، لیکن ان کا طریقہ رواجی سیاست کا اور عوامی احتجاجات کا تھا، اس کے جواب میں ہندو تنظیمیں بھی کھڑی ہو گئیں، اور اپنے سیاسی اور عوامی طریقے اختیار کرنے لگیں، اکثریت میں ہونے کی وجہ سے ان کو ایک طرح سے بالادستی حاصل تھی، اس کے لئے بابری مسجد کی مسلم کمیٹیوں کو کامیابی دور معلوم ہوتی رہی۔

ادھر مولانا نے انفرادی کوشش کی، وہ کوشش دو طرح کی تھی، ایک تو خود وزیر اعظم پر زور ڈالنے کی تھی کہ وہ حکومتی ذریعہ سے مسجد کے سلسلہ میں کسی تخریبی عمل کو روکیں، اور حکومت کی مضبوط پالیسی کے اعلان سے مسجد کی حفاظت کو یقینی بنائیں۔ اتفاق سے مولانا کی اس طرح کی ایک کوشش کے موقع پر میں بھی موجود تھا، اور میں نے براہ راست مولانا کا یہ اصرار دیکھا کہ حکومت جلدی کرے اور قانون اور حکومتی

www.abulhasanalinadwi.org

ذرائع سے مسجد کی حفاظت کو یقینی بنائے، مولانا نے وزیر اعظم کو اس بات سے ڈرایا بھی کہ اگر وہ دیر لگائیں گے تو مسئلہ مزید پیچیدہ ہوگا اور مسجد کو خطرہ بڑھ جائے گا۔ وزیر اعظم نے کوئی پکا وعدہ نہیں کیا، لیکن اس طرح سنا کہ شاید کچھ کریں گے، لیکن بعد کے دنوں نے یہ ثابت کیا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا، بلکہ ان کا رویہ مسجد مخالف عناصر کے ساتھ رواداری کا رہا۔

مولانا نے کوشش کا دوسرا پہلو ہندو شنکر اچاریہ کو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلانے کا اختیار کیا، اور ملک کی سالمیت اور حفاظت اس میں بتائی کہ پہلے سے قائم جو بھی عبادت گاہیں یا مقدس مقامات ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے، اور ہر فرقہ کو اپنے خصوصی معاملات کو اپنے طریقہ سے انجام دینے کا پورا حق حاصل رہے۔ یہی بات مولانا نے وزیر اعظم سے بھی کہی تھی، اور اس کو ایک ملکی ضابطہ کے طور پر اعلان کر دینے کی ضرورت بتائی تھی، اور وزیر اعظم نے بظاہر انکار نہیں کیا تھا۔ شنکر اچاریہ سے گفتگو بہت اچھی رہی اور انہوں نے مسجد کی حفاظت کے مسئلہ کو توجہ دینے کا وعدہ کیا، اور ایک فارمولہ پیش کیا کہ اس کے بموجب عمل کیا جائے تو وہ مسجد کو نہ صرف بحال کریں گے، بلکہ وہاں وہ نمازوں کو بھی بحال کرا دیں گے، اور وہاں سے ہندو مورتیوں کو بھی کسی مندر میں منتقل کرا دیں گے۔ مولانا کے ساتھ اس کوشش میں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب، جناب یونس سلیم صاحب اور سابق نائب صدر جمہوریہ کرشن کانت جو اس وقت آندھرا پردیش کے گورنر تھے، شریک گفتگو تھے، لیکن یہ فارمولہ جب بابری مسجد کے دوسرے عملی قائدین کو بتانے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے اس طرح کی انفرادی کوشش کو ناپسند کیا اور فارمولہ کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔ مولانا نے صورت حال دیکھ کر آگے پیش قدمی مناسب نہیں سمجھی اور مسئلہ میدان عمل میں موجود کمیٹیوں کے پاس ہی رہا۔

www.abulhasanalinadwi.org

بعد میں جب مسجد گرادی گئی اور مسئلہ مزید سنگینی اختیار کر گیا اور کامیابی کی راہیں کمزور ہوگئیں تو مسئلہ کے قائدین نے مناسب سمجھا کہ بورڈ کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کریں، اور بورڈ کے قائدین اپنی ماضی کی کامیاب کوششوں کی طرح اس کو اپنی کوشش کا خصوصی موضوع بنائیں، اس وقت سے مسئلہ بورڈ کے پاس آگیا۔

مولانا نے بورڈ کے صدر ہونے کی حیثیت سے اپنے لئے کوئی انفرادی رائے اختیار نہیں کی، بلکہ بورڈ کی اجتماعی قیادت کے اختیار میں رہنے دیا، جس نے ایک کمیٹی تشکیل کردی اور مسئلہ کو اس کے سپرد کردیا، اور مسئلہ کے حل کے لئے پالیسی سیاسی احتجاجات اور گرم اور اشتعال انگیز رویہ کو مناسب نہ سمجھتے ہوئے صرف عدالتی راہ کو اختیار کیا، اور جمہوری طریقہ سے اور ذرائع ابلاغ کے وسائل تک مسئلہ کو محدود کیا۔ چنانچہ اس وقت سے مسئلہ میں گرمی اور صف آرائی کی شدت میں کمی آگئی اور وہ جمہوری اور عدالتی دائرہ میں محدود ہو کر زیر غور رہ کر چلایا جاتا رہا، اور اس کی یہی صورت حال تاحال باقی ہے۔ اور عدالتی اور جمہوری کارروائیوں سے اس کا اندازہ ہوتا رہتا ہے کہ ان دونوں لائنوں سے مسئلہ اگر اپنے صحیح انداز سے چلتا رہا تو مسلمانوں کے حق میں نتیجہ نکلنے کی قوی امید ہے۔

مسلمانوں کے ملی حقوق اور مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں مولانا کا نقطۂ نظر اپنے مسئلہ کو مناسب ڈھنگ سے سمجھانے اور قانون اور دستور کے دائرہ میں رہ کر جو بھی ممکنہ وسائل ہیں ان کو اختیار کرنے کا رہا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسائل اسی طریقہ سے زیادہ بہتر طور پر حل ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں دانشمندی اور ملت کی اجتماعیت اور عزم کا پورا مظاہرہ ہو۔ مولانا ان مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں مادی اور مالی منفعت سے بلند ہو کر کام کرنے کو زیادہ مفید سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ اس صورت میں کہ ملت کے حقوق کے لئے حکومت سے مطالبہ کر رہے ہوں، حکومت کے افراد

www.abulhasanalinadwi.org

سے کسی شخصی ضرورت اور شخصی اور مادی منفعت طلب کرنے کو مضر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب ائمہ مساجد کو حکومت سے تنخواہیں حاصل کرنے کی بات چلائی گئی تو مولانا نے اس کی مخالفت کی کہ حکومت سے مادی منفعت لے کر حکومت کی مرضی کا بھی بعض موقعوں پر لحاظ کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ ائمہ مساجد بلند پایہ دینی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا کسی دباؤ کو قبول کرنا دینی مصلحت میں غیروں کی مداخلت کا مرادف ہوگا۔ چنانچہ بورڈ کی عاملہ کے ایک جلسہ میں جب بعض ارکان نے اس مسئلہ میں حکومت سے یہ تعاون حاصل کرنے کی تائید کی تو مولانا نے سخت نکیر کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ بورڈ سے میرا تعلق ہوتے ہوئے میں اس کو نہیں ہونے دے سکتا۔ چنانچہ بورڈ نے اس مسئلہ کو ختم کر دیا۔ مولانا کے اس رویہ کو عمومی طور پر پسند کیا گیا، اور ائمہ مساجد کے لئے حکومت کی مدد کی تحریک ختم کے قریب ہوگئی۔

بورڈ نے شریعت اسلامی کے تحفظ کے دائرہ میں جو اس کے کام کا اصل دائرہ ہے، اصلاح معاشرہ اور دار القضاؤں کے قیام کو زیادہ اہمیت دی تاکہ شریعت کے تحفظ کے حق کا جو مطالبہ ہم حکومت سے کرتے ہیں، خود اپنی معاشرتی زندگی میں اس کے احکام کا تحفظ کریں۔ شادی، بیاہ، وراثت اور شریعت کے دیگر عائلی و سماجی معاملات میں شریعت کا حکم معلوم کر کے اسی کے مطابق زندگی کو باعمل بنائیں۔ چنانچہ اس کے لئے دونوں معاملات کی الگ الگ کمیٹیوں کی تشکیل کر دی گئی، اور ان دونوں کے کام کو پھیلانے اور مؤثر بنانے کی طرف توجہ دی گئی، جس کا سلسلہ تا حال قائم ہے۔ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے سابق پیش رووں کے طریقۂ عمل اور کارگزاری کو پیش نظر رکھتے ہوئے آگے کی راہ اختیار کرنے کو اپنے لئے نمونہ سمجھتا ہے، اگرچہ اس کو کچھ نئے نئے معاملات پیش آتے رہتے ہیں، مگر مجموعی طور پر الحمد للہ اس کی راہ پختہ اور اس کا عمل پسندیدہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

آج حضرت مولاناؒ ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی تقریریں اور خطبات کاغذ کے صفحات پر موجود ہیں (۱) جن سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں، اس موقع پر ہم مولانا کے آخری خطبۂ صدارت سے جو بمبئی کے اجلاس اکتوبر ۱۹۹۹ء میں پیش کیا گیا تھا، اور مولانا اپنی علالت کی وجہ سے اس اجلاس میں شرکت نہیں فرما سکے تھے، ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے مولانا کی ملک وملت کی فکر اور ملی تشخص اور تحفظ شریعت کے مسئلہ میں حساسیت کا کسی درجہ میں اندازہ لگانا آسان ہوگا، مولانا فرماتے ہیں:

> ''ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو ارادۂ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری یا بے چارگی پر مبنی نہیں، ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔
>
> ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر، قانون شریعت اور اپنی پوری مذہبی و تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور وآئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب

---

(۱) مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری استاد دار العلوم ندوۃ العلماء نے ''جہد مسلسل'' کے نام سے اس کا مجموعہ مرتب کیا ہے، جس کے شائع کرنے کا اہتمام مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ نے کیا، جو بورڈ کے سترہویں اجلاس منعقدہ مونگیر کے موقع پر مندوبین کو پیش کیا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہر گز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں، اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں، بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے، اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی۔ ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گذارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے، اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

ہماری زندگی اور موت بھی اسلام پر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام اور ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر اپنی زندگی گذاریں، اور جب موت آئے تو اسی دین وملت پر آئے۔ و لا تموتن إلا و أنتم مسلمون (۱) تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو" (۲)

---

(۱) آل عمران: ۱۰۳ (۲) خطبہ صدارت اجلاس سیزدہم ۱۳، منعقدہ بمبئی ۲۸-۲۹-۳۰ را کتوبر ۱۹۹۹ء

www.abulhasanalinadwi.org

ندوۃ العلماء

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز ۳۱-۳۲ء میں کیا جب کہ ان کی عمر (۱۷-۱۸) سال کی تھی، اور یہ آغاز ندوہ کی علمی، ادبی و تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے ہوا۔ یہ عربی کے نامور ادیب علامہ ڈاکٹر شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی رحمۃ اللہ علیہ کے ندوہ میں استاد ہونے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہاں کی تعلیمی و علمی سرگرمی کی خصوصی سرپرستی کرنے کا زمانہ تھا۔ مولانا اور ان کے کئی رفقاء نے جو قریب قریب کی عمروں کے تھے، مذکورہ بالا دونوں علماء کی رہنمائی اور سرپرستی میں ندوہ کی علمی فضا کو گرم کیا۔ مولانا کے ان رفقاء میں ایک مولانا محمد ناظم صاحب ندوی تھے جو بعد میں مہتمم دار العلوم ہوئے، پھر شیخ الجامعة العباسية بھاولپور پاکستان اور پھر استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ہوکر ریٹائر ہوئے، اور کراچی میں مقیم ہوئے، جن کا ابھی چند سال پہلے انتقال ہوا۔ دوسرے رفیق مولانا مسعود عالم ندوی تھے جو ندوہ سے ۳۲-۳۳ء میں نکلنے والے مؤقر عربی مجلّے (الضیاء) کے چیف اڈیٹر ہوئے، بعد میں دار العروبة الإسلامية جالندھر کے صدر ہوئے، اور ۵۴ء میں کم عمری یعنی تقریباً ۴۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ تیسرے رفیق مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی تھے جو بعد میں جماعت اسلامی ہند کے امیر ہوئے، اور مفید دعوتی و تحریکی کاموں کی سرپرستی کرتے ہوئے گذشتہ قریبی

برسوں میں انتقال کیا۔اور مولانا محمد عمران خاں ندویؒ جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ہوئے اور اس منصب پر تقریباً ۱۹۵۸ء تک خدمات انجام دیکر بھوپال منتقل ہوئے اور وہاں تاج المساجد کی تعمیر و ترقی و تکمیل کی خدمات انجام دیں، اور اسی تاج المساجد میں ایک دارالعلوم قائم کیا، اور چند سال پہلے انتقال کیا۔اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی جو دارالعلوم میں استاد ہوئے، بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں صدر شعبۂ دینیات رہے، اور علمی و دینی خدمات انجام دیکر اور ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہنے کے بعد انتقال کیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی و عملی زندگی تین پہلوؤں میں اختیار کی۔ ایک علمی، دوسرے ادبی اور تیسرے دعوتی۔اور یہ تینوں پہلوان کی زندگی میں برابر نمایاں اور قائم رہے، اور ان میں ترقی و اثر انگیزی بڑھنے نے ان کے تعارف کو وسیع کیا اور مقبولیت میں اضافہ کیا۔علمی وفکری پہلو میں مولانا کی موقر اور اثر انگیز تصنیفات منظر عام پر آئیں، جن کی شہرت عام طور پر صرف برصغیر ہی میں نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام میں ہوئی۔ ان میں سے کئی تصنیفات نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور ان میں سے بعض کو پوری صدی کی صرف تین چار اہم ترین کتب میں شمار کیا گیا۔

ادبی پہلو کے لحاظ سے مولانا نے ادب کو زندگی کے لئے مفید اور انسانی و اسلامی فائدہ کے حصول میں ایک معاون کے طور پر پیش کیا، اور اس کی اس حیثیت کو عالم اسلامی سے منوایا، جس کے اثر سے رابطہ ادب اسلامی عالمی انجمن وجود میں آئی، جس کے وہ تاحیات صدر قرار پائے۔اس وقت اس کی ذیلی شاخیں دنیا کے آٹھ ملکوں میں اور صدر دفتر بھی خود مولانا کے مستقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں رہا، اس سلسلہ میں معاملہ صرف نظری اور تحریکی ہی نہیں رہا، بلکہ خود مولانا کے قلم نے ایسے ادب کے ممتاز

نمونے پیش کئے جوان کے ادبی نقطۂ نظر کے عملی نمونے ہیں۔

دعوتی لحاظ سے مولاناؒ کا ربط و تعلق آغاز عمر ہی میں اپنے عہد کی دعوتی کوششوں سے قائم ہوگیا تھا، اوراس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا نے اس ملک کی عظیم تحریک اصلاح و جہاد کے رہنما حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح تیار کرنے کے دوران ان کے کام و پیغام کو سمجھا اور متاثر ہوئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی کام کا تقاضہ ہونے پر تحریک جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ارتباط ہوا، پھر خصوصی ربط جماعت تبلیغ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا، اوراس ربط سے مولانا کا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ہوا، انہوں نے اپنی مخصوص دعوتی راہ بنائی جو بڑی حد تک جماعت تبلیغ کے اصولوں کے مطابق تھی، لیکن اس میں فکری و نظریاتی طریقۂ دعوت کی بھی آمیزش تھی۔

ان کا دعوتی طریقۂ کار اصلاح باطن وتزکیۂ نفس کے طریقہ سے بھی ہم آہنگ تھا، جواپنے عہد کے عامل بالسنہ بزرگوں سے ربط اور تزکیۂ باطن کے اصحاب سے تعلق و استفادہ کے اثر سے پیدا ہوا تھا۔ ان کے اس پہلو نے ان میں زہد فی الدنیا، استغناء و قناعت اور تصور آخرت کے غلبہ جیسی صفات پیدا کیں، جن کے اثر سے تعلق والوں میں ان سے محبت وعقیدت میں اضافہ ہوا، اور کام میں اثر انگیزی بڑھی، اوراس طرح ان کے کاموں اور کوششوں کو قبولیت حاصل ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد تفسیر وادب کی حیثیت سے تقرر ملا اور وہ باتنخواہ تھا، یہ سلسلہ تقریباً دس سال جاری رہا، لیکن دعوتی مقصد سے مولانا کو بہت اسفار کرنے ہوتے تھے، جس کی وجہ سے مولانا کو اپنا مفوضہ کام مع معاوضہ کے کرنے میں تکلف محسوس ہوتا تھا، چنانچہ انہوں نے ۱۹۴۴ء میں معاوضہ سے معذرت کردی، اور ندوہ کے کاموں سے ان کا تعلق رضا کارانہ ہوگیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو مولانا کی کارکردگی اور افادیت کی قدر تھی، چنانچہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کو اپنا نائب مقرر کر دیا، جو ان کے پاکستان منتقل ہونے اور رحلت فرمانے کے بعد مستقل معتمد تعلیم کے منصب میں تبدیل کر دیا گیا، اور اس طرح ندوۃ العلماء کے کاموں اور ترقیات کی فکر کا بوجھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر بڑھ گیا۔

دوسری طرف مولانا کے دعوتی کام کا اثر بھی بڑھتا چلا گیا، اور صرف برصغیر ہی میں نہیں، بلکہ عرب ممالک میں بھی ان کا تعارف بڑھا، جو ۱۹۵۰ء میں ان کی معرکۃ الآراء کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " کی غیر معمولی مقبولیت کے نتیجہ میں وسیع تر ہو گیا، اور ندوۃ العلماء ان کا مرکز عمل ہونے کی وجہ سے ندوۃ العلماء کے بھی وسیع تعارف کا ذریعہ بنا، اور لوگوں میں یہ احساس عام ہونے لگا کہ ندوۃ العلماء نے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی جیسا دین کا جامع اور اثر انگیز فکر والا اور پُر اثر صاحب قلم پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً ایک عظیم ادارہ ہے۔ عالم اسلام کے دانشور اور بااثر طبقات میں یہ ذہن بننے پر ان کی ندوۃ العلماء میں آمد بڑھی۔ ادھر خود وہ ندوہ کے معیار اور کارکردگی کو بڑھانا چاہتے تھے، اس بنا پر انہوں نے اپنے عرب تعلقات کو ندوہ کی ترقی کے لئے استعمال کیا، وہاں کے بلند پایہ فضلاء اور اہل علم سے وقتاً فوقتاً خطبات دلوائے، اور سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کیں، جن سے ان کو ندوۃ العلماء کو ترقی دینے اور اس کو ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے بہتر بنانے کا موقع ملا۔

مولانا ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے، اس وقت ندوہ ایک کم طلباء کا اور کم شہرت کا ادارہ تھا، ان کی کوششوں اور ان کی باہر کی شہرت سے اس کو ترقی ملنا شروع ہوئی، اس سلسلہ میں ان کو اپنے خاص رفقاء سے اچھا تعاون ملا، خاص طور پر ان

کے رفیق خاص مولانا محمد عمران خاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو مہتمم دار العلوم تھے، پھر ان کے معاون خاص مولانا قاضی محمد معین اللہ صاحب اندوری ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو خاص طور پر مدد ملی۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی بعد میں نائب ناظم مقرر ہوئے، اور انہوں نے نہایت تندہی کے ساتھ مولانا کے عزائم کو بر سر عمل لانے کے لئے کوششیں کیں، اور آخر تک مولانا کے دست راست بنے رہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے انتظامی اور تعمیری منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں، اور وہ مولانا کے ساتھ پوری طرح ہم رائے اور ہم آہنگ رہے۔ اس سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ندوۃ العلماء کو علمی و تعلیمی اور دعوتی پہلوؤں سے جو ترقی تھی وہ خاصی حد تک حاصل ہوئی۔

مولانا کے نائب ناظم منتخب ہونے کے وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں دار الاقامہ کی صرف ایک عمارت تھی، جو ایک منزلہ تھی، بتدریج وہ دو منزلہ ہوگئی، اور اس کے پہلو میں مزید پانچ کئی منزلہ دار الاقامے تعمیر ہوئے۔ طلباء کی تعداد آغاز میں صرف ڈیڑھ دو سو تھی جو ۲۰۰۰ء کے آغاز تک دو ہزار احاطہ کے اندر اور ڈھائی ہزار شہر میں قائم کردہ مکاتب میں یعنی مجموعی طور پر چار ہزار صرف لکھنؤ کے اندر ہوگئی، لکھنؤ کے باہر دار العلوم کی چھوٹی بڑی شاخیں قائم ہوئیں، جن میں بتدریج اضافہ ہوا، یہ اس وقت ڈیڑھ سو مدرسوں تک پہونچ چکی ہیں، اور ہندوستان کے باہر کے کئی ممالک میں بھی شاخیں قائم ہوگئی ہیں، ان تمام مدرسوں کے طلباء کی تعداد سب شمار کی جائے تو پندرہ ہزار سے زیادہ ہو جائے گی۔

نظام تعلیم کے لحاظ سے مولاناؒ کے دور کے آغاز میں دار العلوم ندوۃ العلماء مکتب کے چار درجات اور عربی کے نو درجات پر مشتمل تھا، اور ہر درجہ ایک ایک سیکشن میں تھا، لیکن مولانا کے عہد میں بتدریج ترقی عمل میں آئی کہ مکتب ۶ سال کا، پھر متوسطہ

دوسال کا، پھر ثانویہ تین سال کا، پھر عالیہ چار سال کا، اور فضیلت دو سال کا، کل سترہ سال کا نصاب کر دیا گیا۔ اور عالیہ اور فضیلت کو دو بڑے شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک علوم دینیہ، دوسرے ادب و زبان کا شعبہ، اور ہر شعبہ میں چھوٹے چھوٹے مزید شعبے قائم کر دیئے گئے، مثلاً علوم دینیہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ، اور ادب کے شعبہ میں "ادب جدید وادب قدیم" اور نقد و بلاغت کے شعبے بنا دیئے گئے۔ عالمیت کے بعد طلباء کو ذیلی شعبوں کے اندر اختیار دیا جاتا ہے کہ جس سے مناسبت زیادہ سمجھیں اس کو اختیار کریں۔

"المعهد العالي للقضاء و الإفتاء" علوم دینیہ کے شعبہ کے طلباء کے لئے، اور "المعهد العالي للدعوة و الفكر الإسلامي" دونوں شعبوں کے طلباء کے لئے ایک ایک سال کا رکھا گیا ہے تا کہ اس میں مہارت اور کام کرنے کی صلاحیت کی مشق کرائی جا سکے، عالمیت کے درجات میں طلباء کی تعداد بہت بڑھ جانے کی وجہ سے درجہ میں متعدد سیکشن قائم کر دیئے گئے ہیں۔

شروع میں ندوۃ العلماء میں عربی و اردو میں کوئی پرچہ نہیں نکلتا تھا جب کہ اس وقت سے پندرہ سال قبل عربی رسالہ (الضیاء) تھا، اور اردو رسالہ (الندوہ) تھا لیکن وہ دو تین سال چل کر وسائل کی کمی کی وجہ سے بند ہو گئے تھے۔ مولانا کے دلچسپی لینے سے عربی میں دو پرچے ایک ماہنامہ (البعث الإسلامي) دوسرے پندرہ روزہ (الرائد) ۱۹۶۰ء سے قبل سے نکلنا شروع ہوئے اور آج چالیس سال سے زیادہ عرصہ گذرنے پر بھی برابر جاری ہیں، اور عالم عربی میں مقبول ہیں، اور ان کی اشاعت معتدبہ تعداد میں ہے۔ ۱۹۶۳ء کے آخر میں اردو میں پندرہ روزہ (تعمیر حیات) نکالا گیا، جو برصغیر میں اپنی مخصوص جگہ رکھتا ہے، اب ایک سال سے انگریزی سہ ماہی اور ہندی ماہنامہ "سچا راہی" بھی نکلنا شروع ہو گیا ہے، جو خاصا پسند کیا جا رہا ہے۔ ندوہ کے رابطہ

www.abulhasanalinadwi.org

ادب اسلامی کے مرکز سے ایک سہ ماہی علمی وادبی رسالہ ''کاروان ادب'' کے نام سے نکلتا ہے۔

مولاناؒ کی ذمہ داری کے عہد میں ندوۃ العلماء میں چار بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہوئیں، جن میں شیخ الازہر اور عالم عرب کے بعض وزراء اور یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر کی سطح کے لوگ اور دیگر اہل علم شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک کانفرنس دینی تعلیم کے موضوع پر ہوئی، اور یہ بین الاقوامی سطح پر بہت اہمیت کی حامل منعقد ہوئی، اور اس سے ندوۃ العلماء کے بین الاقوامی تعارف میں بڑی مدد ملی، اور کسی بھی ہندوستانی دینی ادارہ میں منعقد ہونے والی یہ سب سے اہم اور تاریخ ساز کانفرنس تھی۔ (۱) اور دوسری کانفرنس ادب اسلامی کے موضوع پر بین الاقوامی سطح کی منعقد ہوئی۔ اس میں ممتاز عرب علماء، ادباء ومفکرین نے شرکت کی، اور ہندوستان کے ممتاز علمی وادبی حیثیت رکھنے والے حضرات بھی شریک ہوئے۔ (۲) اور تیسری کانفرنس ۱۹۸۶ء میں ادب اسلامی کے موضوع پر منعقد ہوئی جس میں رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل عمل میں آئی۔ چوتھی کانفرنس بین الاقوامی سطح کی ردقادیانیت کے موضوع پر منعقد ہوئی جس میں امام حرم مکی وصدر شؤون حرمین شریفین شیخ محمد بن عبداللہ السبیّل اور دوسرے ممتاز عرب علماء اور ملک کی مقتدر علمی ودینی شخصیات نے شرکت کی، اور یہ کانفرنسیں دور دور تک اہل علم ودین کی طرف سے خراج تحسین کے لائق قرار پائیں۔

ندوہ کا کتب خانہ اس کی درسگاہ کے ہال میں تھا، مولانا کی ذمہ داری کے زمانہ میں اس کے لئے ایک علیحدہ پانچ منزلہ پرشکوہ عمارت تعمیر ہوئی۔ اس کے علاوہ

---

(۱) تعلیم کے موضوع پر اس بین الاقوامی کانفرنس کی روداد کے لئے ملاحظہ ہو ''روداد چمن'' از مولانا سید محمد الحسنی مرحوم

(۲) مذاکرہ ادبیات اسلامی کے عنوان پر اس بین الاقوامی سیمینار کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی مرتب کردہ کتاب اردو میں ''دین وادب'' اور عربی میں "الأدب الإسلامي فكرته و منهاجه"۔

www.abulhasanalinadwi.org

دفتر کے لئے بھی علیحدہ عمارت تعمیر کی گئی۔ اساتذہ کی سہولت کے لئے رہائشی کوارٹر خاصی تعداد میں تعمیر کئے گئے، اور طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر بعض شعبے شہر کے مضافات میں جگہ حاصل کر کے منتقل کئے جا رہے ہیں۔ احاطۂ ندوۃ العلماء اب اپنے متعدد المقاصد شعبوں اور ضرورتوں کے لئے قائم کردہ عمارتوں کے ساتھ ایک یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ دعوت وفکر اسلامی کے تحت برابر تحقیق وتصنیف کا کام خود بھی کرتے رہے اور دوسروں سے بھی کراتے رہے۔ اس کے لئے مستقل ایک ادارہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم کیا جس کی اشاعت کردہ کتابیں تاحال دوسو سے اوپر ہو چکی ہیں، مجلس کا کام چار بڑی زبانوں عربی، اردو، انگریزی اور ہندی میں پھیلا ہوا ہے۔

ان سب باتوں کی وجہ سے ندوۃ العلماء پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے دانشور طبقہ میں جانا پہچانا ادارہ بن چکا ہے، جو اپنے تعلیمی مدارج کے اعتبار سے یونیورسٹی کے معیار تعلیم کے مطابق ہے، اور نصاب کے اعتبار سے کسی بھی بڑی دینی درسگاہ کی خصوصیات کا حامل ہے، اور مضامین نصاب کے اعتبار سے قدیم وجدید کے صالح اور ضروری مضامین کو جمع کئے ہوئے ہے، اور اس کے کام اور نام کو اب بہت وقیع سمجھا جانے لگا ہے۔

ندوۃ العلماء کے قائم کرنے والوں نے جن مقاصد کو اپنا مطمح نظر بنایا تھا، اور ندوۃ العلماء کو اس کے لئے معیاری درسگاہ بنانے کی جو کوشش کی تھی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اچھی طرح سمجھا اور اپنایا۔ ان کے ذہن میں درسگاہ کا تصور تربیت گاہ کا تھا جس میں متعین مقصد کے مطابق نئی نسل کو ڈھالنا ہوتا ہے، اس اصول کی بنیاد پر نصاب اور نظام تعلیم دونوں کو دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ مطلوبہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے یا

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں؟ اور اس سے مطلوبہ انسانوں کی تشکیل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ خدا کی طرف سے ان پر کیا ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور ان کی ملی زندگی کے کیا تقاضے ہیں؟ اور ان دونوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کو کن صلاحیتوں اور کس کردار کا حامل بننا ہے؟۔ مولانا کے نزدیک ہمارے تعلیم یافتہ شخص کو اپنے عہد کو سامنے رکھتے ہوئے مرد مومن کا مقام حاصل کرنا ہے، جو ملت کی ضرورت پوری کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ اور نصاب کے سلسلہ میں ان کا تصور "الجمع بين القديم الصالح و الجديد النافع" کا تھا، یعنی قدیم کی اچھی باتوں اور جدید کی مفید باتوں کو جمع کرنا۔ چنانچہ ندوہ کے نصاب میں حدیث وقرآن کی تعلیمات اور مقتدر اسلاف کے اچھے علمی وادبی ورثہ کے ساتھ تجرباتی علوم وآداب کا وہ حصہ جو ہماری زندگی کے لئے ضروری اور مفید ہے شامل کرنا نصاب کا اصول طے کیا۔ چنانچہ ندوۃ العلماء کے نصاب میں حتی الوسع اس کی رعایت رکھی گئی اور وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ لیا جاتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بچپنے ہی سے ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا، ان کے والد ناظم تھے، اور ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے کو ایک طویل مدت تک یہ منصب ملا، اس کی بنا پر ندوہ کے فکر وتخیل سے سابقہ مولانا کو اپنے بچپنے سے جوانی تک مسلسل ملا، ندوۃ العلماء کے فکری وتعلیمی تخیل کو اور ملت اسلامیہ کے تحفظ وترقی کے سلسلہ میں بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو مولانا نے اچھی طرح سمجھا، پھر اس کے مطابق اپنے لئے لائحہ عمل تیار کیا، جس کو ندوۃ العلماء سے عملی وابستگی کی صورت میں ندوۃ العلماء میں اور اس کے توسط سے ملت میں اپنایا۔

مولانا کے ذہن نے یہ اخذ کیا اور اس پر زندگی بھر عامل رہے کہ تعلیمی نصاب

www.abulhasanalinadwi.org

ونظام ایسا ہونا چاہئے جس سے ملت کی وقتی ودائمی ضرورت کو پورا کرنے والے افراد مہیا ہوں، جو فکری قابلیت اور ذہنی صلاحیت میں اپنے زمانہ کے اہل فکر کے اختیار کردہ معیار واثر سے کم نہ ہوں، اور امت کے لئے کام کرنے اور اسلامی فکر کی برتری ثابت کرنے میں ان ہی وسائل وصلاحیتوں کے حامل ہوں جن کی اس زمانہ میں ضرورت ہے۔ دوسری طرف دینی علوم کے مراجع ومستند ذخیرۂ علمی پر ایسا عبور حاصل کریں کہ اپنے مقابل کے سامنے اسلامی برتری کو پیش کرنے میں کمزور ثابت نہ ہوں۔ تیسری طرف دعوتی اور تشکیل ذہنی کے کام میں فکری واقفیت اور تعبیر وزبان کے بہتر طریقہ سے آراستہ ہوں تاکہ فریضۂ دعوت وتشکیل فکر انجام دے سکیں۔ چنانچہ مولانا نے ندوہ کے نصاب ونظام تعلیم میں اسی کے مطابق تبدیلیاں لانے اور توسع وقوت پیدا کرنے کی تدابیر کی طرف توجہ دی، اور خاصی حد تک کامیابی حاصل کی، اور ان کے ذریعہ پڑھ کر نکلنے والی نسل میں اس کے آثار نمایاں طریقہ سے دیکھے جارہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کو صرف ندوۃ العلماء کے لئے ہی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ تمام مسلم درسگاہوں کو اسی اصول پر چلانے کا مشورہ دیتے تھے۔ وہ ندوہ میں وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں اور ہدایات میں اور ندوہ سے باہر جہاں اس کا موقع ہوتا اس کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ مولانا کے نزدیک نصاب کی کتابوں اور مضامین میں یہ خصوصیت ہونی چاہئے کہ وہ مقصد تعلیم پورا کرتے ہوں، اس کے لئے انہوں نے مختلف مضامین کے لئے مقصد کے لحاظ سے نصاب اور کتابوں کی تیاری پر زور دیا، بلکہ خود اس میں عملی حصہ لیا۔ چنانچہ عربی زبان وادب میں مصر کی تیار کردہ کتابوں کی جگہ ان کی متبادل کتابیں خود اپنے قلم سے تیار کیں، اور اپنے کئی شاگردوں سے بھی یہ کام کروایا۔ چنانچہ ندوہ زبان وادب میں اور بعض دیگر موضوعات میں خود کفیل ہوگیا ہے، بلکہ اس کے پاس دوسروں کی ضرورت بھی پوری کرنے کا سرمایۂ علمی ہوگیا جو آج

www.abulhasanalinadwi.org

اندرون ملک و بیرون ملک کی بہت سی دینی و سرکاری درسگاہوں میں شامل نصاب ہے۔ مولانا نے تعلیم کو نظری حد تک محدود رکھنے کو غیر مفید سمجھتے ہوئے عملی تدبیروں سے وابستہ کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ عملی مشق اور تربیتی پروگراموں کو نظام تعلیم میں شامل کیا۔

ان مذکورہ بالا امور میں ندوہ میں مولانا کے تخیل کے مطابق اس کے وسائل کے دائرے میں کوشش برابر کی جاتی رہی، اور خاصا کام انجام پایا۔ اور اس کو ساری دنیا میں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن وسائل کی بعض دشواریوں کی بنا پر ابھی اس معیار تک نہیں پہنچایا جاسکا جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر رہا ہے، لیکن مولانا نے جو راہ بتائی ہے اسے ان کے شاگرد اور منتسبین جاری رکھنے اور ترقی دینے کا اپنے کو پابند سمجھتے ہیں۔

مولانا کو ندوۃ العلماء میں دس سالہ تدریسی تعلق کے بعد وہاں تعلیم و تربیت کے کاموں سے تعلق برابر قائم رہا، اور وہ اس کے ساتھ دعوتی اور دینی اور علمی کاموں میں مصروف رہے، پھر ان کو باقاعدہ نائب معتمد تعلیم کی ذمہ داری ملی، تو انہوں نے تعلیمی امور سے قریبی دلچسپی لینی شروع کی، اور اس طریقہ سے ندوۃ العلماء کو تقویت دینے اور اس کی ترقی بڑھانے کا ان کو قریبی موقع ملا، البتہ ۱۹۶۱ء کے بعد وہ باقاعدہ نظامت کی ذمہ داری ملنے پر خصوصی دلچسپی لینے لگے، اور انتظامی و مالی تقاضوں کی فکر کرنے لگے۔ اس کے نتیجہ میں ندوۃ العلماء کو مختلف جہتوں میں وہ ترقی ہوئی جس کا سطور بالا میں تذکرہ آیا ہے، ان کو اپنی ان کوششوں اور کاموں میں اپنے معاصرین میں سے مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی، مولانا محب اللہ صاحب لاری ندوی کا تعاون ملا، اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی سے مختلف حیثیتوں سے تعاون ملا، اور اس فہرست میں اس وقت کے بڑے اساتذہ میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی اور مولانا اسحاق صاحب سندیلوی اور شاہ حلیم عطا صاحب سلونی

www.abulhasanalinadwi.org

بھی قابل ذکر ہیں۔اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی سے معتمد تعلیم کی حیثیت سے اور مولانا محب اللہ صاحب ندوی سے بحیثیت مہتمم کے تعاون حاصل ہوا،اور مولانا کے شاگردوں میں سب سے زیادہ تعاون مولانا معین اللہ صاحب ندوی سے ملا جو نائب ناظم کے عہدہ پر فائز تھے۔اور ندوہ کے تمام کاموں میں مولانا کے معاون تھے۔

مولانا کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے منصوبوں کی تکمیل میں تعاون دینے کا موقع زیادہ ملا،اور انہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی پسند اور مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ممکنہ صلاحیتوں کے ذریعہ تعاون دیا۔ندوۃ العلماء کے شعبۂ تعمیر وترقی کی سربراہی،پھر دفتر نظامت کی سربراہی کے ذریعہ ادارہ کی مالی تقویت کے ذرائع طے کرنے اور عمارتوں کی حسب ضرورت توسیع کی فکر اور اس کے اسباب کے مہیا ہونے کی طرف ان کی جو توجہ رہی اس سے توسیع میں بڑی مدد ملی۔

اسی کے ساتھ مولانا معین اللہ صاحب نے چونکہ اپنی فراغت تعلیم کے بعد دعوتی کاموں میں وقت گذارا تھا،لہذا اسی ذہن سے ندوۃ العلماء کے طلبہ میں اس کا ذہن بنانے کی طرف بھی مفید توجہ کی۔

مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی کے انتقال پر مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیم منتخب ہوئے،وہ مولانا سے زمانۂ تعلیم ہی سے ربط رکھتے تھے،اور ندوہ سے ان کو مادر علمی کی حیثیت سے جو دلچسپی تھی اس کے تقاضہ سے جو تعاون ان کے دائرہ میں آتا وہ کرتے رہے۔ان کا قیام مکہ مکرمہ میں رہتا ہے،مگر وہ اپنے خرچ پر یہاں کا سفر کرتے ہیں،اور یہاں قیام کر کے تعلیمی وتربیتی کاموں کی سرپرستی کرتے ہیں۔(أطال اللہ بقاءہ)۔

مولانا ابوالعرفان خاں صاحب مولانا محمد عمران خاں صاحب کے اہتمام کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے تھے،اور انہوں نے اہتمام کے فرائض کے ذریعہ

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کی کوششوں میں پورا تعاون دیا۔ اس طریقہ سے ندوۃ العلماء میں جو ترقیات ہوئیں ان میں یہ سب حضرات مولانا کے رفقائے کار رہے، اور مولانا کو ان سب کی رفاقت سے ندوۃ العلماء کو ترقی دینے میں پوری سہولت حاصل ہوئی۔

مولانا کے مختلف کاموں میں ان کے چھوٹے شاگردوں میں سے کئی کا حصہ بھی خاصا قابل قدر رہا، خاص طور پر ان کے نامور بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی جو مولانا کے فکری رجحانات کے مطابق اپنی تحریروں کے ذریعہ پورا تعاون کرتے رہے، اور ان کے ساتھ دوسرے ندوی فاضل مولانا اسحاق جلیس ندوی تھے، جو مجلس تحقیقات ونشریات اسلام اور تعمیر حیات کے ذریعہ مولانا کی دعوتی اور فکری کوششوں میں موثر طریقہ سے تعاون کرتے رہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان دونوں کا انتقال کم عمری میں ہوا اور زیادہ طویل مدت تک ان کی کوششیں قائم نہیں رہ سکیں، ندوۃ العلماء کے پہلے جشن تعلیمی کے نظم وترتیب میں بھی ان لوگوں کا خصوصی حصہ رہا۔ اس سلسلہ میں قابل ذکر ناموں میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی اور مولانا کے بھانجے برادر عزیز مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا نام بھی استحقاق رکھتا ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی جو مولانا کے دعوتی اور فکری تمام کاموں میں تعلق خاطر کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔

اسی ذیل میں خاکسار راقم الحروف کو بھی سعادت حاصل رہی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علمی، فکری، دعوتی اور انتظامی کاموں میں تعاون لینے میں اس کو بھی حصہ عنایت فرمایا۔

آخر میں ہم حضرت مولانا کی کتاب ''کاروان زندگی'' سے ندوۃ العلماء کے کام اور پیغام کے تعلق سے وہ اقتباس پیش کرتے ہیں جو ندوۃ العلماء کی روح اور اس کے خمیر اور ضمیر سے واقف ہونے اور مانوس ہونے کے لئے کافی ہے۔ یہ اس خطاب کا

www.abulhasanalinadwi.org

ایک حصہ ہے جو اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر جس میں ہندوستان و بیرون ہندوستان کا چیدہ اور چنیدہ مجمع اکٹھا تھا، دیا گیا تھا۔

مولانا نے فرمایا تھا کہ:

"دین و عقائد کے معاملہ میں ندوۃ العلماء کے مسلک کی بنیاد دین خالص پر ہے، جو ہر قسم کی آمیزش اور آلائش سے پاک، تاویل اور تحریف سے بلند، ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دور، اور ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ ہے۔

دین کے فہم اور اس کی تشریح اور تعبیر میں اس کی بنیاد اسلام کے اولین اور صاف وشفاف سرچشموں سے استفادہ اور اس کی اصل روح کی طرف رجوع پر ہے۔

اعمال و اخلاق کے شعبہ میں دین کے جوہر و مغز کو اختیار کرنے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنے، احکام شرعیہ پر عمل، حقیقت دین اور روح دین سے زیادہ قربت اور تقوی وصلاح باطن پر ہے۔

تصور تاریخ میں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اسلام کے ظہور اور عروج کا دور اول سب سے بہتر اور قابل احترام دور، اور وہ نسل جس نے آغوش نبوت اور درسگاہ رسالت میں تربیت پائی، اور قرآن و ایمان کے مدرسہ سے تیار ہو کر نکلی، سب سے زیادہ مثالی اور قابل تقلید نسل ہے۔ اور ہماری سعادت و نجات اور فلاح و کامرانی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کریں، اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

www.abulhasanalinadwi.org

بھی وہ اس کو پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے"، نیز قدیم حکیمانہ اصول " خذ ما صفا و دع ما کدر " پر ہے (یعنی جو صاف اور نظیف ہو اس کو لے لو، اور جو آلودہ و کثیف ہو اس کو چھوڑ دو)

اسلام کے دفاع اور عصر حاضر کی لادینی قوتوں کے مقابلہ میں اس کی اساس اس ارشاد ربانی پر ہے: ﴿ و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة ﴾ (سورہ انفال: ٦٠) ان کے مقابلہ کے لئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے تیار کرو۔

دعوت الی اللہ، اسلام کے محاسن و فضائل کی تشریح اور ذہن و عقل کو اس کی حقانیت و صداقت پر مطمئن کرنے میں اس کا عمل اس حکیمانہ وصیت پر ہے کہ ﴿ کلّموا الناس علیٰ قدر عقولهم ، أتريدون أن يكذب الله و رسوله ﴾ (لوگوں سے ان کی عقلوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا اور رسول (ﷺ) کو جھٹلا دیا جائے؟)

عقائد و اصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی اور سلف کے آراء و تحقیقات کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتا ہے۔ فروعی و فقہی مسائل کے بارے میں اس کا مسلک اور اصول یہ ہے کہ حتی الامکان اختلافی مسائل کو چھیڑنے اور ہر ایسے طرز عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت بڑھے، اور امت کا شیرازہ منتشر ہو۔ سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے اور ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے۔ اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے۔

مختصراً یہ کہ وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

علیہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے علمی وفکری اور کلامی وفقہی مدرسۂ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے۔ اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے۔" (۱)

(۱) کاروان زندگی ۱۴۱-۱۴۳، مطبوعہ مکتبۂ اسلام، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

باب پنجم

علمی ودعوتی اسفار

www.abulhasanalinadwi.org

بلادِ عربیہ میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (رحمہما اللہ) کی دعوتی اور فکری آراء اور عملی کوششوں کا جو مطالعہ کیا تھا اس میں امت مسلمہ کے عروج وزوال کو اس کی فکری اور سیاسی غلط کاریوں کا اور بے راہ رویوں کا نتیجہ محسوس کیا، اور مشرق وسطیٰ میں سامراجی چیرہ دستیوں کے جن دلسوز واقعات سے واقفیت حاصل تھی، اس نے وہاں کے دانشور طبقہ میں حالات کا مخلصانہ اور حکیمانہ جائزہ لینے کی کمی محسوس کی، اور اس کے نتیجہ میں مولانا کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ عربوں کو یہ یاد دلائیں کہ ان کی سربلندی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) سے مخلصانہ عقیدت اور ان کی بتائی ہوئی راہ سے تعلق اور فخر، اور ان کی حیات طیبہ کی روشنی میں ملت اسلامیہ کے متحد ہونے اور اپنے ان پاکیزہ اسلاف کی پیروی پر اکٹھا ہونے میں ہی ہے، اور اسی میں ان کی کامیابی اور عزت ہے۔

مولانا کے اس جذبہ ورجحان کی تشکیل میں ان کے برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمہ اللہ کا بھی حصہ تھا، ان میں امت اسلامیہ کے مختلف حصوں کی خیر خواہی کا جذبہ رہا تھا، اور انہوں نے مولانا کے رجحان کو تقویت پہونچائی بلکہ اسے مہمیز دی۔

چنانچہ مولانا نے اپنے بمبئی کے ایک سفر میں وہاں عرب ملکوں کے سفارتی منصبوں پر فائز افراد کو اکٹھا کر کے ان سے جو خطاب کیا اس میں اس بات کی طرف

www.abulhasanalinadwi.org

توجہ دلائی۔ان کا وہ خطاب " إلى الراية المحمدية أيها العرب ! " کے نام سے شائع ہوا کہ اے عربو! محمدی جھنڈے کے نیچے آؤ۔

اور پھر مولانا کے ذہن نے اپنی دعوت اور توجہ دہانی اور رسول اللہ (ﷺ) کو مرکز اتحاد وعمل قرار دیتے ہوئے عربوں میں اپنے پیغام کو پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔اس کے لئے اپنے ۱۹۴۷ء کے سفر حج میں وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، اور وہاں کے اہل فکر سے تبادلۂ خیال بھی کیا۔اور ان سے اپنے علمی وفکری تبادلۂ خیال سے مولانا کی رائے میں جو نئے گوشے ابھرے ان میں جو ان کو مفید معلوم ہوئے ان کا اپنی معرکۃ الآراء تصنیف " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين " میں اضافہ بھی کیا۔

مولانا نے اپنا دوسرا سفر حج جو ۱۹۵۰ء میں کیا اس عزم کے ساتھ کیا کہ عالم عربی کا دورہ کر کے اپنی بات اہل فکر کے سامنے رکھیں گے۔

مولاناؒ کا حجاز کا یہ سفر کئی حیثیتوں سے بڑی افادیت کا حامل تھا، حجاز میں اس وقت وہ ترقی اور دولت کی فراوانی شروع نہیں ہوئی تھی جو بعد میں وسیع پیمانہ پر ظہور پذیر ہوئی، بلکہ حجاز کا جو خصوصی رنگ ڈھنگ تھا وہ اپنے مقامی رنگ کے ساتھ قائم تھا، وہاں کے علماء جو خصوصی اہمیت کے حامل تھے عام طور پر حرم کے اندر ہی درس دیتے تھے، اس طریقہ سے حرم شریف کو اسلامی یونیورسٹی کی ایک آزادانہ حیثیت حاصل تھی۔ان میں اہم ترین شخصیتیں شیخ حسن المشاط، شیخ عبدالرزاق حمزہ، شیخ محمد علی المغربی، شیخ علوی مالکی خاص طور پر نمایاں تھے، اور اپنے اپنے موضوعات میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا کی عربی بولنے اور لکھنے کی صلاحیت اور علمی مطالعہ کی وسعت نے ان علماء سے رابطہ قائم کرنے اور علمی تبادلۂ خیال کرنے کی سہولت پیدا کی، مولانا نے خاص طور پر شیخ عبدالرزاق حمزہ جو حرم شریف کے امام بھی تھے، اور مصری ہونے کے باعث بڑی علمی استعداد اور وسیع مطالعہ کے حامل تھے، مولانا نے ان کی اس وسعت

www.abulhasanalinadwi.org

اور ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے اپنی کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " ان کو دکھائی، اس پر انہوں نے بڑی قدر دانی کا اظہار کیا، اور بعض موضوعات میں تبادلۂ خیال ہوا، اور مولانا کو خود شام کا اس وقت تک سفر نہ کر سکنے کی صورت میں ان علاقوں کے سفروں اور ملاقاتوں سے جو فائدہ حاصل ہوتا وہ ایک حد تک شیخ عبدالرزاق حمزہ کے ساتھ تبادلۂ خیال سے بھی حاصل ہوا۔

مولانا کا اس حج کے موقع پر تقریباً ۵-۶ مہینے حجاز میں قیام رہا۔ مولانا اپنی والدہ اور اہلیہ اور ایک بہن کے ساتھ گئے تھے، اور ان کی مدد اور تعاون کے لئے اپنے بھانجے برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے گئے تھے، جن سے ایک طرف مولانا کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال سے فرصت حاصل تھی، دوسری طرف اپنے فاضل بھانجے سے جو ندوۃ العلماء کے فاضل تھے اور علمی استعداد بھی رکھتے تھے، اپنے لئے بھی خدمت کا موقع ملتا تھا۔ اس طریقہ سے مولانا کو سکون کے ساتھ معلوماتی استفادہ کے بین الاقوامی ذرائع حاصل ہوئے۔ وہاں سے واپسی پر مولانا کو علمی و دعوتی میدان میں اور علمی بحث و تحقیق میں مزید فائدہ اور تقویت حاصل ہونے کے ساتھ دعوتی کام کے طرز میں وسعت اور تنوع پیدا کرنے کا موقع ملا، اور ہندوستان میں جہاں تقریباً اسی زمانہ میں تقسیم ملک کا واقعہ پیش آیا تھا، اور اس سے ہندوستانی مسلمانوں کے ذہنوں میں بڑی بے چارگی اور مستقبل کے سلسلہ میں بے اطمینانی، نیز جانی و مالی خطرات سے واسطہ پڑنے کے حالات پیش آرہے تھے، مولانا نے ایسے ذہنوں اور علمی ذرائع کے لحاظ سے کام کا نہج اختیار کیا۔

اس سفر کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی وفات پر کئی سال گذر چکے تھے اور جماعت تبلیغ کا کام ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں آگے بڑھ رہا تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

اور انہوں نے کام کو حجاز میں بھی پہنچانے کی تدبیر کی تھی، اس کے لئے پہلے مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو وہاں بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پے در پے خطوط نظام الدین مولانا محمد یوسف صاحب کو بھیجے کہ یہاں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو اہل علم کے حلقہ میں مؤثر طریقہ سے دعوت کے کام کا تعارف کرا سکے، اور اس کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی تجویز فرمایا۔ مولانا کے اس سفر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کام کو تقویت پہونچانے اور اس کو وہاں جمانے کے سلسلہ میں مولانا محمد یوسف صاحب نے بھی اس کی ضرورت کا احساس بڑھایا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے تھی۔ چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حجاز مقدس کا یہ سفر ایک مفید و مؤثر سفر رہا جس میں انہوں نے وہاں کے علمی حلقوں میں اپنے تعارف کی مدد سے اس کام کو تقویت پہنچائی، اور جس کام کا آغاز صرف عوامی سطح پر شروع کیا گیا تھا، اس کو اہل علم و ادب کے حلقوں میں روشناس کرایا اور ان کو ادھر متوجہ کیا۔(۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا سفر حجاز و بلاد عربیہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ یہ سفر بھی دعوتی مقصد سے تھا۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ اور مولانا سعید احمد خاں صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے کام کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے، اور تقریباً ایک سال سے ندوۃ العلماء کے دو فاضل مولانا معین اللہ صاحب اندوری ندویؒ جو بعد میں نائب ناظم ندوۃ العلماء ہوئے، اور مولانا عبد الرشید صاحب اعظمیؒ مولانا علی میاں صاحبؒ کے مشورہ سے ہی شریک کار ہو گئے تھے، مولانا کے وہاں پہنچنے پر یہ ایک فعال گروپ بن گیا۔

(۱) اس سفر کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کاروان زندگی حصہ اول از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی و سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ از مولانا محمد ثانی حسنی رحمہم اللہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا معین اللہ صاحبؒ اور مولانا عبد الرشید صاحبؒ کو بھیجنے کا بڑا مقصد مولانا کے ذہن میں یہ تھا کہ جماعت تبلیغ کے اصلاح عوام کے کام کے ساتھ خواص میں بھی ان باتوں کی طرف توجہ دہانی کرانے والا لٹریچر بہم پہونچایا جاسکے کہ جس سے وہاں کا دانشور طبقہ بلاد عربیہ خاص طور سے بلاد مقدس میں جو فکری، ذہنی بے توجہی اور بے خیالی کی فضا ہے، وہ حالات کو سمجھنے اور امت مسلمہ کا جو مقام اور پیغام ہے، اس کی ذمہ داری محسوس کرنے کی طرف توجہ دلاتا رہے۔ اس لٹریچر کی تیاری میں خود مولانا نے اپنے رسائل کے ساتھ حصہ لیا تھا، مولانا کی کتاب " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين " اس وقت تک شائع نہیں ہو سکی تھی، لیکن دو تین چیزیں رسائل کی شکل میں تیار ہو گئی تھیں۔ مولانا کا ایک رسالہ " إلى ممثلي البلاد الإسلامية " اس مضمون پر مشتمل شائع ہو چکا تھا، جو انہوں نے ایشیائی ممالک کی کانفرنس میں مسلم ممالک سے آنے والے نمائندوں کے لئے تیار کیا تھا، اور وہ دہلی میں آئے ہوئے شرکاء کانفرنس تک پہونچایا گیا تھا، جس میں مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کو ان کی اسلامی ذمہ داری اور مسلم ممالک کی مطلوبہ قیادت کے طریقۂ کار اور مقصد کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔

مولانا کا دوسرا رسالہ جو " بين الجباية و الهداية " کے نام سے تیار ہوا تھا، اور بلاد مقدسہ کی حکومت وقیادت کی اہمیت اور مسلمان حکمراں کی جو اسلامی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی اسلامی رہنمائی اور رہبری سیاست وقیادت کے مادی فائدہ سے مقدم ہے، اور خاص طور پر حجاز مقدس کے معاملہ میں جو کردار مطلوب ہے، اس کو پیش نظر رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، مولانا چاہتے تھے کہ بلاد مقدس کے اور عالم عربی کے دانشوروں کے سامنے ایسے محترم اور مقدس مقامات میں ہونے کی صورت میں جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ سمجھیں، اس کے لئے علمی اور فکری لٹریچر فائدہ دے سکتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، خاص طور پر جب کہ وہ اچھی فصیح زبان میں ہو۔

مولانا کو تین سال کے وقفہ سے وہاں جانے کا یہ موقع ملا تھا، وہ اس مرتبہ اپنے ساتھ اپنے چار شاگردوں کو بھی جن کا عربی زبان سے تعلق تھا، ساتھ لے گئے، جن میں راقم الحروف اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے عربی زبان کے استاد مولانا عبداللہ عباس ندوی اور دیگر لوگوں میں مولانا سید رضوان علی ندوی اور مولانا سید محمد طاہر منصور پوری مظاہری تھے۔ مولانا کا خیال یہ تھا کہ وہ حجاز سے فارغ ہوکر بلاد عربیہ کا دورہ کریں گے اور ان کے یہ شاگرد وہاں کچھ مدت قیام کر کے مطلوبہ کام انجام دیں گے۔

اس سفر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ سفر حضرت مولانا کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں انجام پارہا تھا، اس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کی سرکردگی صرف حج ہی کی نہیں تھی، بلکہ مولانا کے جو دعوتی مقاصد تھے ان کی تقویت بھی مقصود تھی۔

اس سفر میں ایک خاص واقعہ یہ ہوا کہ کلید بردار خانۂ کعبہ عالی مرتبت شیبی صاحب نے از خود حضرت مولانا کو بیت اللہ شریف کے داخلہ کی دعوت دی اور اس کی بھی اجازت دی کہ مولانا جن لوگوں کو اور ہمراہیوں کو ساتھ لانا چاہیں ان کو بھی اجازت ہے۔ حضرت مولانا نے اس کو اپنے مرشد حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت قرار دی کہ اس خصوصیت کے ساتھ نہ اس سے پہلے یہ موقع آیا تھا اور نہ اس کے بعد باوجود بار بار حاضری کے اس شکل میں یہ شرف حاصل ہوا۔ البتہ ۱۹۹۶ء میں یہ شرف حاصل ہوا کہ خانۂ کعبہ کی کلید آپ کو پیش کی گئی، اور در کعبہ کھولنے کی آپ کو سعادت حاصل ہوئی۔

حجاز سعودی مملکت میں ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا، اور نجد مملکت کا صدر

www.abulhasanalinadwi.org

مقام تھا، اس لئے حکومتی سطح پر نجد کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، لیکن دینی حیثیت سے حجاز کو یہ حیثیت حاصل تھی۔ ۱۹۵۰ء کے آخر میں مولانا نے حجاز کا سفر کیا، اس سفر کی بڑی خصوصیت یہ تھی جو خود مولانا نے بتائی کہ اس سے ایک سال قبل مولانا کو سفر حج پر جانے کا ایک موقع مل رہا تھا، جو کہ ان کے پہلے سفر حج سے دو سال بعد حاصل ہو رہا تھا۔ اس میں مولانا کے ذہن میں اپنے پہلے سفر حج سے حاصل شدہ یادوں اور حرمین شریفین میں گذارے ہوئے دنوں کے تعلق سے جو اشتیاق پیدا ہوا تھا اس کے زیر اثر اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا شدید تقاضہ پیدا کر دیا تھا، لیکن مولانا نے بچپنے سے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ کوئی بھی اہم کام اپنے بڑوں سے رائے لئے بغیر نہ کریں، اپنے بڑے بھائی اور اپنی والدہ سے اجازت لیکر کام کیا کرتے تھے، اور اپنے مربی و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لیا کرتے تھے، چنانچہ مولانا نے حضرت سے حج کا یہ موقع حاصل ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے اجازت چاہی، حضرت نے ان کو دیکھا اور فرمایا: اگر میں روک دوں تو؟ مولانا نے فرمایا: میں بسر و چشم اس کی تعمیل کروں گا، چنانچہ مولانا نے اس موقع سے دست برداری اختیار کر لی۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں مولانا کے اس طرز عمل نے بڑا اچھا اثر پیدا کیا، اور حضرت نے مولانا کی اس بے نفسی کی قدر دانی کی، اس طرح کہ اگلے سال خود پیشکش کی، اور خود بھی حج کا ارادہ فرمالیا، اور فرمایا: یہ سفر میں آپ ہی کے لئے کر رہا ہوں کہ میرے کہنے سے آپ نے حج کا وہ موقع چھوڑا تھا تو میں نے آپ کے لئے اس موقع کا انتظام کیا، حج خود ہی ایک بڑا مبارک موقع ہوتا ہے، اور جب کسی شیخ وقت کی معیت میں اور اس کی طرف سے قدر دانی کے ساتھ حاصل ہو تو اس سے جو روحانی کیفیت کا اضافہ ہوتا ہے وہ اس موقع میں محسوس کیا جا سکتا ہے، اس کے آثار ظاہر بھی ہوئے کہ یہ سفر مولانا کا ذہنی اور علمی اور تعارفی لحاظ سے بڑا بنیادی اور دور رس

www.abulhasanalinadwi.org

سفر ثابت ہوا۔ اس سفر میں مولانا کے کئی شاگردوں کو بھی ہم رکابی کا موقع ملا جن میں یہ کاتب سطور بھی تھا، جس نے نہ صرف یہ کہ اس سفر کی خوبیاں اور فوائد دیکھے بلکہ بعد کے بہت سے نتائج جن کا آغاز اس سفر سے ہوا وہ بھی ظاہر ہوتے ہوئے برابر نظر آتے رہے۔

مولانا نے اس سفر میں دعوت کا کام اس طرح انجام دیا کہ اس کو آئندہ کے دعوتی کام کی ایک اچھی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا کا حج کا یہ دوسرا سفر حسب معمول بحری جہاز سے تھا، جہاز حضر موت کے ساحلی مقام ''مکلا'' میں مسافروں کو لینے کے لئے ٹھہرا، اور اس طریقہ سے جزیرۃ العرب کی سرزمین چار پانچ روز کے بحری ماحول کے بعد جب نظر آئی تو پورے جہاز کے لوگوں کو ایک خاص مسرت حاصل ہوئی۔ مزید بات یہ ہوئی کہ ''مکلا'' سے چڑھنے والے حاجیوں میں وہاں کے قاضی صاحب کے صاحبزادے اور بعض دیگر اصحاب علم بھی تھے، ان کو جب معلوم ہوا کہ جہاز میں ہندوستان کے علماء دین بھی ہیں تو وہ ملنے بھی آئے، اور ایک اچھی تعارفی ملاقات رہی۔ اور اس کے تین روز بعد جہاز جدہ میں لنگر انداز ہوا، وہاں پہلے سے گئے ہوئے اہل تعلق سے ملاقات ہوئی۔ حج کا زمانہ چونکہ قریب تھا، اس لئے اصل مشغولیت توجہ کی رہی، لیکن اس سے فراغت کے بعد حضرت مولانا نے وہاں کے علماء اور دانشوروں سے رابطہ قائم کیا۔ اس میں دو شخصیتوں کے تعاون نے بہت مفید ذریعہ سے کام انجام دیا۔ ان میں ایک تو حکومتی پریس کے ڈائرکٹر شیخ سید محمود حافظ تھے جن کی والدہ برصغیر کی تھیں، ان کی وجہ سے ان کو اردو سے بھی واقفیت حاصل تھی، اور برصغیر کے حضرات سے ایک لگاؤ بھی ان میں پایا جاتا تھا، انہوں نے خاص طور پر حضرت مولانا سے تعلق محسوس کیا، حضرت مولانا نے اس تعلق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے خواہش ظاہر کی کہ حجاز کے ادیبوں اور دانشوروں سے

www.abulhasanalinadwi.org

وہ ایسی ملاقات چاہتے ہیں کہ جس میں وہ ان سے ضروری بات کرسکیں اوران کو اپنے علم وادب کو دین وملت کے لئے مفید بنانے کی طرف توجہ دلاسکیں۔انہوں نے مولانا کی اس فرمائش کے سلسلہ میں اپنے ایک متعارف صاحب علم و ادیب استاد احمد عبدالغفور عطار کا تعارف کرایا جو حجاز کے ادیبوں میں اچھاوزن رکھتے تھے،ان کے تعلقات بھی حجاز کے دانشوروں سے بہت اچھے تھے،اور وہ خوداپنے سابق وطن کے اعتبار سے بنگالی تھے،جس کی بناپر برصغیر کی وطنیت بھی انس پیدا کرنے والی تھی،وہ مولانا سے مانوس ہوئے،اور حجاز کے ادیبوں اور دانشوروں کو کہ جن کا اثر حجاز کی عام علمی سوسائٹی پراچھاتھا،چنانچہ ان کی کوشش سے ایک باغ میں ان سب کو کھانے پر مدعو کیا گیا،اور کھانے سے قبل وبعد فکروادب کے رائج الوقت موضوعات پر مولانا سے ان لوگوں کی گفتگو ہوئی،ان جمع ہونے والے دانشوروں میں سید علی حسن فدعق زیادہ روشن خیال اور ترقی پسند ذہن کے فرد تھے،اور اپنے معاصرین اور اپنے رفقائے ادب میں مقبول بھی تھے،لیکن دینی رجحانات کے معاملہ میں غیر مطمئن رجحان رکھتے تھے،انہوں نے مولانا کا ایسے سوالات سے ایک طرح سے جائزہ لیا،جن سے وہ مغربی رجحانات ادب اور انگریزی ادب کے اصحاب اسلوب کے سلسلہ میں مولانا کی واقفیت جاننا چاہتے تھے۔عجیب بات ہے کہ مولانا نے اپنی جس واقفیت کا ثبوت دیا اس سے وہ خوداور دیگر اہل ادب وتنقیدادب مولانا کی جدید علمی صلاحیت اور عربی پر قدرت دونوں سے متاثر اور مرعوب ہوئے،اور اس طریقہ سے وہ محفل حجاز کے ادیبوں اور شاعروں اور ترقی پسند رجحانات رکھنے والے اصحاب ادب کے دلوں اور ذہنوں میں علمی وادبی برتری کے مقام کی مستحق قرار پائی،اور وہ سب لوگ مولانا کے پختہ اور تازہ بتازہ ذوق سے نہ صرف مانوس ہوئے،بلکہ ایسے گرویدہ ہوئے کہ مولانا کے زندگی بھر کے محب بن گئے،اوراس کے نتیجہ میں ان لوگوں کا دین سے لگاؤ گہرا ہوگیا۔

ان لوگوں میں بعض مملکت کے اہم اور وقیع علمی وادبی رسالوں کے مدیر بھی تھے، اور نوجوان اہل علم ودانش میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان سب کے سوالات کے جوابات مولانا نے بڑے اطمینان سے دیئے، جس سے یہ لوگ حیرت زدہ ہوئے۔ یہ مولانا کے لئے ایک بڑا امتحان تھا، اور مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا بڑا سخت امتحان لیا گیا۔ مگر اس کا یہ اثر پڑا کہ مولانا کی قدر و برتری ان لوگوں کے دل ودماغ میں اچھی طرح بیٹھ گئی۔

مولانا نے اس مجلس میں یہ تجویز پیش کی کہ آپ لوگ اپنے ماحول سے نکل کر کسی کھلی جگہ میں چلیں، وہاں تبادلۂ خیال ہو۔ یہ لوگ تیار ہو گئے اور مکہ مکرمہ سے ۱۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک دیہاتی بستی ''وادی فاطمہ'' کا انتخاب ہوا، مولانا نے کہا: ہم سب مسجد میں قیام کریں گے، تاکہ آپ لوگ کچھ دینی ماحول کا بھی مشاہدہ کریں۔

چنانچہ ان ادیبوں کا ایک قافلہ دعوتی مقصد سے مکہ مکرمہ سے نکل کر وادئ فاطمہ کے دیہات میں ایک شب و روز گذارنے کے لئے گیا، جہاں دعوتی اور فکری مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کا تفصیلی موقع ملا۔ چونکہ یہ سب نئے متاثر ہونے والے لوگ تھے، ان کے ذہنی رجحانات تفریح پسند بھی تھے۔ ان میں سے ایک صاحب اپنے ساتھ ریڈیو بھی لیتے گئے تھے۔ اس زمانہ میں ریڈیو کے متعلق اہل دین کی رائے اچھی نہ تھی، لیکن مولانا نے دعوت کے مقصد سے ان کی اس بات کو بھی برداشت کیا۔ پروگرام کا اچھا اثر پڑا، یہ سب مولانا سے اور ان کی دعوتی فکر سے جڑ گئے اور تاحیات متعلق ہو گئے۔ اور اس طریقہ سے بلاد مقدسہ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں دعوت اسلامی اور فکر اسلامی کے رجحان کو ابھارنے کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، اور حجاز کے دو تین ادیب جو وہاں کی نوجوان سوسائٹی میں اثر رکھتے تھے، مولانا کے معاون بن گئے۔ ان میں خاص طور پر سید علی حسن فدعق کے علاوہ حجاز کے موقر ادیب وصحافی عبد القدوس انصاری،

www.abulhasanalinadwi.org

محمد محسن باروم اور سعید العامودی اور احمد عبد الغفور عطار قابل ذکر ہیں۔

ان مذکورہ بالا ادیبوں اور شاعروں کا ملک کی اہم حکومتی شخصیت شیخ محمد سرور الصبان سے بھی اچھا تعلق تھا، جو ملک کے انتظامی ڈھانچے میں تقریباً دوسرے نمبر کی شخصیت سمجھے جاتے تھے، اور ادیبوں میں بھی ان کا درجہ محترم درجہ تھا، اس طرح شیخ محمد سرور الصبان کی نظر میں بھی مولانا کی شخصیت کا مقام آگیا، اور اسی تعلق سے مولانا کے سفر طائف کی تجویز بھی سامنے آئی۔ جہاں پانچ روز کے لئے مولانا کا سفر ہوا، جس کا انتظام شیخ محمد سرور الصبان کی طرف سے کیا گیا، طائف میں جو علمی اور ادبی شخصیتیں تھیں ان سے مولانا کی ملاقاتیں رہیں، مولانا نے اپنے فکری اور دعوتی خیالات ان تک پہنچائے۔

اس سفر میں مولانا کے شاگردوں میں راقم الحروف اور مولانا معین اللہ صاحب کے علاوہ شیخ احمد عبد الغفور عطار بھی ساتھ تھے، شیخ احمد عبد الغفور عطار کی رفاقت سے مولانا کو طائف کے تعلیم یافتہ طبقہ سے تعارف حاصل کرنے میں خاصی مدد ملی۔ طائف سے واپسی پر بھی وہاں کے علماء اور ادباء سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اور مولانا سے ریڈیو پر بھی تقریریں کرائی گئیں، اس وقت تک سعودی عرب میں تعلیمی اور صحافتی لحاظ سے کوئی بڑی ترقی نہیں ہوئی تھی، ملک میں مشکل سے تین چار ہائی اسکول کی سطح کی تعلیم گاہیں تھیں، اور باقی پرائمری سطح کی تعلیم گاہیں تھیں، جو جدید اصول و طریقے کے مطابق قائم کی جاسکی تھیں، ان سے فارغ ہوکر طلبہ زیادہ تر مصر جاتے تھے، اور وہاں تعلیم کی تکمیل کرتے، قدیم درسگاہوں میں مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کا پرائیویٹ مدرسہ تھا، جو برصغیر کے نظام اور حجاز کے لحاظ سے مناسب نصاب تعلیم پر مشتمل تھا، اور قدیم طرز کی تعلیم حاصل کرنے والے اس سے تعلیم حاصل کرتے تھے، اسی سے ملتا جلتا مدرسہ جو عوامی سطح پر تھا وہ مدرسۃ الفلاح تھا، اس میں حجاز کے سابقہ

www.abulhasanalinadwi.org

مروجہ طریقہ سے تعلیم ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ تھا جس کا نظام و انتظام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے بھائی مولانا سید محمود مدنی چلاتے تھے، جو ان کے بڑے بھائی سید احمد فیض آبادی کا قائم کردہ تھا، اس کا طرز بھی قدیمی تھا، اور مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں کے تعلیم کے خواہشمند وہاں آکر تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ ان دونوں مدرسوں سے یعنی مدرسۂ علوم شرعیہ اور مدرسۂ صولتیہ جس کو برصغیر ہی کے ممتاز عالم دین اور عیسائیت کے فتنہ کا مقابلہ کرنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے قائم کیا تھا، ان دونوں مدرسوں سے اس وقت کے متعدد بڑے اہل علم تعلیم حاصل کر کے وہاں علم وادب کی خدمت کے لائق بنے، لیکن نئے نظام تعلیم کے وہاں آغاز سے ان دونوں مدرسوں کی طرف سابقہ توجہ کم ہونے لگی، اور ان کی خدمت کا دائرہ بتدریج گھٹنے لگا۔

مولاناؒ نے حجاز میں اپنا حلقہ بنا لینے کے بعد مصر وشام وسوڈان کے سفر کا فیصلہ کیا کہ جہاں کی علمی اور فکری ترقیات پورے عالم عربی کو متاثر کر رہی تھیں، اور جہاں تعلیمی اور ادبی لحاظ سے خاصی پیش قدمی ہو چکی تھی، خاص طور پر مصر علم اور فکری رہنمائی کا مرکز بنا ہوا تھا۔

ادھر عالم عربی کا یہ حال تھا کہ مصر میں کئی سال سے شیخ حسن البنا کی سرکردگی میں اسلامی سربلندی کے لئے زبردست کوشش چل رہی تھی، جس نے مصر کے نوجوانوں اور عوام میں اسلامی سربلندی کے جذبہ کو خاصا ابھار دیا تھا، اور اس کی خاطر اپنی زندگیوں میں اصلاح کا عمل بھی خاصا ہونے لگا تھا کہ اس کے سربراہ شیخ حسن البنا شہید کر دیئے گئے، اس سے اسلامی سربلندی کے طالبوں کو غیر شعوری طور پر خاصی چوٹ پہنچی تھی، اور ان میں اسلام کی نصرت کے لئے اپنے احساسات کو تقویت اور تسکین دینے والی مدد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، ایسی صورت میں مولانا کی اس

کتاب نے ان کے لئے تقویت اور تسکین کا بڑا سامان فراہم کردیا، اور ان کا ایک ایک فرد اس کو اپنا بہترین مشیر اور ہمدرد محسوس کرنے لگا۔

اسی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مصر اور دیگر مسلم عرب پڑوسی ممالک کا دورہ کرنے کا بھی موقع حاصل ہوا۔ حجاز کے اس دوسرے سفر میں چار ماہ کے قیام کے دوران حضرت مولانا نے محسوس کیا کہ عالم عربی میں مصر کو علمی وادبی مرکزیت و قیادت کا مقام حاصل ہے، اور مریض وسقیم فکر وادب، انتشار انگیز لٹریچر اور اس کے مقابلہ میں صحتمند خیالات، صالح علمی وفکری قیادت دونوں کا مرکز اور سرچشمہ (عالم عربی کی حد تک) مصر ہی ہے۔ اگر عالم عربی میں کسی چیز کو پھیلانا اور وقیع بنانا ہو اور اس میں کوئی تغیر وانقلاب لانا ہو تو وہ مصر ہی کے راستہ سے ممکن ہے۔ اس وقت حضرت مولانا کے سامنے مصر کے سفر کی اہمیت وافادیت پورے طور پر واضح ہوگئی، اور انہوں نے وہاں کے سفر کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب وہاں پہنچ کر مقبول ہو چکی تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں جاتے ہی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی اپنائیت محسوس کی گئی، اور مولانا نے اپنی ملاقاتوں میں اور اپنی تقریروں میں ان جیسے حالات میں جن سے عالم اسلامی گزر رہا تھا حضرت امام سرہندیؒ کے طریقۂ کار کی طرف متوجہ کیا کہ جنہوں نے شہنشاہ اکبر جیسے بادشاہ کے رجحانات سے ملک اور قوم میں بددینی پیدا ہونے کی صورت میں دعوت کا تفہیم وموعظت کا طریقہ اختیار کیا، اور اس کے اثر سے بتدریج شاہان وقت کے رجحانات میں انقلاب پیدا ہوگیا، موجودہ ناموافق حالات میں وہ زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔

اس سفر سے واپسی کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوری طرح پورے عالم عربی کے حالات کی پیچیدگیوں، خطرات اور امکانات اور توقعات کو اچھی

طرح سمجھ لیا، وہاں ان کو پورے عالم عربی اور وسط ایشیا کی اصلاحی اور دعوتی اور جہادی تحریکوں کے زعماء سے ملنے کا بھی اچھا موقع ملا تھا۔ انہوں نے قفقاز کے علاقہ کے شیخ شامل اور مراکش کے شیخ عبدالکریم ریفی اور الجزائر کے امیر عبدالقادر الجزائری اور فلسطین کے مفتی امین الحسینی جو اپنے ملکوں کو چھوڑ کر قاہرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، سے ملاقاتیں کیں، اور اس سے مغرب کی استعماری طاقتوں کی سیاست اور ڈپلومیسی اور عزائم کا اندازہ ہوا تھا، اور ترک سے آئے ہوئے علماء سے جن میں شیخ امین سراج قابل ذکر ہیں، ملاقات ہوئی، اور مولانا کو اس سفر میں سوڈان اور شام جانے اور وہاں کی شخصیات سے ملنے کا بھی موقع ملا تھا، اس ساری واقفیت سے مولانا کے ذہن کو ایک بے چینی اور جذبہ و درد حاصل ہوا، جس نے ان کو دیگر سارے علماء سے ایک طرح سے ممتاز بنادیا، اور عالم اسلام کے نشیب و فراز کو سمجھنے میں ان کو سب سے فائق اور ممتاز کردیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نتیجہ میں عالم اسلام کو اپنی فکری اور دعوتی تحریروں اور تقریروں میں نمایاں جگہ دینا شروع کردیا، اور ماذا خسر العالم میں جو بات لکھی تھی اس کو ضرورت کے بالکل مطابق محسوس کیا، اور اپنی فکر کا اس کو صحیح ترجمان سمجھا، اور وہ کتاب بھی برابر اپنا وہی اثر ڈالتی رہی، جس کے اثر ڈالنے کا آغاز کتاب کے پھیلنے پر ہوا تھا، مولانا کو عالم اسلام کے اس سفر کے بعد تقریباً دس سال تک حجاز جانے کا موقع نہیں ملا، لیکن درمیان میں ۵ سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں دو ماہ کے لئے دمشق کے کلیۃ الشریعہ میں محاضرات دینے کا موقع ملا، اور اس سفر میں وہاں کے چوٹی کے علماء، مفکرین اور مشائخ سے ملاقات و استفادہ کا موقع حاصل ہوا، وہاں کے شیخ کبیر شیخ احمد الحارون العسل الحجار کو جو سلسلۂ غزالیہ کے بڑے شیخ تھے، آپ سے خاص انس اور تعلق ہوگیا تھا، اور وہ آپ پر بڑی شفقت فرمانے لگے تھے، آپ

www.abulhasanalinadwi.org

کے محاضرات میں دمشق کے بڑے علماء واساتذۂ فن شریک ہوتے، ان علماء ومفکرین میں خصوصیت سے شیخ مصطفیٰ السباعی اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی جو بعد میں شام کے وزیر اعظم ہوئے، اور علامہ بہجۃ البیطار، شیخ مصطفیٰ الزرقاء، استاذ محمد المبارک جیسے چوٹی کے علماء واساتذہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اور شام ہی کے ایک سفر میں ترکی جانے کا موقع ملا، اور وہاں کے حالات سے بہت قریبی واقفیت حاصل ہوئی، ان سفروں سے مولانا کو دو باتوں کا ایسا علم ہوا کہ جن سے ہندوستان کے علماء بالکل بے خبر تھے، اور محض ظاہری اور سنی سنائی باتوں پر اپنی رائے پر پختگی سے قائم تھے، ایک ان میں مصر کے فوجی انقلاب کے سلسلہ کی بات تھی کہ فوجی کرنل جمال عبدالناصر نے فوج کے میجر کے تعاون سے مصر میں انقلاب برپا کیا تھا اور بادشاہت ختم کردی تھی، اور اس میں اخوان المسلمین کے تعاون سے جو اسلام کے فروغ کی سب سے طاقتور تحریک تھی، اس انقلاب کو کامیاب بنایا تھا، اور مقبولیت حاصل کرلی تھی، اور بظاہر وہ اسلام پسندوں کی کوشش سمجھی گئی تھی، لیکن جمال عبدالناصر نے جلد ہی اپنا دامن اسلام پسند لوگوں کے تعلق سے چھڑالیا، اور اپنے قبضہ کو مضبوط بنایا اور اپنے دل کے مطابق مقصد اپنایا، اس طریقہ سے اخوان المسلمین کے اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی ناچاقی پیدا ہوئی۔

اخوان کی طاقت مصر میں وسیع اور ہمہ گیر تھی، جسے آسانی سے توڑا نہیں جاسکتا تھا، اس کو توڑنے کے لئے جمال عبدالناصر نے عرب قومیت کے نعرہ کو اختیار کیا کہ اس سے اسلام پسندی کے ذہن کو مطمئن کرسکے، اور اس بنیاد پر سخت گیر پالیسی اختیار کی، اور اخوان کو کچلنے کی بھرپور کوشش کی، اس کے لئے اس کو سیکولر طاقتوں سے مدد لینی پڑی، اور ملک سے باہر کی بڑی طاقتوں کا سہارا لینا پڑا۔ عرب قومیت کے نعرہ نے ملک کے علماء تک کو دھوکہ میں رکھا، اور وہ اخوان کے بجائے ناصر کے ہمدرد بنے، اور یہ

نہیں سمجھ سکے کہ عرب قومیت اپنے ظاہر کے اعتبار سے اسلام پسندی کا عنوان تھا لیکن اس کے اندرون کا سیکولر مزاج اسلام پسندی کا مخالف مزاج تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سفر سے واپسی پر اخوان کا صحت مندانہ مقصد واضح کیا، اور جمال عبد الناصر کی حکومت کا اسلام مخالف سیکولر انداز سیاست سخت مضر بتایا، اس کو یہاں کے علماء نے اپنی سرسری معلومات کی بناء پر بہت ناپسند کیا، اور ان کے نزدیک جمال عبد الناصر کو اسلامی ہیرو کی حیثیت حاصل تھی، اخوان کو باغیوں کی حیثیت دے رہے تھے۔ دوسری بات جو مولانا نے آکر لوگوں کے سامنے رکھی وہ ترکی کے حالات سے تعلق رکھتی تھی، جہاں اسلامی خلافت کا تسلسل گذشتہ صدی کے آغاز تک تھا، اور اس کو مصطفیٰ کمال اتاترک نے ختم کردیا۔ مصطفیٰ کمال نے اپنے اس رویہ سے قبل ترکی کے فوجی قائد کی حیثیت سے ترکی کے خطرناک حالات کے موقع پر جب کہ یونان سے اس کی لڑائی چل رہی تھی اپنی ماہرانہ فوجی قیادت سے بچالیا تھا، جس کی بناء پر اس کو غازی کا خطاب دیا گیا تھا لیکن پھر اس نے خود ہی اس کی تلافی اپنے اسلام مخالف سیکولر رجحان سے کردی، خلافت اسلامیہ کو ختم کیا اور ساری اسلامی علامتوں کو جن میں عربی رسم الخط، عربی زبان میں اذان اور عربی واسلامی شعائر شامل ہیں، سب کو سختی سے ممنوع قرار دیا، اور اسے باغیانہ عمل قرار دیا، ترکی کے دستور میں اسلامی شعار کو اختیار کرنا سیکولرزم کے خلاف قرار دیتے ہوئے جرم قرار دیا۔ اس کی وجہ سے گویا کہ ترکی کو اسلامی دائرہ سے بالکل باہر کردیا، اور اس نے اپنے اس نقطۂ نظر کا اجراء اپنے بنائے ہوئے دستور کی روشنی میں پوری طاقت سے کیا، دستور کی اسلام مخالف سیکولر قانون کی رو سے اسلام دشمنی کی دادرسی عدالتوں سے بھی نہیں کی جاسکتی تھی، گویا اپنے نزدیک اس نے ترکی کو اسلام سے نکال کر جاہلیت میں لوٹادیا، مصطفیٰ کمال کے انتقال کے بعد اس کے رفیق ومخلص معاون عصمت انونو نے اس پالیسی کو قائم رکھا،

www.abulhasanalinadwi.org

اس طریقہ سے ترکی اسلام مخالف صورت حال میں نصف صدی سے زائد مدت سے چل رہا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفروں سے واپسی پر اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا، اور مصطفیٰ کمال کو جس کو ہمارے علماء شروع کے کردار کی وجہ سے غازی سمجھتے رہے تھے سخت برا مانا، اس لئے کہ مولانا نے مصطفیٰ کمال کو اسلامی ترکی کا دشمن قرار دیا اور ترکی کے غیر اسلامی رویہ کا سبب قرار دیا، جس کو علماء نے قابل تسلیم قرار نہیں دیا، اور اپنی سابقہ معلومات ہی کو اصل قرار دیا، لیکن بعد کے حالات نے مولانا کی معلومات اور تأثرات ہی کو صحیح ثابت کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پورے عالم اسلام کے مشکلات اور مصائب میں مغربی طاقتوں کے پروردہ افراد کو بڑا سبب محسوس کیا جنہوں نے عالم اسلام کے عوام کو دھوکہ میں رکھتے ہوئے ایسی پالیسیاں اختیار کیں جو ان ملکوں کو مغربی طاقتوں کا ذہنی اور سیاسی دونوں لحاظ سے غلام بنائے ہوئے رکھنا چاہتی تھیں، چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی ممالک کے جن حکمرانوں سے ملاقات کا موقع دیکھا ان سے ملاقات کر کے حالات پر توجہ دینے کی تلقین کی، اور اسی طرح جن سے ملاقات کا موقع نہیں ملا ان کو ناصحانہ خطوط کے ذریعہ سے متوجہ کیا، اور پھر اپنے مضامین اور کتابوں میں عالم اسلام کے افسوس ناک حالات کے اسباب اور مغربی طاقتوں کی سیاسی اور ذہنی ترکیبوں کی طرف توجہ دلائی، اس کے کچھ نہ کچھ اثرات تو پڑے ہوں گے لیکن استعماری اور استشراقی کوششوں سے جو عالم اسلام کے ذہین طبقہ کی ذہن سازی کی کوشش کرتا رہا اس کے نتیجہ میں عالم اسلام کے حکمرانوں کی طرف سے اپنے ملکوں کی صحیح پالیسی اختیار کرنے میں جو کمزوری دکھائی گئی اس نے بتدریج ان نتائج تک ان ملکوں کو پہنچا دیا جن کو دیکھ کر سبھی کو افسوس ہوتا ہے۔

مولانا کے ہندوستان سے باہر کے بعد کے سفروں میں جو عموماً عالم اسلام کے ملکوں میں اور خصوصاً یورپ و امریکہ میں جن میں مولانا کو بار بار جانا ہوا ان میں سے اکثر میں اس کاتب حروف کو ساتھ رہنے کا موقع ملا، اور اس نے خود مشاہدہ کیا کہ مولانا وہاں کے حالات سے کیسے فکرمند ہوتے تھے، اور وہاں کے ذہین طبقہ کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلا سفر جس میں ہمارا مولانا کا ساتھ رہا وہ حجاز ہی کا تھا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

حجاز کو پورے عالم اسلام میں جو مرکزیت حاصل ہے اور اس کی بنا پر وہاں کے بااثر افراد پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے میں نے دیکھا کہ اس کو مولانا نے بہت دردمندی کے ساتھ ظاہر کرنے کی کوشش کی، عربی زبان لکھنے اور بولنے میں مولانا کو صلاحیت اہل زبان کی طرح حاصل تھی، اس کی وجہ سے جب بھی انہوں نے گفتگو کی گفتگو توجہ سے سنی گئی۔ اس کے بعد مولانا کو حجاز کے سفر کا تقریباً دس سال تک موقع نہیں ملا، لیکن اپنے پہلے اور دوسرے سفر سے انہوں نے جو تأثرات لئے تھے ان کی روشنی میں وہ تحریری و تصنیفی ذریعہ سے وہاں اپنی بات پہنچاتے رہے، حتی کہ مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کے قیام کا موقع آیا، اور مولانا کو اس میں مدعو کیا گیا، اور وہ اس کی مجلس اعلیٰ کے رکن منتخب ہوئے، اور اس طرح وہاں ہر سال اس کے مشاورتی جلسہ میں شرکت کے تعلق سے حاضری کا موقع ملنے لگا۔ اور اسی موقع پر سفروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

رابطہ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی تنظیم میں بھی اہم مقام دیا گیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سعودی عرب کی ایک اہم شخصیت شیخ محمد سرور الصبان کو حضرت مولانا سے بڑا تعلق ہوگیا تھا، اور ان کی شخصیت کا اثر ان کے دل ودماغ پر چھایا ہوا تھا، جو اس وقت سے تھا جب مولانا کا حجاز مقدس کا دوسرا سفر ۱۹۵۰ء میں ہوا تھا۔ اور طائف میں ایک اہم دعوتی نشست رکھی گئی تھی جس میں شیخ محمد سرور

www.abulhasanalinadwi.org

الصبان بھی موجود تھے۔ وہ سعودی عرب کے وزیر مالیات تھے، ان کی حیثیت ایک ادیب وشاعر کی بھی تھی۔ حکومت میں بااثر درجہ رکھتے تھے۔ اور ادیبوں، شاعروں کی سرپرستی کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ سعودی حکومت نے رابطہ عالم اسلامی کے قیام کی تجویز منظور کی تو اس کی ذمہ داری ان ہی کے سر ڈالی تھی۔

انہوں نے رابطہ عالم اسلامی کے بنیادی ارکان میں حضرت مولانا کو بھی شامل کیا، یہ ایک بڑی خصوصیت تھی جو انہیں حاصل ہوئی۔ اور اس طرح جامعہ اسلامیہ اور رابطہ دونوں کے تعلق سے مولانا کے حجاز مقدس کے سفر بار بار ہونے لگے۔ مولانا نے ان سفروں کے موقعوں سے اپنے دعوتی مقصد پیش نظر فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش رکھی، اور جب موقع ملا اپنے رجحان کی بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ایسا بھی موقع آیا کہ مولانا کو اجلاس کی صدارت بھی کرنی پڑی، اور کلمۃ الوفود پیش کرنے کے بار بار مواقع آئے۔ مولانا نے ان سب سے فائدہ اٹھایا، اور عالمی خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم مسائل سے آگاہ کیا، اور صحیح رخ متعین کیا۔ مولانا کا طرز کلام اور اظہار خیال کا اسلوب عام طور پر اتنا دلنواز اور مؤثر ہوتا تھا کہ لوگوں کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں، اور ایک فکر و پیغام کے ساتھ مجلس اختتام پذیر ہوتی تھی۔

رابطہ ہی کے تعلق سے مولانا کو مملکت کی حکمراں شخصیت ملک فیصل سے ملنے کا موقع حاصل ہوا، اور ان سے بھی مولانا نے ملک کی حکمرانی کے تعلق سے اس ملک کی اسلامی دنیا میں سیادت و قیادت کے پہلو کی طرف متوجہ کیا، اور خود ملک کو دوسرے ممالک کے لئے ایک اچھا نمونہ بنانے کی طرف متوجہ کیا، اور حکومت و سوسائٹی کے دائروں میں جو قابل توجہ امور مولانا کو محسوس ہوئے ان کی طرف متوجہ کیا، ان موقعوں میں سے ایک موقع پر مجھے بھی موجود رہنے کا موقع ملا، اور میں نے گفتگو اگرچہ تھوڑے فاصلہ سے سنی، اور بعد میں مولانا نے اپنا یہ تأثر بتایا کہ مولانا نے ان کو بہت ذہین اور

www.abulhasanalinadwi.org

تجربہ کار حکمراں پایا، مولانا نے جن باتوں کی طرف توجہ دلانے کا آغاز جب کیا تو ان باتوں کا خود انہوں نے تذکرہ شروع کر دیا، اور ان میں اپنی حکومت کے اچھے عزائم ظاہر کیئے، تو گویا کہ مولانا کی طرف سے کہی جانے والی باتوں کو آغاز ہی میں انہوں نے سمجھ لیا، اور مولانا کے اطمینان کے لئے ان باتوں پر اپنا عزم وارادہ بھی ظاہر کر دیا، بعد کے برسوں میں وہ اسلامی ممالک کے اتحادی تحریک کے داعی بھی بنے، جب کہ اسلام اتحاد تحریک کو یورپ یا امریکہ میں بالکل قابل قبول سمجھنے کی گنجائش نہیں ظاہر ہو رہی تھی، اس وقت دو ہی حکمراں ایسے تھے جنہوں نے بڑی ہمت سے اس تحریک کی دعوت دی، ایک نائیجیریا کے احمد بائیلو، دوسرے شاہ فیصل۔ وہ اپنی اس تجویز کو پوری طرح فوراً عمل میں نہیں لاسکے، لیکن شاہ فیصل نے رابطہ عالم اسلامی کو قائم کر کے اس اتحاد کی بنیاد ڈالی، اور برسوں بعد مؤتمر عالم اسلامی کی تشکیل میں اولین حصہ لیا جو اس وقت سے برابر قائم ہے۔ اور احمد وبیلو کو یورپ کی طاقتیں برداشت نہ کرسکیں، اور ان کو ماسونی ہاتھوں نے شہادت کے درجہ تک پہونچا دیا۔

مولانا نے اپنے حجاز کے پہلے سفر سے پہلے ہی جب کہ وہ حجاز جانہ سکے تھے اس وقت کے شہزادے اور بعد کے بادشاہ ملک سعود بن عبد العزیز آل سعود جو ولی عہد تھے، ان کو ایک اہم خط لکھا تھا، جس میں اسلام کے دعوتی مذہب ہونے کی طرف توجہ دلائی تھی، اور مملکت سعودیہ عربیہ کی طرف توجہ دلائی تھی، جو بعد میں "الجباية و الهداية" کے نام شائع بھی ہوا۔ اور پھر آزادیٔ ہند کے فوراً بعد دہلی میں مسلم ممالک کے نمائندوں کا ایک اجتماع ہوا تھا، وہاں بھی ایک مضمون پیش کیا تھا جو "إلى ممثلي البلاد الإسلامية" کے نام سے شائع ہوا، مولانا کے اس لٹریچر کے ساتھ مولانا کا حجاز کا یہ قیام جو دوسرے سفر حج کا قیام تھا مفید اور مؤثر رہا، اور دعوت کے کام کی اچھی داغ بیل پڑی، اسی سفر سے مولانا نے دوسرے عربی ممالک کے سفر کو جوڑا، اور مصر و سوڈان و شام گئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کا ایک خیال یہ تھا جو انہوں نے عرب ملکوں کے دورے سے اخذ کیا تھا کہ حجاز کو اور اس تعلق سے سعودی عرب کو پورے عالم اسلام کی قیادت کا مقام حاصل ہے، اور وہ اس قیادت کے منصب کو اگر اس کے صحیح تقاضوں کے مطابق اختیار کرے تو پورے عالم اسلام میں اچھی تبدیلی لائی جاسکتی ہے، اور اس کو دینی لحاظ سے اس کی بے یقینی اور بے وقعتی سے نکالا جاسکتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ مولانا کا یہ بھی خیال تھا کہ مصر کو علمی اور ثقافتی لحاظ سے سارے عرب ممالک میں برتری حاصل ہے، اور اس وقت سارے ممالک عربیہ کے علمی مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں مصر کا ماحول اور وہاں کی تعلیم، اگر مصر سے عرب ممالک کے لوگوں کا رجحان صحیح بنانے کی اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو اگر صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کی جائے تو بہت اثر انداز ہوسکتی ہے، مصری عوام میں جو جوش عمل نظر آتا ہے، اور اس کے باشندوں کی تعداد کو دوسرے ملکوں کی مقدار پر کھلا ہوا تفوق حاصل ہے، اور جو وہاں علمی برتری اور ترقی ہوچکی ہے، اس کی بنیاد پر پورے عالم عرب میں مصر بڑی قیادت کا ثبوت دے سکتا ہے، اور اس کی بڑی تصدیق اخوان المسلمین کی اس تحریک سے بھی ہوتی تھی جو اس کے بانی شیخ حسن البنا کی کوششوں سے مصر پر پوری طرح چھا گئی تھی، اور جس نے لوگوں کی زندگیاں بدل دی تھیں، اور جس نے وہاں کی زندگیوں پر بڑا اثر ڈالا تھا، اور عرب کے دوسرے ملکوں میں بھی ان کے اثرات پڑ رہے تھے، چنانچہ مولانا جب مصر گئے تو وہاں کے دعوتی اور علمی حلقوں سے رابطہ قائم کیا اور ان سے تبادلۂ خیال کیا اور اپنی آراء سے بھی واقف کرایا، اس طریقہ سے مولانا کو پورے عالم اسلام میں ممتاز داعی اور بڑے دانشور کی حیثیت سے معروف ہونے کا موقع حاصل ہوا۔

مصر کے علاوہ مولانا نے شام، اردن، امارات عربیہ متحدہ، قطر، کویت، یمن اور ان کے علاوہ مغرب اقصیٰ (مراکش) وغیرہ میں امت کے طبقۂ خواص و طبقۂ عوام دونوں میں خطاب کیا۔ اور یمن میں فوج سے بھی خطاب کرنے کا موقع ملا۔ مولانا نے

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے ان سفروں میں مختلف ممالک کو خطاب کرتے ہوئے اور ان کی اسلامی اور اخلاقی ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے مؤثر اسلوب پر مشتمل مضمون تیار کئے، جو " اسمعي " کے نام سے پمفلٹ میں شائع ہوئے، اسمعي مصر! ، اسمعي سوريا! ، اسمعي يا زهرة الصحراء ! اور بين العالم و جزيرة العرب ۔ مولانا کے علم وفکر اور عالم اسلام کے مسائل پر ان کی گہری نظر اور بصیرت وفراست نے سبھی کو متاثر کیا۔ اور لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ مولانا اسلام کے پیغام حق وصداقت کو علاقائی وطبقاتی حدود سے نکال کر عالمی پیمانہ پر اور ساری انسانیت کے لئے اس کی افادیت اور ضرورت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے بلاد عربیہ کے تمام سفروں میں اس کا پورا خیال رکھا کہ اس دوران ان پر یا ان کے رفقاء پر وہاں کے تمول اور مادیت کا ذرا اثر نہ پڑنے پائے، اس لئے انہوں نے زہد واستغنا اور دینی ترجیحات کو ہی ہر موقع پر غالب رکھا۔(۱)

(۱) ان سفروں کی روداد " من نهر كابول إلى نهر اليرموك " اور " نفحات الإيمان بين اليمن و عمان " اور " أسبوعان في تركيا " اور " أسبوعان في المغرب " کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یورپ وامریکہ کے سفر

ڈاکٹر سعید رمضان شیخ حسن البنا کے داماد اور مصر کے قانون داں وکیل کی حیثیت سے معروف ہوئے، اور جب اخوان المسلمین اور حکومت مصر میں سخت آویزش ہوئی تو اخوان کی متعدد اہم شخصیتیں جن کو سیاسی بنیاد پر کوئی پریشانی لاحق ہوسکتی تھی، وہ ملک سے باہر چلی گئیں، ان میں ڈاکٹر سعید رمضان بھی تھے۔ یہ جوان تھے اور بڑے جذبہ کے مالک تھے، نوجوانوں پر ان کے اثرات پڑتے تھے، طبیعت کے نیک اور اسلامی سربلندی کے بڑے حامی تھے۔ انہوں نے جنیوا (سوئزرلینڈ) میں اسلامی فکرو دعوت کی خدمت کے لئے ایک سینٹر قائم کیا اور مولانا کے سفر مصر کے دوران مولانا سے ان کو جو ربط وتعلق ہوا تھا اس کی بنا پر اس سینٹر کے جو ۴-۵ ٹرسٹی انہوں نے بنائے ان میں ایک مولانا کا نام بھی تھا، اور انہوں نے مولانا سے سینٹر کے سالانہ مشاورتی اجتماعات میں شرکت کا پورا وعدہ لیا۔ اور اس طریقہ سے مولانا کو یورپ کے کئی اہم شہروں میں اسلامی فکرودعوت کی نصرت کے لئے کام کرنے کا موقع ملا، مولانا نے اس موقع کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہوئے اس دعوت ورکنیت کو بخوشی قبول کیا۔

اس سلسلہ کا پہلا سفر جو یورپ کے علاقہ کا مولانا کا پہلا سفر تھا اور ۱۹۶۲ء میں ہوا، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب جو مولانا کے دین ودعوت کے ان کاموں میں جو جدید طبقہ میں مولانا انجام دیتے تھے، مولانا کے بڑے معاون اور مرافق ہوتے تھے،

www.abulhasanalinadwi.org

ان کو مولانا نے اپنے رفیق سفر کی حیثیت سے اس سفر میں ساتھ لیا۔ مولانا کی آنکھوں کی تکلیف اور اس کی وجہ سے بصارت کی کمی کی بنا پر ایسے کسی سفر میں معاون و مددگار کی بڑی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی رفاقت معالج کی حیثیت سے بھی بہت مناسب تھی۔

اس سفر میں مولانا جنیوا کے اسلامک سینٹر میں شریک ہونے کے بعد لندن بھی تشریف لے گئے اور جرمنی کا بھی سفر کیا۔ اور اس کے بعد اسپین کے سفر کا بھی پروگرام بنایا جو کسی بھی صاحب فکر مسلمان کے لئے دینی جذبہ کا حامل پروگرام تھا۔ اس وقت تک اسپین میں مسلمانوں کو حکومت کی طرف سے کوئی خاص رواداری حاصل نہیں تھی، صرف سفارتی سطح پر کچھ مسلمان عرب وہاں پہونچے تھے اور کچھ طلبہ اپنے خاص حالات کی وجہ سے وہاں تعلیم کے لئے گئے ہوئے تھے۔

مولانا کی ملاقات ان طلبہ سے ہوئی، اور مولانا نے انہیں رغبت دلائی کہ وہاں پہنچے ہوئے مسلمان جو بھی ہیں وہ ایک دینی اجتماعیت قائم کریں، اور کسی جگہ باجماعت نمازیں بھی پڑھیں۔ چنانچہ اس کی ابتدا مولانا کی رہنمائی میں انجام پائی، جس کو بعد میں مسلمانوں کے وہاں ذرا وسعت کے ساتھ پہنچنے اور حکومت کی طرف سے کچھ رواداری ملنے پر دینی تعلق کی بنا پر جو دعوتی اور دینی دلچسپیوں کا سلسلہ شروع ہوا اس کو مولانا کی دلچسپی اور مشورہ سے ایک اچھا آغاز قرار دیا گیا۔ چنانچہ بات بڑھتے بڑھتے ایک معتد بہ سلسلہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، اور مسلمان وہاں ایک اقلیت کے طور پر نمایاں ہو گئے ہیں۔

مولانا نے اس سفر میں وہاں کے مختلف شہروں کا دورہ بھی کیا، اور آثار بھی دیکھے، سیاحوں کو آثار دکھانے والے ترجمان کا تعارفی طریقہ مسلمانوں کے لئے مغایرانہ ہوتا تھا، مثلاً جب وہ یہ کہتا تھا کہ یہ مسلمانوں کے زمانہ کی فلاں چیز ہے، تو

www.abulhasanalinadwi.org

انگریزی میں جو لفظ استعمال کرتا تھا اس کی تعبیر یہ ہوتی تھی: ”یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ہم نے یہاں سے مسلمانوں کو نکال باہر کیا“۔ مولانا نے اپنے ایک ساتھی کے ذریعہ سے کہلایا کہ یہ تعبیر ہم مسلمان سیاحوں کے لئے تکلیف دہ ہے، پھر اس نے تعبیر میں فرق کر دیا۔ بہر حال مولانا وہاں کی بہت سی یادیں لے کر آئے اور اپنا ایک تأثراتی مضمون بھی لکھا۔

جنیوا کے اسلامی مرکز میں شرکت کا یہ آغاز مولانا کے لئے یورپ میں بار بار جانے کا آغاز ثابت ہوا، اور تقریباً ہر سال مولانا وہاں کے جلسہ کے موقع پر جانے لگے۔ اگلے سال کے سفر میں مولانا نے راقم الحروف کو اپنے ساتھ لیا، جس کی خاص بات یہ تھی کہ جنیوا کے اس سفر کے موقع سے مولانا کو لندن اور ارد گرد کے دوسرے مغربی ملکوں میں جانے کی سہولت حاصل ہو جاتی تھی، اور اس میں ڈاکٹر سعید رمضان بڑے معاون ثابت ہوتے تھے، بلکہ وہ اس قدر کوشش کرتے تھے کہ مولانا یورپ کے دوسرے ملکوں میں جائیں اور وہاں کے دانشور طبقہ میں اسلامی فکر اور دین کا تعارف پیش کریں۔ چنانچہ مولانا نے اپنے ان سفروں میں لندن کے علاوہ برطانیہ کے دیگر شہروں اور یورپ کے کئی ملکوں کے دورے بھی کئے اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ سے خطاب کا بھی موقع حاصل کیا۔ مولانا کے ان سفروں میں میرے علاوہ مولانا کے بعض دوسرے معاونین بھی رفیق سفر بنے، لیکن زیادہ تر مجھ کو ہی یہ سعادت حاصل ہوتی رہی۔

مولانا ان دوروں میں عام طور پر عربی میں خطاب کرتے تھے، اس لئے کہ مخاطبین میں خاصی تعداد عرب طلبہ کی ہوتی تھی جو یورپ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے ہوتے تھے، جو مقامی سامعین ہوتے، ان کے لئے ان ہی عرب طلبہ میں سے کسی کو مولانا کی تقریر کی انگریزی ترجمانی کا موقع دیا جاتا، عربی اور عربوں کے تعلق سے

www.abulhasanalinadwi.org

شاید مولانا یہ محسوس کرتے تھے کہ کسی ایسی خدمت کے سلسلہ میں جس کا تعلق عربی سے ہے میں شاید خدمت کا فرض انجام دے سکوں گا۔ اگرچہ مولانا نے اپنے بعض سفروں میں اپنے بعض دوسرے شاگردوں کو بھی خدمت کی سعادت عطا کی۔

مولانا نے یورپ میں اپنی تقریروں میں یوروپین قوموں کے ذہن اور ان کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کی اہمیت اور خوبی پر روشنی ڈالنے میں ہمیشہ بڑی حکمت سے کام لیا، اور مؤثر تقریریں کیں، اور اس کے ساتھ ساتھ مشرقی قوموں کے جو افراد وہاں طلب علم کے لئے یا معاش کے لئے پہنچے ہوئے تھے، ان کو بھی غیر اسلامی ملکوں میں ان پر جو دینی اور دعوتی فریضہ عائد ہوتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اخلاق اور اسلامی سیرت کا جو تقاضہ ہے اس کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا کے یہ دورے تقریباً بلا ناغہ ہر سال ہوتے رہے، اور مولانا ان دوروں کو دعوت وفکر اسلامی کے بلند مقصد کے لئے برابر استعمال کرتے رہے۔ اسی درمیان مولانا کو امریکہ کی مسلم طلبہ کی انجمن M.S.A. کی طرف سے اس کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے اور خطاب کرنے کی دعوت ملی، جس میں عالم اسلام کے معروف اہل فکر علماء اور داعی بھی شرکت کے لئے جاتے تھے۔ مولانا نے اس دعوت کو قبول فرمایا، کیوں کہ امریکہ کو پوری مغربی دنیا میں جو سیادت وقیادت حاصل ہوگئی ہے اگر وہاں کوئی مؤثر بات کہی جاسکتی ہے تو اس کا اثر زیادہ وسیع پیمانہ پر پڑ سکتا ہے۔ اس موقع سے یہ خیال بھی آیا کہ مولانا کی آنکھ جو کچھ عرصہ سے بینائی کی کمی اور بعض دوسرے امراض کا شکار تھی، اس کے علاج کا امریکہ میں بہتر موقع مل سکتا ہے، لیکن وہ مقصد ذیلی اور ثانوی تھا، اور اصل مقصد دعوت اور فکر اسلامی کی تقویت تھی۔

چنانچہ مولانا نے اس مقصد میں فائدہ اٹھانے کے لئے امریکہ کے مختلف شہروں میں اپنے دوروں کا پروگرام طے کرایا جو M.S.A. کے جلسہ کے پروگرام کے

اختتام پر شروع ہوئے اور پندرہ بیس روز جاری رہے، جن میں امریکہ و کناڈا کے اہم اہم شہروں میں جانا ہوا، اور ہر جگہ مولانا نے مؤثر اور پُر مغز خطاب فرمایا۔ اس وقت تک امریکہ میں مشرقی ممالک سے طلب علم کے خواہش منداور بعض دوسرے مقاصد سے عربوں کی اور برصغیر کے لوگوں کی ایک معتد بہ تعداد پہنچ چکی تھی ۔ اور یہ سب پڑھے لکھے اور ذہین طبقہ سے تعلق رکھنے والے تھے ۔ جب کہ یورپ کے ممالک میں عرب اور برصغیر سے جانے والے اصحاب علم کے علاوہ مزدوری کرنے والے اور کم پڑھے لکھے بھی خاصے پہونچ گئے تھے ۔ اس لئے امریکہ میں مخاطبین کی تعداد علم و فکر سے تعلق رکھنے والی تھی ، اس سے اچھی امید قائم کی جاسکتی تھی ۔ مولانا نے اپنے دورے کے اختتام پر آنکھ کا آپریشن کرایا جو الحمد للہ کامیاب رہا۔(۱)

مولانا کے ان سفروں میں خاص بات یہ رہی کہ مختلف اداروں اور مختلف مواقع پر اپنی نصیحت اور خطاب میں مولانا خاص طور پر اس پہلو کا ذکر کرتے جس میں کمی یا کوتاہی وہ محسوس کرتے تھے، اور اس طرح بات وہ کہتے جو خیر خواہی اور اخلاص پر مبنی ہوتی، لیکن وہ کوتاہی جس کو لوگ نظر انداز کر رہے ہوتے اس کی نشان دہی کر دیتے، مثلاً برطانیہ کے سفروں میں جہاں مختلف شہروں میں برصغیر کے مسلمان شہری بن چکے ہیں ، اور ان کا طریقۂ کار اور رہائش اور زندگی کے تقاضے ایسے نظر آئے کہ جو قابل اصلاح تھے ، ان کی طرف توجہ دلائی ، مثلاً بعض محلوں میں ان کی آبادی بڑھنے سے برطانیہ کے اصل شہری ایک ایک کر کے اپنی اصل آبادی کو کم کرنے لگے، اس لئے کہ جو ظاہری صفائی اور شائستگی ان کی زندگی میں نمایاں ہوتی اس کو برصغیر کے گئے ہوئے مسلمان یا غیر مسلمان پوری طرح برت نہیں پاتے تھے، اور ان کے محلوں کو دیکھ کر یہ

---

(۱) امریکہ کے اس سفر کی پوری روداد جو دو ماہ سے زیادہ کی مدت پر مشتمل ہے، خود مولانا کے حسب حکم میں نے "دو مہینے امریکہ میں" کے عنوان سے مرتب کی جو شائع ہوئی، تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اندازہ ہوجاتا تھا کہ یہ برصغیر کے لوگوں کی آبادی ہے۔ مولانا نے اپنی تقریروں میں توجہ دلائی کہ مسلمانوں کو صفائی وشائستگی میں اور نظم وضبط میں غلط تأثر نہیں دینا چاہئے، ایک مسلمان کی حیثیت سے، ایک پڑھے لکھے اور مہذب شخص کی حیثیت سے جو شائستگی اختیار کی جاسکتی ہے اس کو قائم رکھنا چاہئے۔

اسی طرح وہاں مسلمانوں کے لئے جو ادارے قائم ہیں، ان کے مقاصد اور طریقۂ کار میں مقصد کے لحاظ سے جو خصوصیات ہیں، وہ اپنی جگہ تو صحیح ہیں مگر بعض باتیں ہیں جو کمزوریاں شمار کی جاسکتی ہیں، مولانا نے ان کی طرف توجہ دلائی۔

ایک ایسے دینی مدرسہ میں جانا ہوا جو ایک اچھا اور وقیع مدرسہ ہے، لیکن ہندوستان کے قدیم دینی مدارس کے طرز کو اس طرح اختیار کر رکھا ہے کہ اپنے جائے وقوع کے ماحول اور ضرورت پر زیادہ دھیان نہیں دیتا، وہاں مولانا نے خطاب کرتے ہوئے ہندوستان کے دینی مدارس کی جو اہم خصوصیات ہیں، اور ان کی جو ذمہ داریاں ہیں، اور وہ جن ذمہ داریوں کے حامل ہیں ان کو سراہتے ہوئے ان کی اصل خصوصیات کا حوالہ دیتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ماحول کے جو دعوتی اور اسلامی تقاضے ہیں ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ مخاطبین کے حالات اور نفسیات اور ان کی زبان جس میں وہ بات کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، اور متأثر ہوسکتے ہیں، ایک عالم دین جس کو اسی ماحول میں رہنا ہے، اور کام کرنا ہے، اس پر اسے پوری توجہ دینی چاہئے، تاکہ وہ دعوت کے کام کو صحیح طور پر انجام دے سکے، اور اسلام سے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں، ان کو دور کرسکے، ان کے لئے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں رعایت کرنے کی پوری ضرورت ہے، اگر یہ لحاظ نہیں کیا جاتا، اور برصغیر میں قائم مدرسہ ہی کی شکل کو بجنسہ اختیار کیا جاتا ہے تو یہ ایک اضافی کام قرار پائیگا، جو ضرورت کو نظر انداز کرنے کے مرادف ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا ایک ایسے دعوتی اور فکری ادارہ میں تشریف لے گئے جو اپنے مخصوص فکری اور دعوتی انداز میں کام انجام دے رہا ہے، اور مفید کام انجام دے رہا ہے، لیکن اپنے اس مخصوص فکری اور دعوتی انداز کو ہی تنہا قابل عمل سمجھتا ہے، وہاں مولانا نے ان کے کام کو سراہتے ہوئے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ توجہ دلائی کہ کسی ایک طریقۂ کار اور اسلوب دعوت ہی کو دین کی خدمت کا واحد طریقہ نہیں سمجھ لینا چاہئے، اور کسی ایک شکل کو آخری شکل نہیں قرار دینا چاہئے، بلکہ وسعت سے کام لینا چاہئے، دینی دعوت اور فکری سطح سے دین کی خدمت جو بھی اور جہاں بھی اخلاص کے ساتھ انجام پارہی ہو اس کی بھی قدر کرنی چاہئے، اور لائق استفادہ ہو تو استفادہ بھی کرنا چاہئے۔

مولانا ایک دینی دعوت کے مرکز پر تشریف لے گئے جو اصلاحِ عوام کا بہت اچھا کام انجام دینے کے مرکز کے طور پر بڑی خدمت انجام دے رہا ہے، وہاں مولانا نے اس کی دینی جدوجہد اور اصلاحی کام کی وسعت کی اثر انگیزی کو سراہتے ہوئے اور تعریف کرتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ایک بہت اہم پہلو اس مغربی ماحول میں نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا ہے، اگر ہم نے اس میں اسلامی خصوصیات رکھنے والی تعلیم کا نظم نہیں کیا اور رائج الوقت نظام تعلیم ہی کو کافی سمجھا تو یہ بہت خطرناک نتیجہ پیدا کرنے والی بات ہوگی، اور بالکل ممکن ہے کہ باپ بڑا دین دار، تہجد گزار اور اللہ کے سامنے اپنی معصیتوں کو یاد کر کے رونے والا ہو لیکن اس کا لڑکا ملحدانہ اور اسلامی قدروں سے خالی تعلیم اور ماحول کے اثر سے الحاد کا شکار ہو، اور اپنے باپ کے بالکل متضاد کیفیت اور حالات اختیار کرنے والا ہو، ذہن اس کا مغربی ہو اور مذہب کے سلسلہ میں اس کا ذہن ملحدانہ ہو، اس لئے کہ نوجوان نسل کے خیالات اور اطوار اسی سانچے میں ڈھلتے ہیں جو اس کے اردگرد کے ماحول کا تعلیمی سانچہ ہوتا ہے۔

مولانا نے ایک دوسرے موقع پر کہا کہ اگر آپ اپنی آئندہ نسل کے ایمان و

عقیدہ کی حفاظت اور اسلام پر قائم رکھنے والی تدابیر اختیار نہیں کر سکتے اور اپنی نئی نسل کو خدا بیزار سیرت و کردار کا شکار ہونے دینے پر مجبور ہو رہے ہوں تو میں آپ کے یہاں رہنے کو گناہ سمجھتا ہوں۔

مولانا نے اسی طرح امریکہ میں کیلی فورنیا کی اپنی ایک تقریر میں وہاں کے بعض قابل فکر حالات کو دیکھ کر یہ بات کہی کہ مسلمانوں کو اسلام سے اجنبی ماحول سے متاثر ہو کر اپنے اسلام کو وہ رنگ نہیں دینا چاہئے جو اس کے بنیادی اور اصل رنگ سے مختلف ہے، اگر خدانخواستہ یہ غلطی ہوئی تو اسلام مختلف انواع واقسام میں تقسیم ہو جائے گا، کہیں پر امریکی اسلام ہوگا، کہیں پر برطانوی اسلام ہوگا۔ ہم کو اسلام کے اصل گہوارہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اور اس کے عہد اول کو ہی قابل تقلید نمونہ سمجھنا چاہئے، تاکہ اسلام کا رنگ وطرز ایک ہی ہو۔ دوسرے مذاہب کی طرح وہ اپنی اصل حالت اور خصوصیت سے دور نہ ہو جائے۔

انہوں نے پوری صراحت سے یہ بات کہی کہ دیکھو! دین ایک ہے، تم مقامی اثرات سے اتنے متاثر نہ ہو کہ یہ امریکہ کا اسلام ہو جائے، یہ ایشیا کا اسلام ہو جائے، یہ آسٹریلیا کا اسلام اور یہ افریقہ کا اسلام ہو جائے۔ دین کی بنیادی قدریں اور احکام ایک ہیں۔ دین میں خود اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ حالات اور علاقوں کی مجبوریوں میں کیا گنجائش ہے؟ لیکن بنیادی طور پر اور مجموعی طور پر دین ایک ہے۔ دین کسی جگہ بھی ہوگا وہ اپنی اسی بنیادی حیثیت سے ہوگا۔ اس لئے مقامی حالات اور تقاضوں سے دین کی اصل شکل اور کیفیت نہیں بدلی جا سکتی۔

مولانا نے اپنی تقریروں میں محض رواداری اور صرف مروت کی حد تک ہی اپنی بات کو محدود نہیں رکھا، اور نہ اپنی نظر کو محدود رکھا، بلکہ مختلف علاقوں میں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے سلسلہ میں انہوں نے جھانک کر ان کمزوریوں کو دیکھنے کی کوشش کی

www.abulhasanalinadwi.org

جو بظاہر دبی ہوئی اور زیادہ نہ محسوس ہونے والی تھیں، یا جن کی طرف مروت کی وجہ سے توجہ دہانی نہیں کرائی جاتی۔ مولانا نے یورپ کی زندگی اور افکار کا یورپ جانے سے پہلے ہی مطالعہ کیا تھا، اور یورپ جا کر اس کی اپنی آنکھوں سے تصدیق کی، اور اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے وہاں کے غیر مسلموں کو بھی اپنے مؤثر ڈھنگ سے متوجہ کیا۔

جرمنی کی ایک یونیورسٹی "یونی ورسٹی آف انجینئر نگ" برلن میں خطاب کیا کہ

جرمنی قوم کی جو امتیازی خصوصیات ہیں اور جرمن کے بعض مفکرین اور فلاسفہ نے جو بعض اہم ترین راہیں اختیار کی ہیں ان کا حوالہ دیتے ہوئے توجہ دلائی کہ ایسی ذہین اور فکر بلند کی حامل قوم کو چاہئے تھا کہ اسلام کی اقدار کو اور اسلام کی تعلیمات کو سمجھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، اس لئے کہ اسلام اپنی صحیح صورت میں موجود ہے، اور اس میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا اور انسانی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی ہمت افزائی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، جس سے یورپ اپنی اس ترقی یافتہ زندگی اور تمدنی ترقی کو صحیح راستہ پر چلانے اور انسانیت کی فلاح کا کام کرنے کے لئے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

مولانا کا یہ خطاب جرمن قوم سے تھا جو عربی میں تھا۔ جرمن زبان میں اس کا تیار کیا ہوا ترجمہ اسی وقت سنایا گیا۔

جرمن قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی توجہ دلائی کہ تم میں بڑے بڑے ذہین لوگ پیدا ہوئے ہیں، تم عملی قوم ہو، تم اسلامی رہنمائی کو اپنا کر دیکھو، تمہاری طاقت اور ترقی کو اس سے مدد ملے گی۔ یہ تقریریں عربی اور جرمن زبان میں شائع ہوئیں۔

اسی طرح اسلام کی ہر زمانہ میں اور ہر جگہ افادیت و ضرورت کو واضح کرتے ہوئے امریکہ کی اپنی ایک تقریر میں کہا کہ یہ قابل غور بات ہے کہ اسلام دین و دنیا دونوں کو جمع کرتا ہے، اور انسانی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے دینی تقاضوں کو اختیار کرنے کی بات کہتا ہے۔ یورپ و امریکہ کے لئے یہ زیادہ قابل اختیار تھا، لیکن عجیب

www.abulhasanalinadwi.org

بات ہے کہ یورپ نے وہ مذہب اختیار کیا جو دنیا سے قطع تعلق کی بات کرتا ہے۔ یورپ جو دنیاوی ترقی میں سب سے آگے جا رہا ہے وہ اسلام کو اختیار کرتا تو اس کی اپنی ضرورت سے مطابقت معلوم ہوتی۔ اور اس کی زندگی میں جو اخلاقی اور انسانی سطح کا بگاڑ ہے وہ دور ہوتا۔

مولانا نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ عیسائیت ایسا مذہب رہی ہے جس میں رہبانیت اور ترک دنیا کی طرف خاص طور پر رجحان پیدا کیا گیا ہے، اور اسلام وہ مذہب ہے جو دین و دنیا دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے، اور اس کو مناسب ڈھنگ سے اپنی زندگی میں اختیار کر سکتا ہے، تو یورپ جس نے دنیاوی زندگی کے معاملہ میں توسع سے کام لیا ہے، وہ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات سے زیادہ بہتر رہنمائی حاصل کر سکتا تھا، اسے اس تعلق سے عیسائیت سے کوئی خاص رہنمائی نہیں ملتی۔ اس کے باوجود وہ عیسائیت کو اختیار کئے ہوئے ہے، جب کہ اس کی ضرورت کو اسلام زیادہ پوری کرنے والا تھا۔

بہر حال مولانا حالات اور مخاطب لوگوں کی صورت حال اور ان کی خوبی اور کمزوری دونوں کو نظر میں رکھتے ہوئے اس طرح خطاب کرتے اور بات کرتے کہ جس سے ان کو نئی چیز حاصل ہو، اور وہ صالح اور بہتر راہ پر چل سکیں۔

یہ باتیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اور رسائل میں تفصیل سے دیکھی جا سکتی ہیں، ان موقعوں پر کئے گئے خطابات اور تقریروں کے مجموعے "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" اور "مغربی دنیا سے صاف صاف باتیں" کے نام سے سامنے آچکے ہیں، اور ان کی بڑی اشاعت ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ "مکاتیب یورپ" جو مولانا کے لندن سے بھیجے گئے خطوط کا مجموعہ ہے، اور امریکہ کے سفر کی روداد "دو مہینے امریکہ میں" کے نام سے ہے، جسے حضرت مولانا کی ترجمانی کے طور پر مجھے مرتب کرنی پڑی۔

پڑوسی ممالک (پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا) اور برما وملیشیا کے اسفار

حجاز مقدس کے دو سفروں کے بعد جو ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۰ء میں ہوئے تھے، اور جن سے مولانا کو ہندوستان کے باہر کے مسلمانوں کے حالات سے واقفیت بصورت ذاتی مشاہدہ کے ہوئی تھی۔ یہ ان مسلمانوں کے حالات سے واقفیت تھی جو عرب دنیا کے مسلمان ہیں، جو مرکز اسلام اور عرب دنیا کے حالات تھے۔ اس کے دو تین سال بعد شام کا دوبارہ سفر ہوا، اور ترکی کا سفر ہوا، ان سب سفروں سے مولانا کو عالم عربی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور وہاں کی جو اجتماعی اور سیاسی انجمنیں اور صحیح وغلط لوگوں کی کوششیں اور دینی دعوت کے سلسلہ کے معاملات سامنے آئے، اور مولانا نے اس سلسلہ میں خیر خواہی اور نصیحت کی جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی وہ انجام دی۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں وضاحت کی گئی ہے۔

لیکن ایشیا کے وہ ممالک جو برصغیر سے متصل اور قریب ہیں وہاں مولانا کا جانا جلدی نہیں ہوسکا تھا، ۱۹۶۰ء میں یہ پروگرام بنا کہ مولانا برما کا ایک دورہ کرلیں، اس سے وہاں کے حالات کا بھی اندازہ ہوسکے گا، اور برصغیر سے متصل ہونے کی وجہ سے اور انگریزوں کے اقتدار کے دور میں برصغیر اور اس میں قریبی روابط اور آمد ورفت

کی وجہ سے برصغیر کا وہ ایک حصہ ہی محسوس کیا جانے لگا تھا، اور وہاں برصغیر (ہندوستان وپاکستان) کے بہت سے لوگ تجارت وغیرہ کی غرض سے بس گئے تھے۔ اس لئے وہاں کوئی اجنبیت نہیں تھی۔

مولانا کے اس دورہ میں ندوہ کے معاملات میں ان کے معاون مولانا معین اللہ صاحب ندوی ان کے رفیق سفر تھے۔ اور یہ سفر الحمدللہ بہت اچھے انداز میں انجام پایا، اور مولانا کا اچھا استقبال ہوا۔ وہاں جگہ جگہ تقریریں ہوئیں، اور قدر واستفادہ کے جذبہ سے سنی گئیں۔ یہ وہ دور تھا کہ برما میں مسلمان تاجر خاص طور پر برصغیر سے گئے ہوئے کام کرنے والے بڑی اچھی خوشحالی کی حالت میں تھے، اور کاروبار ترقی پر تھا دین کے معاملہ میں صرف رواروی کا طریقہ تھا۔ مولانا نے اس کو دیکھ کر ایک خاص تاثر لیا، مولانا کی نظر قرآن مجید کے مطالعہ کے ذریعہ دنیا کی گزشتہ قوموں کے حالات پر تھی جن کو ان کے نبیوں نے زندگی کے خیر وشر کی طرف توجہ دلائی، اور نصیحتیں کیں، اور پھر اصلاح حال نہ ہونے پر مصیبتیں آئیں۔ خاص طور پر نبی کا اپنی قوم کی خوش حالی کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ﴿إني أراكم بخير و إني أخاف عليكم عذاب يوم محيط﴾ تو مولانا نے اپنی تقریروں میں اس آیت کریمہ کے حوالہ سے یہ بات کہی کہ میں بڑی خوش حالی اور خوشی واطمینان کی زائد درجہ کی کیفیت دیکھ رہا ہوں، اس کے مقابلہ میں دینی تقاضوں کے معاملہ میں بہت رواروی کا معاملہ دیکھتا ہوں۔ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے اتار چڑھاؤ کے کسی جھٹکے میں یہ چیزیں ختم ہوجائیں، اور حالات بہت تاریک ہوجائیں۔ اس لئے کہ قوموں کی تاریخ میں اپنے پروردگار کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ اس کی طرف سے ڈالی ہوئی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرنے سے ایسی پریشان کن تبدیلیاں آجایا کرتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ بڑی بڑی فرمیں اور دکانیں کسی اچانک سیاسی تبدیلی سے بند نہ ہوجائیں، اور ان پر تالے نہ

www.abulhasanalinadwi.org

ڈالنے پڑجائیں۔

مولانا نے اس ضرورت کی طرف بھی متوجہ کیا کہ اس ملک میں اسلام کی حفاظت واشاعت اور یہاں کی آبادی کو اسلام سے متعارف اور مسلمانوں سے مانوس کرنے کے ضروری کام کی فکر کیجئے۔ اگر یہ کام نہ ہوا تو یہاں مسلمانوں کی خیر نہیں۔ اسی کے ساتھ مولانا نے برمی مسلمانوں کو برمی زبان میں مہارت پیدا کرنے پر بھی زور دیا۔

رنگون (برما) میں مولانا کا ایک ماہ سے زائد قیام رہا جس میں بیسیوں تقریریں ہوئیں۔ مولانا کی تقریروں کو سنا گیا اور ایک واعظ کی حیثیت سے سنا گیا جس کے سننے کی لوگوں میں عادت سی ہوگئی ہے، مولانا کی اس دورہ سے واپسی کے تھوڑے ہی دن بعد وہاں کمیونسٹوں کا اقتدار آگیا جنہوں نے سرمایہ دارانہ برتری کو مٹانے کے نام پر بڑے بڑے تاجروں اور امراء کی جائدادوں کو ضبط کرلیا، جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے خوش حال لوگ مفلوک الحال ہوگئے، اور بہت سے لوگوں نے بھاگ کر اپنے سابق وطن ہندوستان و پاکستان میں پناہ لی، اور کچھ بھاگ کر لندن افریقہ وغیرہ چلے گئے۔ ان میں جو مولانا کی تقریریں سن چکے تھے وہ برملا کہتے تھے، وہ ایک پیشین گوئی ثابت ہوئی، اور وہی ہوا جس کا مولانا نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔

مولانا نے تقریباً یہی باتیں ملک شام کے اپنے ایک سفر میں بھی برملا کہی تھیں، اس لئے وہاں بھی جب کہ مولانا کا دورہ ہوا تھا، وہی خوش حالی اور اطمینان کی کیفیت تھی، اور خطرہ کے جو حالات ہوتے ہیں ان سے لاپرواہی اور دینی ذمہ داریوں میں رواروی کا طریقہ محسوس کیا تھا، وہاں بھی اسی آیت قرآنی ﴿ إني أراكم بخير و إني أخاف عليكم عذاب يوم محيط ﴾ کے حوالہ سے مولانا نے ڈرایا تھا۔ عجیب بات ہے کہ وہاں سے بھی واپس آنے کے سال ڈیڑھ سال کے اندر انقلاب کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ شام جیسا سرسبز وشاداب ملک اور وہاں کی اطمینان وسکون والی

www.abulhasanalinadwi.org

زندگی بدحالی اور بے اطمینانی میں تبدیل ہوگئی، اوراونچے طبقہ کے لوگوں کی ایک تعداد کو خیریت اور حفاظت کی طلب میں ملک چھوڑنا پڑا۔

برما کا مولانا کا یہ سفر ایک یادگار سفر ثابت ہوا جس کا تذکرہ اہل برما برابر کرتے رہے، اور مولانا کی تقریروں کے کیسٹ سنتے رہے اور متأثر ہوتے رہے کہ مولانا نے کیسی بات کہی کہ جو پوری کی پوری سچ ثابت ہوئی۔اس سفر کے اصل داعی اور محرک مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب قاسمی تھے جن کا مولانا سے پہلے سے تعارف تھا۔ دوسری شخصیت جس کی وجہ سے یہ سفر دینی ودعوتی مقصد سے کارگر ہوا مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری مدیر ''دور جدید'' رنگون کی تھی۔

مولانا کا برما کا یہ سفر ایسے حالات میں ہوا تھا کہ مولانا کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء قلبی عوارض میں مبتلا تھے، اور ان کو اپنی صحت کے متعلق تشویش تھی، اور ان کا جی چاہتا تھا کہ مولانا جلد ہی واپس آجائیں۔مولانا کو اس بات کی اطلاع دی گئی اور مولانا نے اپنے سفر کو کچھ مختصر کیا اور واپس آئے، اور مولانا کی آمد سے ان کے محترم بھائی کو ایک سکون ملا، لیکن عجیب بات ہے کہ کسی بڑے خطرہ کو محسوس نہ کرتے ہوئے مولانا کے ہندوستان کے اندر کے پروگرام چلتے رہے، اور مولانا کے ایک سفر کے دوران جو سہارنپور وغیرہ کے اطراف کا تھا، ڈاکٹر صاحب پر اچانک قلبی دورہ پڑا اور مولانا کے لکھنؤ پہنچنے سے ایک روز پہلے ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوگیا۔

ڈاکٹر صاحب مولانا کے صرف بھائی ہی نہ تھے بلکہ مولانا کے بچپنے میں والد کے انتقال ہوجانے کی وجہ سے وہی والد کے قائم مقام اور والد ہی کی طرح ہمدرد رہے تھے، اور اسی طرح محبت کرتے تھے۔اور یہ چاہتے تھے کہ آخری وقت میں مولانا موجود ہوں لیکن مقدر کی بات ہے کہ ان کی خواہش پوری نہ ہوئی۔مگر مولانا نے اچانک

www.abulhasanalinadwi.org

علالت کی اطلاع ملنے پر جلد واپسی کی کوشش کی اور دوسرے دن صبح لکھنؤ پہنچنے پر ان کو معلوم ہوا کہ برادر معظم کا سانحۂ وفات ایک شب پہلے ہو چکا ہے۔ وہ رائے بریلی پہنچے مگر جنازہ میں شرکت نہ کر سکنے کا انہیں قلق ہوا جسے وہ عرصہ تک محسوس کرتے رہے۔ اپنے بھائی کی محبت کا حق ادا کرنے کے جو شرعی طریقے ہیں ان کو وہ تاحیات اختیار کرتے رہے۔ بہر حال مولانا کا یہ بیرونی سفر دین کی نصرت و دعوت کی راہ میں ایک اہم سفر تھا۔

مولانا نے برصغیر سے متصل ممالک کا دوسرا سفر ۱۹۸۶ء میں ملیشیا کا کیا، ملیشیا بھی برصغیر کی طرح انگریزوں کے زیر تسلط رہ چکا تھا، اور آخر میں اس کو بھی انگریزوں نے آزادی دی تھی، لیکن وہ اپنے تمدن اور اپنے اثرات کو چھوڑتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئے تھے، ملک میں دو فیصد اکثریت سے مسلمانوں کی آبادی تھی، لیکن یہ آبادی وہاں کی قدیم آبادی تھی، اس کی وجہ سے اس کو نو وارد آبادی کے مقابلہ میں جو برصغیر اور چین سے آنے والے لوگوں پر مشتمل تھی، کچھ برتری حاصل تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ یہ پورا ملک نوابوں اور تعلقہ داروں میں تقسیم تھا، جو انگریزوں کے ملک چھوڑنے پر اپنے اپنے علاقہ کے بادشاہ قرار پائے اور وہ سب مسلمان تھے۔

نظام حکومت وفاقی انداز کا بنا جس میں ہر ریاست کو علاقائی اختیارات حاصل ہونے کے ساتھ ملکی پیمانہ پر بنیادی معاملات میں ایک مشترکہ مرکزی اتحاد کے ماتحت رکھا گیا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں نے اکثریت میں ہونے کی وجہ سے اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کی، اور ملک میں ترقی ہوئی، وہاں ایک بین الاقوامی یونیورسٹی بھی قائم ہوگئی تھی، اور متعدد مدارس اور ملی ادارے قائم ہو گئے تھے۔

مولانا کا وہاں کے پروگرام کے سلسلہ میں وہاں کے سفر کا نظم ہوا، اس میں کوالالمپور جو ملک کا پایۂ تخت ہے، اور ملک کے شمالی صوبہ القدح جہاں ندوۃ العلماء

www.abulhasanalinadwi.org

سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی سرکردگی میں ایک اچھا مدرسہ قائم ہے، اور ملک کے جنوبی صوبہ جہاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل ایک عالم کی سرکردگی میں دینی نظام قائم ہوا، وہاں بھی مولانا کا جانا ہوا، ہر جگہ بڑی پذیرائی ہوئی، اور سبھی جگہ بڑی توجہ سے بات سنی گئی۔

مولانا نے محسوس کیا کہ ملک کے مسلم دانشوروں کو اپنی دینی اجتماعی ذمہ داریاں پوری طرح زیر نظر ہیں، اس سے مولانا نے اچھی توقعات قائم کیں، اور مولانا کی باتوں کا اثر بھی بڑا اچھا لیا گیا، اس وقت تک ندوہ سے وہاں کے متعدد طلبہ اپنے ملک تکمیل تعلیم کے بعد واپس جا چکے تھے، ان کی وجہ سے ندوۃ العلماء کو وہاں اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان فارغین نے یہاں آکر اپنی اپنی جگہوں پر تعلیم ودعوت کا مفید کام بھی شروع کر دیا تھا، اور ادارے اور مدارس بھی قائم کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اس سے مولانا کو بڑی خوشی ہوئی۔ کوالالمپور میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بھی مولانا کا جانا ہوا، اور وہاں کے تعلیم وانتظام کو مولانا نے پسند فرمایا اور اچھی توقعات قائم کیں، اور مفید مشورے دیئے۔

مگر مولانا نے یہ دورہ مختصر رکھا، اس لئے کہ ان کی صحت میں گراوٹ آنے لگی تھی، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی، سفر سے واپسی پر بھی یہ کمزوری باقی رہی، اور پھر اچانک خون آجانے پر صحت اور گر گئی، اور اتنی گراوٹ آئی کہ وہ عید کی نماز کے لئے اپنے مستقر سے قریب جگہ بھی نہ جا سکے۔ پھر وہ علاج کے لئے لکھنؤ آئے، جہاں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے انہیں اپنی نگرانی میں رکھا، اس سے صحت میں بہتری آئی، اور مولانا اس کے بعد ۱۳-۱۴ سال تک خدمت علم ودین کرتے رہے۔

القدرح تھائی لینڈ کے جنوبی صوبہ سے بالکل ملا ہے، اور دونوں علاقے مسلم اکثریت کے ہیں، تھائی لینڈ کے جس علاقہ میں مسلمان آباد ہیں ان کو سیاسی سطح پر بڑی

www.abulhasanalinadwi.org

دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اس کے بعض لوگ حالات سے پریشان ہوکر القدح میں پناہ لیتے ہیں، اور یہ دونوں علاقے برما سے متصل ہیں۔ القدح کی اس سفر کے لحاظ سے خصوصیت یہ تھی کہ وہاں مدرسہ تربیہ اسلامیہ کے منتظمین کا خصوصی ربط ندوۃ العلماء سے قائم ہوا اور ندوۃ العلماء کے دو فاضل احمد فہمی زمزم اور محمد علی رجب اس کے ذمہ داروں میں منتخب ہوئے، مدرسہ کے اصل ذمہ دار شیخ یوسف نعمت سے ان دونوں کا قرابت کا تعلق بھی قائم ہے، شیخ یوسف نعمت جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ اور دعوتی ذہن کے عالم اور داعی تھے، اور یہ مدرسہ انہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ انہوں نے مولانا کو اپنے یہاں خاص طور پر بلایا اور مولانا سے بڑی دلچسپی سے مشورے لئے، وہ ہندوستان بھی ندوۃ العلماء میں آچکے ہیں، اس لئے ان کے مدرسہ میں جانے اور وہاں اپنائیت کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع ملا۔

ملیشیا میں اس وقت مسلمانوں کی کئی جماعتیں کام کررہی تھیں جن کے رہنما اچھے ذہن کے اور حکومت پر اثر انداز حیثیت کے مالک تھے، جن کو دیکھتے ہوئے ملک کی بہتری کی اچھی امید کی جاتی تھی، اتفاق سے ملیشیا میں ایک مسئلہ یہ گرم تھا کہ اس دورے سے چند روز پہلے قرآن مجید میں تحریف کر کے قرآن کے نام سے ایک نسخہ انٹرنیٹ میں داخل کردیا گیا تھا، قرآن مجید کی تحریف کے مسئلہ کو لے کر بعض لوگوں نے یہ بات پیدا کی کہ قرآن مجید کی حفاظت کا چونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ قیامت تک محفوظ رہے گا، اور اگر اس میں یہ تحریف ہوگئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر ختم ہوگئی اور قیامت کا وقت آگیا، چنانچہ اس خیال کی بنیاد پر کچھ لوگ خوفزدہ تھے کہ آج ہی کل میں قیامت آنے والی ہے۔ مولانا نے وضاحت کی کہ قرآن مجید میں تحریف کی کوشش مختلف زمانوں میں ہوتی رہی ہے، کوشش سے اثر نہیں پڑتا، کوشش کی کامیابی سے اثر پڑتا ہے، اس طرح کی کوششوں کو رد کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے،

www.abulhasanalinadwi.org

جس میں انشاءاللہ کامیابی ہوگی، اور قرآن مجید محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کا یہی مقصد ہے۔ نتیجۂ کوئی کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ بہرحال نتیجہ بھی یہ سامنے آیا کہ دنیا کے مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس کو انٹرنیٹ سے باہر کرادیا۔

ملیشیا کے اس دورہ میں مولانا کی صحت کی کمزوری کی وجہ سے مولانا کو زیادہ وقت دینے کا موقع نہ ملا، ورنہ زیادہ وسیع اور تفصیلی کام انجام پاتا۔ لیکن پھر بھی ضروری حد تک اس دورہ کی افادیت ہوئی، اور جو ندوی فضلاء وہاں کام کررہے ہیں ان کو تقویت حاصل ہوئی، اور ان کی ہمت افزائی ہوئی، اور ملک میں کام کے طریقہ کے سلسلہ میں مولانا کے تجربات اور مطالعہ کی روشنی میں جو مفید رائے تھی، اس سے ان کے فکر و ذہن میں اضافہ ہوا۔

پڑوسی ممالک کے سفروں میں مولانا کے پاکستان کے متعدد سفر ہوئے، جن میں تقسیم ہند یعنی پاکستان بننے سے پہلے کے سفر بھی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا کا پہلا سفر ۱۹۵۴ء میں ہوا، مگر یہ سفر دعوتی مقصد اور افادۂ خلق کے بجائے اپنے دینی استفادہ کے لئے تھا کہ ان کے شیخ و مربی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں وہاں قیام پذیر تھے۔ مولانا نے یہ چاہا کہ یہ رمضان ان کی صحبت و معیت میں گذارا جائے، مولانا نے معمول کے خلاف یہ سفر بالکل تنہا کیا۔ لاہور میں چند دن قیام کر کے اپنے استاد و مربی حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں بھی حاضری دی، اور ان کی شفقتیں حاصل کیں۔

دوسرا سفر مولانا کا اگلے ہی سال ۱۹۵۵ء میں ہوا، اس سفر میں ان کے بھانجے برادر معظم مولانا محمد ثانی حسنی صاحب ساتھ تھے۔ مولانا کا یہ سفر علمی و دعوتی مقصد سے مفید رہا۔ اس کے بعد مولانا کے پاکستان کے اور بھی سفر ہوئے، جن کی افادیت اپنی جگہ ہے، مگر وہ سفر جو اس موقع پر ہوا تھا جب رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے

www.abulhasanalinadwi.org

پاکستان میں اپنی پہلی ایشیائی کانفرنس کے سیرت نبوی کے موضوع پر انعقاد کا فیصلہ کرلیا تھا۔ یہ سفر مولانا کو خود رابطہ کی طرف سے تجویز کیا گیا تھا، مولانا نے اس میں اپنے دو تین معاونین کے ساتھ جن میں مولانا کے معاون خاص مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور مولانا کے بھتیجے اور عربی اردو کے اچھے مصنف اور صحافی مولانا سید محمد الحسنی اور دوسرے باصلاحیت فاضل ندوہ مولانا اسحاق جلیس ندوی تھے، شرکت کی۔ مولانا اسحاق جلیس صاحب پہلے سے موجود تھے، انہوں نے اس سفر کو زیادہ مفید بنانے کے لئے پروگراموں کا نظم بنایا تھا، تاکہ پاکستان کے صاحب فکر اور مؤثر حلقوں تک بات پہنچائی جاسکے۔ چنانچہ کانفرنس میں شرکت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دعوتی اور دینی اداروں اور دعوت و تعلیم کے میدان میں کام کرنے والوں میں مولانا کے خطابات ہوئے، اور مولانا نے بین الاقوامی حالات کی روشنی میں کسی مسلم مملکت کے لئے جو اعلیٰ مقصد اور صحیح طریقۂ کار مولانا کے مطالعے اور ذہن کے مطابق تھا اس کی طرف رہنمائی کی۔

کانفرنس کی تقریر میں جو کانفرنس کی اختتامی تقریر تھی، مولانا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تاریخی جملہ " أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ " کی طرف توجہ دلائی، اور کہا کہ اس پورے اجلاس کا حاصل اور وہ پیغام جو معزز شرکاء یہاں سے لے کر جائیں گے، اور جوان کو اپنے اپنے ملک و حالات میں ان کی قائدانہ ذمہ داری اور بحیثیت جانشین رسول (العلماء ورثة الأنبياء) ان کا فرض ان کو یاد دلاتا رہے گا۔ اس جملہ سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ فتنۂ ارتداد کے موقع پر رسول اللہ (ﷺ) کے جانشین اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری ہوا تھا، اور جوان کے خلافت نبوت کی ذمہ داری کے احساس کا آئینہ دار اور ان کی غیرت ایمانی اور صدیقیت کا مظہر اور ترجمان تھا، اور جس نے تاریخ کے دھارے کو ایسا بدلا کہ فتنۂ ارتداد کا دھارا فتح و تسخیر

www.abulhasanalinadwi.org

بلاد کے سیلاب میں تبدیل ہوگیا۔ وہ جملہ تھا " أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ " کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی قطع و برید ہوسکتی ہے؟۔

مولانا کی ملاقاتیں ملک کے دین وسیاست کی آمیزش کے ساتھ کام کرنے والے بعض قائدین سے بھی ہوئیں، مولانا نے ان سے بھی اسلام کے مفید منہج کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کی بہبودی اور عوام کی خیر خواہی کے جذبہ سے کام کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ حکومت کے کسی ذمہ دار سے ملاقات ہوئی تو ہندوستان و پاکستان کے مابین تعلقات کو دوستانہ اور ہمدردانہ بنانے کی طرف توجہ دلائی۔

یہ سفر مولانا کی مختلف تقاریر وخطبات پر مشتمل رہا، مولانا کی یہ تقاریر ایک کتاب کی شکل میں بعد میں شائع بھی ہوئی۔ پہلے "حدیث پاکستان" کے عنوان سے کراچی سے، پھر لکھنؤ سے "دعوت فکر وعمل" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ مولانا کا یہ سفر اس عہد میں ہوا جس عہد کی سربراہی جنرل ضیاء الحق صاحب کررہے تھے۔ وہ مولانا کے مضامین اور تصانیف کو پہلے سے پڑھ چکے تھے اور متاثر تھے۔ انہوں نے مولانا کی آمد پر مسرت ظاہر کی اور ملاقات بھی کی۔ اس کے ساتھ نصیحت بھی چاہی۔ مولانا نے ان کو بھی وہی نصیحت کی جو دیگر سیاسی رہنماؤں کو کی تھی، اور یہ فرمایا کہ ہندوستان سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں، انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اس کی کوشش کرتا ہوں۔

جنرل صاحب مولانا کی کتابوں اور تحریروں کو مطالعہ میں رکھتے تھے۔ مولانا نے مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ کی سات جلدوں پر مشتمل کتاب سیرۃ النبی کی ساتویں جلد کا مقدمہ تحریر کیا تھا جس کو پڑھ کر جنرل ضیاء الحق صاحب بہت مسرور اور متاثر ہوئے۔ اس کے باعث انہوں نے مولانا کے لئے انعامی رقم کا اعلان کیا، جو ایک لاکھ روپئے کی ہوتی تھی۔ مولانا نے اس رقم کو مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی

www.abulhasanalinadwi.org

اہلیہ اور دار المصنفین اعظم گڑھ میں تقسیم فرمادیا۔ پاکستان کے ایک دوسرے سفر میں مولانا کے قیام کراچی کے دوران جنرل صاحب اسلام آباد سے کراچی خود ملنے کے لئے آئے، اور مولانا کے ساتھ بڑے اکرام اور قدر دانی کا معاملہ کیا۔

مولانا کا پاکستان کا آخری سفر عالمی رابطہ ادب اسلامی کی پاکستانی شاخ کے زیر سرکردگی ہونے والے سمینار منعقدہ ۲۴-۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں شرکت کے سلسلہ میں ہوا، اس وقت مولانا کی صحت خاصی کمزور تھی، جس کی وجہ سے مولانا کے لئے یہ سفر خاصا دشوار تھا، مگر چونکہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے صدر مولانا ہی تھے، اور رابطہ ادب اسلامی کے دیگر ذمہ داروں کا ان کی تشریف آوری کا اشتیاق واصرار تھا اس لئے وہ تیار ہوگئے، مگر یہ سفر صرف لاہور تک محدود تھا، جہاں یہ سیمینار ہو رہا تھا، مولانا کی تشریف آوری کی خبر سنکر اس وقت کے صدر سردار فاروق احمد خاں لغاری صاحب نے شرکت کا فیصلہ کیا۔

لغاری صاحب نے یاد دلایا کہ ان کو حکومت کے عہدہ پر آنے سے قبل جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں واقع مرکز اسلامی کے ایک پروگرام میں مولانا سے ملاقات کا موقع مل چکا ہے، اور اس وقت سے دوبارہ ملاقات کی خواہش تھی، گفتگو اخلاقی دائرہ میں رہی۔ افتتاحی اجلاس میں جس کی صدارت صدر محترم لغاری صاحب کر رہے تھے، مولانا کا خطاب ہوا جس کو بڑی توجہ اور تأثر سے سنا گیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ، گورنر اور وفاقی وزیر برائے مذہبی امور کے علاوہ چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے بھی سیمینار میں شرکت کی۔

اجلاس دو روز چلا، جس میں سیمینار کے موضوع ’’حرمین شریفین کے سفرنامے‘‘ کے مختلف پہلوؤں پر وہاں کے اہل علم وادب اور دانشوروں نے، اور ان لوگوں نے بھی جو مولانا کے ساتھ اس سفر میں گئے تھے، مقالات ومضامین پیش کئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لاہور کی حد تک علمی و دینی مراکز کے سربرآوردہ لوگوں، اہل علم و دانش اور ممتاز دینی و روحانی شخصیتوں نے مولانا کا استقبال کیا اور مولانا کی آمد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ جامعہ اشرفیہ میں جو لاہور کا بڑا دینی تعلیمی ادارہ ہے، مولانا اور ان کے رفقاء کا قیام رہا۔ رائے ونڈ کے تبلیغی مرکز بھی تشریف لے گئے اور خطاب کیا۔(۱)

مولانا کے اس سفر پاکستان کے موقع پر جو رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے سیرت نبوی پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کی مناسبت سے ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا، ہندوستان کی پارلیمنٹ میں مولانا کے پاکستان جانے اور اس میں شرکت پر بعض ممبران پارلیمنٹ کی طرف سے تنقید ہوئی۔ وہ اس غلط فہمی میں تھی کہ رابطہ کے لفظ کو رباط سمجھا گیا جو مراکش کا دارالحکومت ہے، اور وہاں ممالک اسلامیہ کی کانفرنس کے موقع پر ہندوستانی وفد کو یہ کہکر شرکت سے روک دیا گیا تھا کہ ہندوستان ممالک اسلامیہ کے دائرہ میں نہیں آتا۔ وفد کے پہنچ جانے پر یہ واقعہ پیش آنے سے ہندوستان کی کچھ سبکی ہوئی تھی، اس لئے رباط جہاں ہندوستان کی سبکی کی گئی اس کی کانفرنس میں مولانا کیوں شریک ہوئے؟۔ اس موقع پر اٹل بہاری باجپائی صاحب جو وزیر خارجہ تھے انہوں نے مداخلت کر کے وضاحت کی کہ مولانا کا یہ سفر غیر سیاسی تھا اور ہندوستان کے خلاف کوئی بات اس میں نہیں آئی ہے، اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ اس کا تعلق رباط سے نہیں ہے۔ اٹل بہاری باجپائی کا یہ رویہ جب کہ وہ مسلم مخالف ہندو جماعت کے فرد تھے، ان کی رواداری کی علامت سمجھا گیا۔

بنگلہ دیش بننے کے بعد مولانا کے دو سفر بنگلہ دیش کے ہوئے، یہ دونوں سفر دینی اور علمی ارتباط کے دائرہ میں ہوئے۔ مولانا نے وہاں جو تعمیری اور دعوتی تقریریں کیں ان کو وہاں کے اہل علم و دین نے بہت پسند کیا اور فائدہ اٹھایا۔ مولانا دینی اور علمی

(۱) اس سفر کی روداد کے لئے ملاحظہ ہو: کاروان زندگی حصہ ہفتم صفحہ ۵۳ تا ۵۷

www.abulhasanalinadwi.org

مراکز میں گئے اور ان کا اچھا استقبال ہوا۔

مولانا کے بنگلہ دیش کے پہلے سفر کے خطابات میں سب سے زیادہ زور اس ملک کی اسلامیت کے باقی رہنے، اس کی اسلام سے دائمی وابستگی اور اسلامی تشخص کے تحفظ پر دیا گیا۔ اس کے ساتھ بنگالی زبان میں اسلامی رجحانات وخیالات کے ساتھ حصہ لینے اور عوام سے رابطہ کے لئے اس کی ضرورت واہمیت کو سمجھنے اور اس میں مہارت وقیادت پیدا کرنے کی طرف علماء اور دانشوروں کو متوجہ کیا، اور اپنی ایک تقریر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی کہ اس اسلامی ملک کی سلامتی، خوشحالی اور عزت اسلام سے وابستہ ہے۔ اور اگر اس نے اسلام کا ساتھ چھوڑا تو پھر اس ملک کی چول کبھی بیٹھ نہیں سکتی۔ اور علماء کو ان کی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا کہ آپ کی برابر اس پر نظر رہے کہ اس ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے۔ یہ سفر ۱۹۸۴ء میں مارچ میں ہوا تھا، اور اس پہلے سفر میں مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی، مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب اور عزیزی مولوی سلمان حسینی ندوی ہمراہ تھے۔

مولانا کی ان تقریروں اور خطابات کا مجموعہ ''تحفۂ مشرق'' کے نام سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔

دوسرا سفر رابطہ ادب اسلامی کی شاخ کی طرف سے بطور سیمینار کے منعقد ہوا تھا، جس کے داعی مولانا محمد سلطان ذوق ندوی صاحب تھے، اور اس کا موضوع تھا'' مشرقی اقوام کی زبان وادب میں اسلامی رجحانات''۔ مولانا کا رابطہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے اس میں شرکت کرنا ضروری تھا، اگرچہ مولانا کی صحت کمزور تھی، اور سفر کی صعوبت کی وجہ سے مولانا جب ڈھاکہ پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے اور تشویش کی صورت حال پیدا ہو گئی، بنگلہ دیش کے صدر کی طرف سے ایک دعوت بھی رکھی گئی تھی جس سے مولانا کو معذرت کرنی پڑی۔ سیمینار کا انعقاد چاٹگام میں جامعۃ المعارف الاسلامیہ کے

www.abulhasanalinadwi.org

زیر سرکردگی منعقد ہو رہا تھا، ڈھاکہ سے چاٹگام جانا مولانا کے لئے بہت دشوار تھا لیکن مولانا نے ہمت کر کے سفر کیا اور اجلاس میں کچھ دیر شرکت کی اور صدارت فرمائی۔

یہ سیمینار چونکہ ادب اسلامی کی عالمی انجمن کے تعلق سے ہو رہا تھا اس لئے اس میں بنگلہ دیش کے فضلاء کے علاوہ دیگر ممالک کے فضلاء بطور نمائندہ شریک ہوئے۔ اور اجلاس مفید اور کامیاب رہا۔ یہ بنگلہ دیش کا مولانا کا آخری سفر تھا، لیکن اس مختصر سفر میں مولانا سے لوگوں نے ملاقاتیں کیں اور مولانا کی نصیحتوں سے اور ان کے علمی و دینی مشوروں سے فائدہ اٹھایا۔ اس سفر میں بنگلہ دیش میں ملاقاتوں کا دائرہ صرف دینی و علمی حلقوں تک رہا۔

ہندوستان کے پڑوسی ملکوں میں سری لنکا کے ایک دینی پروگرام میں مولانا کو مدعو کیا گیا، اور اس میں ان کے ساتھ ان کے نواسہ مولوی سید سلمان حسینی ندوی شریک سفر رہے، اور یہ سفر بھی مختصر تھا، لیکن اس میں سری لنکا کی اہم مسلم شخصیتوں سے مولانا کی ملاقاتیں رہیں، اور مولانا کی سری لنکا آمد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی اور مولانا کا یہ سفر اپنے اختصار کی حد تک مفید رہا۔

یہ سفر الجامعة النظيمية سیلون کی دعوت پر ہوا، اور اس میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان کی تحریک بھی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں مئی میں مولانا تشریف لے گئے، وہاں جا کر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مولانا کے رسالہ " ردة ولا أبا بكر لها " کا مطالعہ اس جامعہ کے قیام کا سبب بنا، اور اس کی ساری ضروریات و مصارف کے متکفل وہاں کے ایک مخیر تاجر و نیک دل شخص حاجی محمد تظیم صاحب ہیں، اور وہی اس کے بانی ہیں۔

جامعہ کے پروگرام میں جس میں سری لنکا کے وزیر خارجہ اور متعدد عرب و مسلم حکومتوں کے سفراء اور مسلمان رہنما شریک تھے، مولانا نے تقریر کرتے ہوئے کہا

www.abulhasanalinadwi.org

کہ یہ ملک وہ ہے جس کے بارے میں یہ روایت مشہور چلی آرہی ہے کہ ہمارے آپ کے اور نسل انسانی کے مورث سیدنا آدم علیہ السلام نے جنت سے یہیں نزول فرمایا، اور آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ " أيها الناس ! إن ربكم واحد ، وإن أباكم واحد " (لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے، اور تمہارے مورث اعلیٰ (باپ) بھی ایک ہیں) یعنی تم دو رشتوں سے ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس فرمان نبوی کا اعلان اخوت انسانی کی سب سے مستحکم بنیاد اور حقوق انسانی کے بین الاقوامی منشور کی سب سے اہم دفعہ ہے۔ اگر دوسرے اسلامی ممالک ایک مرتبہ اعلان کریں تو آپ کو اس نسبت سے جو مشہور روایت کے مطابق آپ کو حاصل ہے، دس مرتبہ اعلان کرنا چاہیے، اور اس کا داعی اور مبلغ ہونا چاہیے۔ سری لنکا کا اس کے بعد مولانا کا دوسرا سفر نہیں ہوا۔

باب ششم

تصنیفات و رسائل

www.abulhasanalinadwi.org

تصنیفات ورسائل
ایک جائزہ

(۱) پہلی تصنیف "سیرت سید احمد شہید"

مجھے مولانا کو قریب سے دیکھنے اور ان کے کام سے متعارف ہونے کا موقع اس وقت سے ملنا شروع ہوا جب میں اپنی باقاعدہ شعور کی منزل کو پہنچا تھا، یہ ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء کا وقت ہوگا، اس وقت مولانا نے اپنی پہلی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ تصنیف کی تھی، اس کا پروف پڑھنے کے کام میں مجھ کو بھی معمولی سا حصہ ملا۔

سیرت سید احمد شہید مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت تصنیف کی جب ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔ نوعمری کے دور کی اس تصنیف نے برطانوی دور اقتدار میں ہندوستانی مسلمانوں کے شکست خوردہ ذہنوں میں حوصلہ و جذبہ پیدا کرنے کا کام کیا، اور برطانوی سامراج کی حکمرانی کے خلاف، اور باعزت اور اعلیٰ قدروں کے ساتھ زندگی گزارنے کی آزادی کی امنگ پیدا کی۔

اس کتاب میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی اور تجدیدی کارنامے، غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک

www.abulhasanalinadwi.org

جہاد اور تنظیم اصلاح وتجدید اور احیاء خلافت کی تاریخ آ گئی ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے ایک ہی جلد میں سامنے آئی تھی، مگر بعد میں اہم اور ضروری اضافات وتحقیقات سے اس کی ضخامت بڑھ گئی۔ پہلی جلد ۲۵ ابواب اور ۵۸۸ صفحات کی ہے، اور دوسری جلد میں ۵۰ ابواب رکھے گئے ہیں، اور اس کے صفحات بھی ۵۸۸ ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ''مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشد وہدایت اور عزم وہمت کا ایک صحیفہ دیدیا ہے''۔ کتاب کے پہلے اڈیشن میں خلفاء اور مریدین کے حالات بھی دیدیئے گئے تھے، جسے کتاب کے ضمیمہ کی حیثیت حاصل تھی، بعد میں یہ ضمیمہ ''کاروان ایمان وعزیمت'' کے نام سے مستقل شائع ہوا۔ سیرت سید احمد شہید کو بعد میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے سلسلہ تاریخ دعوت وعزیمت کے تحت شائع کیا۔

اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے اس کو ہندوستانی مسلمانوں کی عام شکستہ دلی میں امید کی ایک کرن محسوس کیا گیا، اور اس کے ذریعہ مولانا کو ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں ایک اچھا تعارف بھی حاصل ہوا، مولانا نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کی جو اہم دینی ودعوتی شخصیتیں تھیں ان سے ملنے اور دین اور ملت کی نصرت کرنے کے مواقع پر تبادلۂ خیال کرنے کے لئے سفر کئے، اس سے قبل بھی سیرت سید احمد شہید کے مواد کی تیاری کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر مولانا کو جانا ہوا، اس طریقہ سے اس وقت کی جو ممتاز دینی اور تعلیمی شخصیتیں تھیں، ان سے مولانا کو ربط وتعلق حاصل ہوا، اور جہاں جہاں دین وملت کی نصرت کا کام ہو رہا تھا اس کو دیکھا اور سمجھا۔ اس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دعوت وتبلیغ کے کام کو سب سے مؤثر ذریعہ محسوس کیا۔ چنانچہ مولانا نے

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے ساتھ خصوصی تعاون کا فیصلہ کیا، اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی ربط قائم کیا، اسی کے ساتھ مولانا نے یہ محسوس کیا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک بڑا حصہ یورپ کی تمدنی ترقی اور علمی وفکری غلبے سے مرعوب ومتاثر ہے، اور اس کے اثرات اس حد تک پڑ چکے ہیں کہ ان میں سے ایک بڑی تعداد اسلام کی برتری پر یقین سے محروم ہوتی جارہی ہے، اور اس کو بچانے کے لئے فکری اور ادبی کوششوں کی بڑی ضرورت ہے، چنانچہ مولانا نے اس میدان کو بھی اختیار کیا، اور اس ملک میں غیر مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے ان کو بھی مخاطب کرنے اور اسلام کی خوبیوں سے ضرورت کو بھی محسوس کیا، چنانچہ مولانا نے ان دونوں کو سامنے رکھ کر لٹریچر تیار کرانے کا پروگرام بنایا۔

اس طرح سے مولانا کا میدان عمل تین حصوں پر مشتمل ہوگیا، ایک مسلم قوم میں، دوسرے مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ میں اصلاح حال کے لئے لٹریچر تیار کرنا، اور تیسرے غیر مسلموں کے ذہنوں کو اسلام سے متعارف بنانے کی کوشش کرنا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تحفظ کے جو تقاضے ہیں ان کے لحاظ سے ضروری وسائل تیار کرنا۔ ان میدانوں میں مولانا نے خود بھی کام انجام دیئے اور دوسروں کو بھی متوجہ کیا، اور یہ کام مولانا کا ان کی پوری زندگی پر محیط رہا جس کی تفصیلات مولانا کی خودنوشت سوانح حیات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۲) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر)

عربی میں " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " نے جو اردو میں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" کے نام سے شائع ہوئی، عالم عرب

پر وہ اثر ڈالا، اور ان کے نوجوان اور دانشور طبقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں وہ اعتماد بحال کیا جو متزلزل ہو چکا تھا۔

اس کتاب کی کہانی یہ ہے کہ عربوں کو متوجہ کرنے کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ مضامین لکھے، ان مضامین نے یہ خیال پیدا کیا کہ ان میں مناسب اضافہ کر کے ایک جامع کتاب بنا دیں جس میں اسلام کے عہد اول کی دینی و سیاسی فتوحات کا جائزہ بھی آجائے، اور پھر اس خیر امت کے زوال اور اس کے حریفوں کی ترقی و کمال کے تذکرہ کے ساتھ صحیح اسباب و محرکات کی تعیین بھی آجائے، اور ان اسباب و محرکات کو سمجھ کر پھر اپنی سربلندی کی طرف لوٹ سکنے کی بھرپور توقعات بھی سامنے آجائیں۔ اس کام کی تیاری اپنی تکمیل کی منزل میں تھی کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حجاز مقدس کے سفر کا موقع حاصل ہوا، اور اس موقع پر حج کے ساتھ کئی ماہ مرکز اسلام میں رہنے کے اسباب مہیا ہوئے، وہاں کے علماء سے جو متعدد ملکوں سے تعلق رکھتے تھے، نہ صرف ملاقات بلکہ تبادلۂ خیال کا بھی موقع ملا، اس سفر کے فوائد سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی کتاب کو مزید بہتر بنانے اور مزید اہم اضافے کرنے کا موقع حاصل ہوا، اور اس کی طباعت و اشاعت کے لئے عالم عربی کے علمی مرکز قاہرہ کے کسی دار الاشاعت کا انتخاب مناسب معلوم ہوا، وہاں جدید تعلیم یافتہ ذہن کے ساتھ اسلامی رجحان کے حامل ڈاکٹر احمد امین کے زیر انتظام مرکز اشاعت لجنة التأليف و النشر مناسب معلوم ہوا، اور خط و کتابت سے وہ اس کتاب کو شائع کرنے کے لئے تیار بھی ہو گئے، وہ کتاب ۱۹۵۰ء کے آغاز میں چھپ کر عرب مکتبات میں آگئی۔ کتاب کی پسندیدگی اور اثر پذیری کی جو توقع تھی اس سے زیادہ اس کی مقبولیت ظاہر ہوئی۔

سیرت سید احمد شہید اور ماذا خسر العالم یہ دو مولانا کی اولین

تصنیفات ہیں، جن سے مولانا بطور مصنف، مفکر وداعی کے، عالم اسلام کی ایک نمایاں شخصیت بن کر سامنے آئے، باقی دوسری کتابوں سے جو اپنے اپنے وقت میں سامنے آتی رہیں، زمانہ اور حالات کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق دعوت واصلاح کا کام لیا۔ جن میں سے کچھ کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، جس سے مولانا کی تصنیفات کے تنوع، ان کے مطالعہ کی وسعت اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے، اور زمانہ کے نباض اور حکیم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

دیگر کتابیں

(۳) نبی رحمت:

یہ السیرۃ النبویۃ کا اردو ترجمہ ہے، مولانا کے قابل فخر بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی صاحب نے یہ ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اردو میں ہی لکھی گئی ہے، اس میں سیرت نبوی کو اپنے ذوق ورجحان اور رائج علمی نظریات کا تابع بنانے اور زندہ حقیقتوں اور منہ بولتی صداقتوں میں فلسفہ آرائی اور رنگ آمیزی سے کام لینے کے بجائے اپنی حقیقی اور واقعی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نئی نسل کے فہم اور نفسیات کی موجودہ سطح اور عصری اور علمی اسلوب کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ جزیرۃ العرب اور بالخصوص مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا اہم اور تاریخی پس منظر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس کو سمجھے بغیر اسلام کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں سیرت خود اپنی ترجمانی کرتی ہے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے یہ کتاب معیاری طباعت کے ساتھ شائع کی ہے، اور مختلف ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔ دوسری زبانوں میں بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۴) سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تبلیغی و اصلاحی نشستوں میں پڑھی جانے کے لئے سیرت نبوی کو آسان اور سادہ اسلوب میں سیرت کی اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے، سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب اپنی الگ شان اور امتیازی حیثیت اور تاثیر رکھتی ہے۔ سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی ہے، اس کا ہندی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۵) کاروان مدینہ:

یہ مختلف تقریروں اور مضامین کا مجموعہ ہے، جس کا تعلق ذات نبوی اور آپ کی سیرت پاک، اس کی تعلیمات، پیام، اس کے عطیات و احسانات اور اس کے عالمگیر نتائج و اثرات سے ہے، اخیر میں ایک نعتیہ تمثیلی مشاعرہ بھی ہے، جس میں فارسی اور اردو کے مشہور شعراء نے بارگاہ نبوی میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ "الطريق إلى المدينة" کا یہ ترجمہ ہے۔ فارسی شعراء اور اردو شعراء کا نذر عقیدت یہ اردو اڈیشن کی خصوصیت ہے۔ اس کا فارسی اڈیشن "زاہدان، ایران" سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

(٦) بچوں کے لئے "سیرت النبی" (ﷺ)

سیرت کی اس کتاب میں نبوی زندگی کو ایجاز و اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، یہ سيرة خاتم النبيين للأطفال کا اردو ترجمہ ہے، جو ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب سکریٹری رابطہ ادب اسلامی پاکستان نے کیا ہے۔ اصل عربی کتاب کا ہندی ترجمہ بھی ہو چکا ہے جسے مولوی سید احمد علی ندوی مدیر دار عرفات رائے بریلی نے کیا ہے۔

(۷) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین

یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں دیئے گئے خطبات کا مجموعہ ہے، اسے اردو قالب میں ڈھالنے کا کام مولانا نور عظیم ندوی اور ڈاکٹر شمس تبریز صاحب نے کیا ہے۔ اس کتاب میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر و نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں اور نبوت محمدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بھی مولانا کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔

(۸) المرتضیٰ

یہ خلیفۂ چہارم امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجھہ کی مفصل سوانح حیات ہے، جس میں ان کی خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں اللہ کی حکمت وقدرت کی کارفرمائی اور دینی واسلامی وملی مصلحت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اسلام کے مفاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلفاء ثلاثہ کے ساتھ ان کے ادوار میں اس اخلاص وتعاون کو بھی پیش کیا گیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ ان کے عہد کی عظیم مشکلات اور ان کے مصلحانہ و مربیانہ کردار اور ان کے صاحبزادگان اور نوجوانان جنت کے سرداران حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کی سیرت واخلاق اور ان کے دین کے لئے صحیح فیصلہ اور اقدامات کا مستند کتب تاریخ اور تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں تذکرہ ہے۔ یہ کتاب بھی عربی میں لکھی گئی، جس کا اردو ترجمہ مصنف کے ایماء پر مشہور صاحب قلم مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے قلم سے ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۹) تاریخ دعوت وعزیمت

مولانا کی یہ تصنیف پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، اور یہ سلسلہ عربی میں رجال الفکر و الدعوۃ فی الإسلام کے نام سے منظر عام پر آیا اور مقبول عام ہوا۔ اور فارسی میں "تاریخ دعوت واصلاح" کے نام سے مولانا ابراہیم دامنی اور مولانا قاسم قاسمی نے اس کو منتقل کیا ہے۔ ترکی اور انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ مولانا نے اپنی اس تصنیف میں اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ میں اصلاح وانقلاب حال کی کوششوں کے تسلسل کو دکھایا ہے، اور ان ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں کی نشان دہی کی ہے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے کام میں حصہ لیا، جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے۔

جلد اول میں پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک عالم اسلام کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین وفاتحین، ممتاز اصحاب دعوت وعزیمت حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت حسن بصری، امام احمد بن حنبل، امام ابوالحسن الاشعری، امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، علامہ ابن الجوزی، سلطان نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی، شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام، مولانا جلال الدین رومی، کا مفصل تعارف اور ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات ونتائج کا تذکرہ ہے۔

جلد دوم میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ومصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے سوانح حیات، ان کے صفات وکمالات، ان کی علمی وتصنیفی خصوصیات اور ان کا اصلاحی وتجدیدی کام ومقام اور ان کے ممتاز تلامذہ ومنتسبین حافظ ابن القیم، علامہ

ابن الہادی، علامہ ابن کثیر، حافظ ابن رجب کے حالات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

جلد سوم میں تصوف واحسان کی ممتاز شخصیتوں کو لیا گیا ہے، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنے طرز عمل اور نمونہ سے پیش کیا ہے، اور صحبت واخلاق کا وہ مؤثر سبق دیا جس سے لوگوں کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا، اس سلسلہ میں مولانا نے ایمان ویقین، عشق ومحبت، درد وسوز، جذبۂ اتباع سنت، عزیمت، علو ہمت، ذوق دعوت وتبلیغ، اصلاح اعمال واخلاق کی صفات وکمالات رکھنے والی تین اہم شخصیتوں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کا انتخاب کیا، جن کے اصلاحی ودعوتی کاموں کے اثرات اس جلد میں ملیں گے۔

جلد چہارم، یہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) سے متعلق ہے، جنہوں نے اکبر کے فتنۂ الحاد کا مقابلہ کیا، اور تربیت و اصلاح کے کام کے ذریعہ اس کے جانشینوں کو صحیح روش پر لانے کی کامیاب کوشش کی، اس میں حضرت مجدد صاحب کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی وانقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر جو گہرا اثر پڑا، اور ان کی اصلاحی وتربیتی خدمات کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

جلد پنجم: یہ جلد احیاء دین، اشاعت کتاب وسنت، اسرار ومقاصد شریعت کی توضیح وتنقیح، تربیت وارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد پر مشتمل ہے جن کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اخلاف وخلفاء کے ذریعہ ہوا۔ شاہ ولی اللہ کے ایک نامور معاصر ومصلح شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی خدمات کا اصل دائرہ توحید خالص کی دعوت اور رد شرک تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۱۰) جب ایمان کی باد بہاری چلی

اس میں تیرہویں صدی ہجری کے مجدد و مصلح امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت مجاہدین کی زندگی کے سبق آموز اور مؤثر حالات اور واقعات کے نمونے دیئے گئے ہیں، جسے مولانا نے اولاً عربی میں " إذا هبت ريح الإيمان " کے نام سے تحریر کیا، جو دار عرفات رائے بریلی سے اولاً شائع ہوئی۔ مولانا محمد الحسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اردو میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ "جب ایمان کی بہار آئی" کے نام سے مکتبہ فردوس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ مصنف کی زندگی سے ہی یہ کتاب "جب ایمان کی باد بہاری چلی" کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ اس کتاب کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

(۱۱) کاروان ایمان و عزیمت

اس میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اصلاح و جہاد کی شخصیتوں اور حضرت سید صاحب کے خلفاء و ممتاز مریدین کا تذکرہ ہے، جن میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی بڈھانویؒ، مولانا کرامت علی جونپوریؒ، مولانا ولایت علی صادق پوریؒ، مولانا یحیی عظیم آبادیؒ اور مولانا سید محمد علی رامپوریؒ جیسے اولو العزم داعی و مجاہد بھی ہیں۔ آخر میں حضرت سید صاحب کے سلسلہ کی ایک عظیم المرتبت شخصیت مصلح و مربی حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کا مؤثر تذکرہ ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے لاہور میں مولانا شاہ سید نفیس الحسینی صاحب (أطال الله بقاءه) کے زیر اہتمام منظر عام پر آئی، پھر مکتبہ اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

(۱۲) تذکرہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

چودہویں صدی ہجری کے مشہور زمانہ و مقبول خاص و عام بزرگ و سلسلہ

www.abulhasanalinadwi.org

نقشبندیہ ومجددیہ کے عالی مرتبت شیخ ومربی کا تذکرہ ہے، جس میں ان کے حالات زندگی، کمالات علمی ودینی اور ارشادات وملفوظات کے علاوہ معاصر علماء کے تأثرات بھی دیئے گئے ہیں، ۱۵۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔ مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ نے شائع کی ہے۔

(۱۳) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی ودعوتی تحریک اور ان کے کام ومقام کو سمجھنے کے لئے اور دعوت واصلاح کے کام کی ضرورت واہمیت اور دوسرے کاموں پر اس کی ترجیح کا احساس پیدا کرنے کے لئے یہ ایک مؤثر اور نافع کتاب ہے۔ چونکہ مصنف کا ان کا ساتھ رہا تھا اس لئے اس میں وہ مشاہدات وتجربات بھی آگئے ہیں جن سے کتاب کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ کتاب ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہوتی رہی ہے، اور خاصے اڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔

(۱۴) مکتوبات مولانا محمد الیاسؒ

اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دعوت وتبلیغ کے تعلق سے خطوط کا ایک قیمتی انتخاب پیش کیا ہے۔ اکثر خطوط مولانا ہی کے نام ہیں۔

(۱۵) سوانح حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب میں مولانا نے اپنے مرشد ومربی اور عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، ان کا انداز تربیت، توازن

وجامع، تعلق باللہ، خلوص ومحبت، فیض وتاثیر اور معرفت وسلوک کا ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ پیش کیا ہے۔ ۳۵۲ صفحات کی یہ کتاب مکتبۂ اسلام لکھنؤ نے شائع کی ہے۔

(۱۶) سوانح حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

مولانا نے یہ کتاب اپنے وقت کے عالی مرتبت بزرگ اور عظیم عالم دین ومصنف، محقق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (جن سے مولانا نے اپنے روحانی سرپرست کی حیثیت سے بھی تعلق رکھا تھا) کے حالات زندگی، کمالات علمی ودینی اور تصنیفی خدمات اور ارشادات وملفوظات کو پیش کیا ہے۔

(۱۷) حیات عبدالحی

مولانا نے اپنے والد ماجد اور اپنے وقت کے ممتاز عالم، مصنف ومؤرخ، وسابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے سوانح حیات اور علمی کمالات وتصنیفی خدمات اور دینی ومعاشرتی مقام کو اس میں پیش کیا ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے اسے پہلے شائع کیا، پھر دیگر اشاعتی اداروں سے بھی شائع ہوئی۔ مولانا نے ضمیمہ کے طور پر اپنے برادر معظم ومربی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے، جسے سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی نے "تذکرہ ڈاکٹر سید عبدالعلی" کے نام سے الگ سے شائع کیا ہے۔

(۱۸) ذکر خیر

اس میں مولانا نے اپنی والدہ صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے قابل رشک حالات زندگی اور ان کی تربیتی وتصنیفی خدمات کو اس میں پیش کیا گیا ہے۔ مکتبۂ اسلام لکھنؤ کی شائع کردہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۱۹) کاروان زندگی

سات حصوں پر مشتمل یہ کتاب مولانا کی سرگذشت حیات ہے، جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تأثرات، ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث، تحریکات اور شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل آگیا ہے۔ اور پوری بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ اس میں محفوظ ہوگئی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کی ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ " في مسيرة الحياة " کے نام سے شائع ہورہا ہے، ابتدائی جلدوں کا ترجمہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے کیا، بقیہ جلدوں کا ترجمہ مولوی جعفر مسعود حسنی ندوی کررہے ہیں۔

(۲۰) پرانے چراغ

یہ تین حصوں پر مشتمل ہے، جس میں مولانا نے اپنے محسن علماء و مشائخ اور محبوب قائدین اور زعماء، دوستوں، عزیزوں اور بعض مخلص، ذہین اور معاصر شخصیات کا دل آویز حال، اپنے ذاتی تأثرات، مشاہدات و واقعات اور معلومات کے تناظر میں لکھا ہے۔ ۶۹ شخصیات سے اس کتاب کے ذریعہ صحیح واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مکتبۂ فردوس لکھنؤ کی شائع کردہ ہے۔

(۲۱) ہندوستانی مسلمان

یہ کتاب " المسلمون في الهند " کا ترجمہ ہے، جس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستانی مسلمانوں کی علمی، دعوتی، تربیتی، اصلاحی جدوجہد کو تاریخی تناظر میں پیش کیا ہے، اور ان کا ملک کے تہذیبی و فکری و ثقافی حالات پر جو اثر پڑا اور ان کی حکمرانی سے ملک پر کیا اثر پڑا اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۲۲) ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں

اس کتاب میں ہندوستانی مسلمانوں کا مذہبی تمدن اور معاشرتی تعارف اوران کے عقائد وعبادات، ان کے مذہبی تہواروں، رسم ورواج، عادات واخلاق اور ملی خصوصیات کا بیان، ایک غیر جانبدارانہ جائزے اور واقعی تصویر کے طور پر آ گیا ہے۔

(۲۳) نقوشِ اقبال

عربی، اردو اور انگریزی میں اس کتاب کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں۔ اردو اڈیشن مولانا ڈاکٹر شمس تبریز صاحب کے قلم سے ہے، جسے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے اقبال کی شاعری کے انقلاب انگیز اثرات کو پیش کیا ہے۔ اور ان کے کلام کا تعاون لیتے ہوئے مغربی تہذیب واقدار کے نقصانات اور عالم انسانیت کے لئے اس کی خطرناکی کو واضح کیا ہے۔

(۲۴) صحبتے با اہل دل

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کی عرفانی واصلاحی وتربیتی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ ہے، جس میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگیوں کی اصلاح کا پیغام، ایمان ویقین کی کیفیت، احسان پیدا کرنے کا وافر سامان اور حکایات وتمثیلات کے پیرایہ میں تصوف اسلامی کا عطر اور سلوک ومعرفت کا خلاصہ آ گیا ہے۔ آخر کی ایک مجلس مولانا کے بھانجے مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم کی مرتب کردہ ہے۔ مکتبۂ الفرقان لکھنؤ نے اسے شائع کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۲۵) بصائر

یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آخر دور کی کتاب ہے، یہ ان حالات میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی جب انہوں نے محسوس کیا کہ مسلمان فروعی مسائل میں پڑ کر اختلاف کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور ان کے دین کی دعوت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس میں ان علماء کی خدمات اور قربانیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے برصغیر کے مسلمان اپنی دینی وملی شناخت کے ساتھ باقی ہیں۔ یہ "الأضواء على الحركات و الدعوات الدينية و الإصلاحية و مدارسها الفكرية و مراكزها التعليمية و التربوية في الهند" کا ترجمہ ہے جسے مولوی جعفر مسعود حسنی ندوی نے کیا ہے۔

(۲۶) اصلاحیات

یہ ایک اصلاحی ودعوتی مجموعۂ مضامین وخطبات ہے، جن میں سیرت نبوی، ایمان وعقیدہ اور عام انسانی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اور نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقہ پر کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ دنیا کی سالگرہ، صورت وحقیقت، انسان کی تلاش، آنکھوں کی سوئیاں جیسے مؤثر مضامین اس میں ہیں۔ مضامین رسالہ "تعمیر" سے لئے گئے ہیں۔ اور تقاریر لکھنؤ کے تبلیغی اجتماع کی ہیں، جو ۱۹۵۴ء میں کی گئیں۔ اس کا جدید اڈیشن مکتبہ اسلام لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

(۲۷) مذہب وتمدن

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ایک اہم تصنیف ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات، خالق کائنات اور مقصد حیات کے بارے میں صحیح

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدہ اور صحیح علم ہی پر ایک استوار معاشرہ اور صالح تہذیب وتمدن کی عمارت قائم ہوسکتی ہے۔ دنیا اب تک جن تہذیبی ادوار سے گذر چکی ہے وہ کن عقائد ونظریات کے پیداوار تھے، اور اسلام سے کس طرح ایک صالح اور صحت مند تمدن کا وجود ہوتا ہے۔ یہ کتاب بھی مولانا کی ابتدائی دور کی تصنیفات میں سے ایک ہے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے ہی شائع ہوئی ہے۔

(۲۸) دستور حیات

"العقيدة و العبادة و السلوك" کا اردو اڈیشن ہے جسے مولانا کے نواسے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاد مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اردو میں منتقل کیا۔ اس میں کتاب وسنت اور سیرت نبوی کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ، نظام زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات وشمائل کے بارے میں تعلیمات واسوۂ نبوی کی وضاحت اور اصلاح وتربیت نفس کے لئے قرآنی ونبوی ہدایات وتعلیمات ہیں۔ راہ خدا میں جہاد کی اہمیت، خاص موقعوں اور وقتوں کے اذکار وادعیہ سے متعلق مضمون بھی اس میں شامل ہیں۔

(۲۹) اسلام کے تین بنیادی عقائد

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اسلامی عقائد پر مستقل کوئی کتاب نہیں تھی، البتہ اس سلسلہ میں انہوں نے الگ الگ مضمون لکھے، اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا تصنیف "تقویۃ الایمان" کا عربی میں "رسالة التوحيد" کے نام سے ترجمہ کیا اور تعلیق بھی کی۔ حال ہی میں توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق مضامین کا ایک مجموعہ "اسلام کے تین بنیادی عقائد" کے نام سے مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے مرتب کر کے دار عرفات رائے بریلی سے شائع کیا ہے۔

(۳۰) ارکان اربعہ

اس کتاب میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے اسرار و مقاصد اور ان کے حقیقی فوائد و ثمرات کی تشریح کے ساتھ انسانی زندگی پر ان کے اثرات و نتائج کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور عیسائیت، یہودیت نیز ہندو مذہب کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی اس کتاب کی خصوصیت ہے۔ مصنف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب بھی عربی میں لکھی گئی اور مولانا سید محمد الحسنی مرحوم نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔

(۳۱) تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک

تزکیہ، جسے دور آخر میں تصوف کا نام دیا گیا، کی حقیقت اور اصل روح اور اسلامی و ایمانی زندگی اور خدا کی بندگی کی تکمیل کے لئے اس کی اہمیت و ضرورت اور افراد و جماعتوں اور قوموں و حکومتوں پر اس کے حیرت انگیز اثرات کا مطالعہ و جائزہ، مؤرخانہ و مبصرانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب " ربانية لا رهبانية " کے نام سے لکھی گئی، اردو ترجمانی مولانا محمد الحسنی مرحوم کے حصہ میں آئی۔

(۳۲) اسلام کا تعارف

اس میں اسلام کے تعارف سے متعلق مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جن میں اسلام کے بنیادی عقائد، اس کے مذہبی فرائض اور معاشرت و تہذیب کے اصول آ گئے ہیں۔ چونکہ ضخیم کتابوں کا پڑھنا بہت سے مسلمان اور غیر مسلم بھائیوں کے لئے مشکل ہے، اس لئے ایسی کتاب ضروری تھی جو ہلکی پھلکی ہو اور اس میں اسلام کا اجمالی تعارف اور صحیح تصویر آ گئی ہو۔ اس اعتبار سے یہ کتاب

www.abulhasanalinadwi.org

سب ہی فرقوں، تعلیم یافتہ لوگوں اور انصاف پسندوں کے لئے مفید اور مبارک ہے، اس کے ایک سو ستر صفحات ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء نے اس کو مرتب کیا، اور دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع ہوئی۔ اس کے متعدد ہندی اور انگریزی اڈیشن نکل چکے ہیں، جس کے الحمدللہ اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔ ہندی ترجمہ محمد حسن انصاری صاحب نے ''اسلام ایک پریچے'' کے نام سے کیا، جب کہ انگریزی ترجمہ مکہ مکرمہ میں ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے " Islam an introduction" کے نام سے کیا ہے، ان ترجموں کے علاوہ اور بھی علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ منظر عام پر آچکا ہے۔

(۳۳) اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار

یہ رسالہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے توسیعی خطبات کی ایک کڑی ہے، مقالہ کی صورت میں ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ میں علماء مکہ اور حجاج کرام کی ایک معتدبہ تعداد کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امت کو حدیث وسنت کی کس قدر ضرورت ہے، اس کے بغیر اس کا بقا خطرہ میں ہے۔ یہ رسالہ بھی عربی میں تھا، مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اردو میں منتقل کیا اور مجلس نے شائع کیا۔

(۳۴) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات

مولانا نے اپنی اس کتاب میں انسانی تہذیب وتمدن پر اسلام کے عظیم احسانات اور دوررس ودیرپا نقوش واثرات کا مبصرانہ ومفکرانہ جائزہ لیا ہے۔ اسلام کی عالمی تاثیر، دنیا کو اسلام کے عطیات، توحید کے صاف اور واضح عقیدہ، انسانی دعوت ومساوات کے تصور، اسلام کے عطا کردہ عورت کے حقوق اور اسلامی تہذیب کے ضمیر

وضمیر سے بحث کی ہے۔

(۳۵) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

اس میں مولانا نے مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کا جائزہ پیش کیا ہے، اور مغربیت کے رجحان کے آغاز وارتقا اور اس کے نقصانات اور تجدد کی تحریکوں کے اثرات اور مسلم ممالک کے حکمرانوں کے اس سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں اسلام مخالف کردار سے بحث کی ہے۔ عربی میں یہ کتاب " الصراع بين الفكرة الإسلامية و الفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية " کے نام سے شائع ہوئی۔

(۳۶) قادیانیت، تحلیل وتجزیہ

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم وایما پر یہ کتاب قادیانیت کے فتنہ کے سد باب کے لئے تصنیف کی گئی۔ عربی اور انگریزی اڈیشن بھی اس کے منظر عام پر آئے اور مقبول ہوئے۔ یہ کتاب عربی اور اردو دونوں زبانوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قلم سے ہے۔

(۳۷) دو متضاد تصویریں

کتاب کا پورا نام ہے" دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں"۔ یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب خمینی صاحب کے ایرانی انقلاب کی ہر طرف گونج تھی۔ اس میں مولانا نے اہل سنت والجماعت کے عقائد اور فرقۂ اثنا عشریہ کے عقائد کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب وشتم اور تحریف قرآن کو اس فرقہ کی کتابوں سے ثابت کیا ہے جس کی خمینی صاحب سرپرستی

www.abulhasanalinadwi.org

کرر ہے تھے ۔ اس میں خلفاء راشدین کی خدمات، کارناموں اور اہل بیت نبوی کی قربانیوں و بلند کرداریوں کے متعلق بڑا مواد اکٹھا ہو گیا ہے۔" صـــور تـــان متضـادتـان " کے نام سے مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (حال مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے قلم سے اس کا عربی ترجمہ منظر عام پر آیا۔

(۳۸) عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی طرف سے بعض قرآنی اصطلاحات کی نئی قسم کی جو تشریح کی گئی ہے اس پر اس رسالے میں تنقید کی ہے، یعنی وہ افکار جن سے اسلامی روح و مزاج پر ضرب پڑ رہی تھی۔ اس کا عربی ترجمہ " التـفسيـر السيـاسي للإسلام " کے نام سے مولانا نور عالم خلیل امینی مدیر "الداعی" دار العلوم دیوبند و سابق استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے سامنے آیا۔ یہ کتاب دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی۔

(۳۹) معرکۂ ایمان و مادیت

اس کتاب میں سورۃ الکہف کا مطالعہ تفسیر قرآن، حدیث، قدیم تاریخ، جدید معلومات اور حالات حاضرہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اور دعوت فکر و عمل دی گئی ہے۔ عربی میں یہ کتاب " الصراع بين الإيمان و المادية " کے نام سے ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا سید محمد الحسنی کے قلم سے ہے۔ صفحات کی تعداد ۱۳۱ ہے۔

(۴۰) تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ

یہ ۶۸ صفحات کا رسالہ ہے جس میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم اصلاحی و مجاہدانہ کارناموں پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ اور اپنوں اور پرایوں

کی ان کوتاہیوں اور زیادتیوں کی دل خراش داستان بیان کی گئی ہے جو ان کے حق میں روا رکھی گئیں۔ یہ کتاب عربی میں " الإمام الذي لم يوف حقه من الإنصاف و الاعتراف " کے نام سے منظر عام پر آئی تھی۔ مولانا محمد الحسنی صاحب نے اس کو اردو میں منتقل کیا۔ اس کا عربی اڈیشن قاہرہ کے دار الاعتصام نے بڑی تعداد میں شائع کیا، اور بعد میں مزید اس کی اشاعتیں ہوئیں۔

(۴۱) اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین

۹۰ صفحات کا یہ رسالہ اصلاً ایک مقالہ تھا جو دار المصنفین اعظم گڑھ کی طرف سے اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس میں مستشرقین یورپ کے تحقیقی کاموں پر منصفانہ تبصرہ اور عالم اسلام میں مسلمان مصنفین کے علمی و تحقیقی کاموں کا وسیع جائزہ آ گیا ہے۔ مقالہ عربی میں تھا، یہ اس کا اردو ترجمہ ہے، جسے عزیزی مولوی سید سلمان حسینی ندوی نے کیا ہے۔

(۴۲) مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

اس کتاب میں مصنف نے ایک مثالی داعی اسلام کی تصویر پیش کی ہے، جو مغرب کو اسلام کی دعوت بغیر کسی معذرت و شرمندگی کے دیتا ہے۔ کتاب میں بڑی جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کے نقائص پر نکتہ چینی اور مشرق کے پرستاران مغرب کی غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید پر صاف صاف تنقید کی گئی ہے۔ اور انسانیت کی صحیح رہنمائی و خدمت کے لئے ایک راہ اعتدال کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ۸۵ صفحات ہیں۔

(۴۳) نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں

یہ امریکہ و کناڈا میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہم تقریروں اور خطبات کا فکر انگیز

www.abulhasanalinadwi.org

مجموعہ ہے، جس میں مغربی تہذیب اور امریکی معاشرت کا جائزہ، تجزیہ اور مطالعہ اور امریکہ کے مقیم مسلمانوں کے بارے میں اہم مشورے آگئے ہیں۔ اور مشینی تہذیب کے سب سے بڑے مرکز میں اس بلند سطح سے گفتگو کی گئی ہے جس پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو یہ ایک بے حقیقت سراب نظر آتا ہے۔ یہ کتاب بھی مجلس سے ہی شائع ہوئی ہے۔

(۴۴) عالم عربی کا المیہ

یہ مولانا کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے جس میں قرآن حکیم کے مطالعہ اور قانون فطرت کی روشنی میں اس مسئلہ کا تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے، اور جائزہ و محاسبہ پیش کیا گیا ہے کہ عالم عربی کو کن مشکلات کا سامنا ہے، اور اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں، اس کا کردار کیا ہونا چاہئے، اور کہاں کہاں اس سے کوتاہی ہو رہی ہے؟ دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

(۴۵) دعوت فکر و عمل

۱۹۷۸ء میں مولانا کے پاکستان کے دورہ کی اہم تقریروں کا یہ مجموعہ ہے، جو پاکستان میں "حدیث پاکستان" کے نام سے شائع ہوا۔ اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے "دعوت فکر و عمل" کے نام سے پیش کیا ہے۔ یہ سفر اسلامی ایشیائی کانفرنس کے موقع پر کیا گیا تھا۔ مختلف موضوعات پر ان تقریروں کے مخاطب مختلف طبقات ہیں۔

(۴۶) تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب

یہ مولاناؒ کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ دعوت و فکر اسلامی میں دیئے گئے۔ یہ آپ نے عربی میں معہد عالی برائے دعوت و فکر اسلامی کے طلبہ کے سامنے ۱۴۰۰ھ میں دیئے تھے، جو " روائع من أدب الدعوة

www.abulhasanalinadwi.org

فی القرآن و السیرۃ " کے نام سے طبع ہوئے۔ یہ اس کا اردو اڈیشن ہے جو مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی صاحب کے قلم سے ہے۔ ایک داعی اور مبلغ میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ اس کو کس طرح کا انداز گفتگو اختیار کرنا چاہئے؟ وہ حکمت کیا ہے جو تبلیغ دین کے لئے ضروری ہے؟ قرآنی نمونوں اور نبوی کردار سے اس کو اس کتاب میں واضح کیا گیا ہے۔

(۴۷) پاجا سراغ زندگی

طالبان علوم نبوت کے سامنے کی گئی تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں انہیں عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کے ساتھ جینے کی دعوت دی گئی ہے، اس کا پہلا اڈیشن مولوی عبد العزیز بھٹکلی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام طلبۂ بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء نے شائع کیا تھا، اب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ناشر ہے۔

(۴۸) مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی

دار العلوم ندوۃ العلماء کے زمانۂ تدریس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ کے سامنے قرآن مجید کی اہمیت وحیثیت اور اس کی تلاوت ومطالعہ کے اصول وآداب کے متعلق مضامین تحریر کرکے پیش کئے تھے، جس میں قرآن فہمی کے لئے اپنے تجربات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ " المدخل إلى الدراسات القرآنية " کا یہ ترجمہ ہے، جسے مولوی سید سلمان حسینی ندوی نے کیا ہے۔

(۴۹) قرآنی افادات

مولانا کی تقریروں اور تحریروں میں جن قرآنی حقائق اور معانی ومفاہیم کا

ذکر آیا ہے، اور اس سلسلہ میں جو دعوت فکر و عمل دی گئی ہے، ان کا ایک مجموعہ "قرآنی افادات" کے نام سے محمد الحسنی ٹرسٹ رائے بریلی نے شائع کیا ہے، جس کے مرتب مولوی ر۔ حقانی ندوی ہیں، اور اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی کے قلم سے "GUIDANCE FROM THE HOLY QURAN" کے نام سے اسلامک فاؤنڈیشن لیسسٹر یو۔ کے۔ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

(۵۰) مطالعۂ حدیث کے اصول و مبادی

"المدخل إلى دراسات الحديث النبوي" کا ترجمہ ہے، جسے عزیزی مولوی بلال عبد الحی حسنی ندوی نے کیا ہے، اس میں حدیث وائمۂ حدیث، امہات کتب حدیث کا تعارف اور مطالعۂ حدیث کے اصول و آداب سے بحث کی گئی ہے۔

(۵۱) خواتین اور ان کی دینی خدمت

اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خواتین اسلام کے علمی، دینی کارناموں اور خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے وہ خطوط بھی دیئے گئے ہیں جو انہوں نے مولانا کو ان کے زمانہ طالب علمی میں لکھے تھے۔ یہ کتاب مکتبۂ اسلام لکھنؤ نے شائع کی ہے۔

(۵۲) اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض

اس کتاب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تحریریں جمع کی گئی ہیں جن میں خواتین کے لئے رہنمائی کا سامان تھا۔ مولوی سید عبد اللہ حسنی ندوی کی نگرانی میں یہ کام انجام پایا، جسے مولوی محمد رضوان ندوی مرحوم نے اپنے قائم کردہ ادارہ "جامعة

المؤمنات الإسلامیة - لکھنؤ سے شائع کیا۔

(۵۴) مسنون دعائیں:

مسنون دعاؤں کا یہ مختصر مجموعہ ہے جس میں صبح وشام اور روزمرہ کام آنے والی جامع دعائیں جو قرآن پاک میں آئی ہیں، اور جو آنحضرت ﷺ سے مأثور ومنقول ہیں، پیش کردی گئی ہیں۔ یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے ایک قابل قدر تحفہ اور دین ودنیا کی نعمتوں کا خزانہ ہے۔ اسے مکتبۂ اسلام لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے کتابوں اور تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، ان میں کچھ اہم کتابوں کا مختصر تعارف اس لئے پیش کردیا گیا تاکہ ان کے باقاعدہ مطالعہ کا شوق پیدا ہو۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر وتحریر کے لئے عربی اور اردو زبان کو اختیار کیا تھا۔ وہ انگریزی اور فارسی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے، مگر ان کی تصنیفات عربی زبان میں ہیں یا اردو میں۔ دیگر زبانوں میں ترجمہ کا کام ان کے معتمد علیہ افراد انجام دیتے رہے۔ اس طرح انگریزی، ترکی، فارسی، ہندی، بنگلہ اور دوسری زبانوں میں ترجمہ کا کام کیا جاتا رہا۔ ترکی میں یوسف کراچہ صاحب نے پیش رفت کی۔ فارسی میں مولانا قاسم قاسمی، مولانا ابراہیم دامنی اور مولانا عبدالقادر قابل ذکر ہیں۔ بنگلہ میں مولانا عمر علی، مولانا سلطان ذوق ندوی اور مولانا سلمان قاسمی کی فکر وتوجہ لائق ستائش ہے۔ انگریزی میں مولانا کے متعدد مترجمین رہے، جن میں ڈاکٹر آصف قدوائی مرحوم، جناب سید غلام محی الدین مرحوم، ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط اور ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ہندی ترجمہ کا کام جناب محمد حسن انصاری سلطان پوری

انجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور وفات کے بعد ان کے مضامین اور مقالات کو موضوع کے اعتبار سے کتابی شکل میں لانے کا کام بھی کیا جاتا رہا ہے، اور اس طور پر ان کی بعض اہم کتابیں سامنے آئیں، جنہیں قبول عام حاصل ہوا۔ ان میں خصوصیت سے ''اسلام کا تعارف'' قابل ذکر ہے، جس کے اردو، ہندی اور انگریزی میں متعدد اڈیشن کثیر تعداد میں نکل چکے ہیں، اور دوسری زبانوں میں بھی اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کتاب ''قرآنی افادات'' ہے۔ ان کا تذکرہ سطور بالا میں بھی آچکا ہے۔ ان کے علاوہ ''اسلام میں عورت کا درجہ و مقام''، ''مالیات کا اسلامی نظام''، ''اسلام کے تین بنیادی عقائد'' اور ''میری علمی و مطالعاتی زندگی'' بھی ہیں۔

خطبات اور تقریروں کے بھی کئی مجموعے سامنے آچکے ہیں، جن میں ''تکبیر مسلسل'' مرتبہ ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل، اور ''جہد مسلسل'' مرتبہ مولانا نذر الحفیظ ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کتاب بنیادی دینی تعلیم کے کام سے متعلق ہے، اور ثانی الذکر کتاب مسلم پرسنل لا اور تحفظ شریعت کے کام سے متعلق ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصنیفات میں جو فکر صحیح اور اعتدال و توازن اور دین و شریعت کے مزاج کا جو خیال رکھا گیا ہے، اور حالات کی تبدیلی کی جو رعایت رکھی گئی ہے، اور طرز تخاطب و اسلوب نگارش اور تعبیر و الفاظ کے حسن کو جو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ تحقیق و تنقید کے ساتھ عموماً جمع نہیں ہو پاتا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں متعدد کتابیں مسلمانوں کی غیر معمولی شخصیات کی سوانح عمری پر بھی ہیں۔ اور متعدد تصنیفات مسلمان قوموں کے اخلاقی و فکری جائزوں پر مشتمل ہیں، اور متعدد تصنیفات اصلاح و تربیت کے موضوع پر مشتمل ہیں۔ متعدد تصنیفات خالص علمی

www.abulhasanalinadwi.org

اور فکری مواد پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان میں بھی مولانا کا اسلوب اصلاحی و تربیتی اور دعوتی رہا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و تقاریر کا اسلوب خواہ علمی و تحقیقی ہو عموماً دلنواز اور موثر انداز کا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پختہ اور بلیغ ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دینی موضوعات پر بھی اہم اور ٹھوس مواد پر مشتمل تصنیفات تیار کی ہیں۔ ان میں اپنے تربیتی مضمون کو بطور خاص اختیار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے کام و مقام پر اہم اور فکر انگیز معلومات پیش کی ہیں، اور اس ضمن میں آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی حیات طیبہ کے پُرعظمت گوشوں پر مستقل کتاب اور کتابچے تصنیف کیے۔ علمی حلقوں میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں خاصی مقبول ہوئیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے دینی، علمی اور ثقافتی کارناموں کی تاریخ پر بھی سلسلہ تیار کیا جو مسلمانوں کی سیاسی اتھل پتھل سے ہٹ کر خالص پُرامن اور تعمیری کاموں پر مشتمل ہے۔

مذکورہ تصنیفات کے علاوہ ادب و ثقافت کے مفید موضوعات پر بھی مولانا کی متعدد کتابیں ہیں جو اپنے موضوع پر اہم حیثیت کی مالک ہیں، اور تعلیم و نصاب کے تعلق سے بھی کتابیں جو نئی نسل کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار کی حامل ہیں، ان میں قصص النبيين، القراءة الراشدة، مختارات من أدب العرب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ سفرناموں کا بھی ایک سلسلہ ہے، جو صرف روداد سفر نہیں ہے بلکہ ان سے علمی، دینی، تاریخی اور جغرافیائی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور دعوت و اصلاح کے کام میں ایک داعی و مصلح کو کن دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے، اور کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ ''اپنے گھر سے بیت اللہ تک'' سفرنامۂ حج ہے، جو اپنے رب کے گھر کی حاضری کی روداد عشق و مستی ہے، اس

مبارک روداد سفر کے علاوہ دوسرے اہم سفرنامے اس طرح ہیں:

● شرق اوسط کی ڈائری (یہ مولانا کی مشہور کتاب "مذكرات سائح في الشرق العربي" کا اردو ترجمہ ہے، جسے مولانا شمس الحق ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء نے کیا ہے۔) ● دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ● مغرب اقصیٰ مراکش میں ● بارہ دن ریاست میسور میں ● دو ہفتہ ترکی میں، وغیرہ اہم سفرنامے ہیں۔ پھر ان کی خود اپنی خود نوشت سوانح حیات "کاروان زندگی" ہے جس میں پوری ایک صدی کی تاریخ اور ایک داعی، معلم، مربی، مصنف، مفکر، مؤرخ اور مصلح کی ہمہ جہت زندگی کا نچوڑ آ گیا ہے۔

ان کے علاوہ تقاریر وخطبات کے مجموعے ہیں جو علاقوں کی مناسبت سے انہیں کے نام سے شائع ہوئے، مثلاً ● تحفۂ پاکستان ● تحفۂ مشرق (یعنی بنگلہ دیش میں کی گئی تقاریر) ● تحفۂ دکن (جس میں حیدر آباد اور اورنگ آباد کی تقاریر ہیں) ● تحفۂ انسانیت (جس کا دوسرا نام حدیث مالوہ ہے) ● تحفۂ کشمیر ● تحفۂ بھٹکل ہیں۔

تحریک پیام انسانیت کے تعلق سے جس کے مولانا بانی وصدر تھے مولانا کی اہم تقاریر رسالوں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی اور بنگلہ وغیرہ میں عام ہیں۔

مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مولانا کو اپنی عربی تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" (یعنی انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) سے جو شہرت ومقبولیت اور محبوبیت ملی وہ اس درجہ میں کسی اور تصنیف سے نہیں ملی۔ اس کو عربوں نے پوری صدی کی صرف دو چار کتابوں میں سے ایک قرار دیا۔ اور بین الاقوامی سطح پر ان کے عربی، اردو، انگریزی اور متعدد بین الاقوامی زبانوں میں جتنے اڈیشن نکلے ہیں اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکا ہے۔ خصوصاً عربی کا اڈیشن جسے

www.abulhasanalinadwi.org

مختلف اشاعتی ادارے ہزاروں ہزار کی تعداد میں شائع کر رہے ہیں۔

اسی کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اہم عربی تصنیف " الصراع بين الفكرة الإسلامية و الفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية " (مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش) ہے جو عالم اسلام کی سیاسی وفکری قیادت کے بے لاگ اور طاقتور جائزہ پر مشتمل ہے، اور اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی تہذیب کے مقابلہ میں مغلوب قوموں کا تین رجحانات میں تقسیم ہو جانا دکھایا ہے۔ ایک رجحان ان قائدین کا ہے جنہوں نے مغربی سیاست واقدار کے سامنے پوری طرح سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی قوم کو ان کے سانچے میں زبردستی ڈھالنے کی کوشش کی۔ دوسرا رجحان وہ ہے جس نے مغربی تہذیب وافکار کو بالکلیہ مسترد کر دیا اور اپنے پسماندہ نظام زندگی کے اندر محدود رہنے کی کوشش کی۔ تیسرا رجحان وہ ہے جس نے دونوں طرف کی اچھی اور مفید باتوں کو اپنانے اور ناقابل عمل باتوں کو مسترد کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں کی مثالیں اور ان کے اسباب وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ اور مفید ومتوازن طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔

اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو سرمایۂ علمی چھوڑا ہے وہ بڑا متنوع، مؤثر اور جامع سرمایۂ علمی ہے۔ ایک فہرست ان کتابوں کی بھی ہے جو مولانا کے قلم سے تو نہیں نکلیں لیکن مولانا کی نگرانی میں ان کے حسب منشا لکھی گئیں، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جن کا تعلق تعلیمی نصاب سے ہے، جیسے منثورات، معلم الانشا وغیرہ۔ اور وہ بھی ہیں جو تحقیقی وسوانحی ہیں جیسے تاریخ ندوۃ العلماء از مولانا اسحاق جلیس ندوی وڈاکٹر شمس تبریز۔ سیرت مولانا محمد علی مونگیری از مولانا سید محمد الحسنی، سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی از مولانا محمد ثانی حسنی، سیرت سلطان ٹیپو شہید از مولوی محمد الیاس بھٹکلی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

اور سفرناموں سے بھی متعلق ہیں جیسے دو مہینے امریکہ میں از راقم۔ ان کے علاوہ بعض فکری واصلاحی کتابیں ورسائل بھی ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ دہلی یونیورسٹی کی طرف مولانا کی تصنیفات پر سیمینار منعقد ہوا، جس کے مضامین کی بنیاد پر مولانا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی مرتب کردہ کتاب ''مطالعۂ تصنیفات مولانا ابوالحسن علی ندوی'' منظر عام پر آچکی ہے۔ اور عزیزی مولوی سعید مرتضیٰ ندوی نے عربی و اردو تصنیفات اور دوسری زبانوں میں ان کے تراجم ڈائرکٹری تیار کرائی ہے، جسے مولوی طارق زبیر ندوی نے مرتب کیا ہے۔ یہ دونوں کام بڑے قابل قدر اور اہمیت کے حامل ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات پر بھی کام ہورہا ہے، عزیز گرامی مولوی سید حمزہ حسنی ندوی نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی دو جلدیں تیار کی ہیں جو منظر عام پر آچکی ہیں۔ دوسری جلدیں بھی زیر ترتیب ہیں۔ مجلسی افادات کو بھی ترتیب دیا جارہا ہے، یہ کام مولانا نذر الحفیظ ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء انجام دے رہے ہیں۔

فجزاهم الله تعالىٰ خيراً ۰

تصنیفات ورسائل - ایک نظر میں

نمبر شمار	عربی تصنیفات	صفحات
١-	الاجتهاد و نشأة المذاهب الفقهية	٣٤
٢-	أحاديث صريحة في أمريكا	٨٥
٣-	أحاديث صريحة مع إخواننا العرب و المسلمين	١١١
٤-	إذا هبت ريح الإيمان	٢٤٠
٥-	ارتباط مسير الإنسانية و مصيرها بقيام المسلمين بواجبهم، و دورهم في تكوين وحدة و توجيه دعوة	١٢
٦-	الأركان الأربعة في ضوء الكتاب و السنة	٣٠٣
٧-	أريد أن أتحدث إلى الإخوان	٥٢
٨-	إزالة أسباب الخذلان أهم من إزالة آثار العدوان	٢٨
٩-	أزمة إيمان و أخلاق	١٥
١٠-	أزمة هذا العصر الحقيقية	٢٧
١١-	أسبوعان في المغرب الأقصى	١٥٥
١٢-	الإسلام : أثره في الحضارة و فضله على الإنسانية	٢١٤
١٣-	الإسلام فوق القوميات و العصبيات	١٩
١٤-	الإسلام في عالم متغير	١٦
١٥-	الإسلام في عالم متغير — بحوث إسلامية قيمة	٩٣

www.abulhasanalinadwi.org

١٦- الإسلام و الحكم ٢٩

١٧- الإسلام و الغرب ٣٢

١٨- الإسلام و المستشرقون ١٤٠

١٩- اسمعيات

٢٠- اسمعوها مني صريحة أيها العرب ! ٢٧

٢١- اسمعي يا إيران ! ٤٠

٢٢- اسمعي يا زهرة الصحراء ! ١١

٢٣- اسمعي يا سورية ! ١٩

٢٤- اسمعي يا مصر ! ١٦

٢٥- أسوة حسنة ١١٦

٢٦- أضواء على الحركات و الدعوات الدينية و الإصلاحية، و مدارسها الفكرية ، و مراكزها التعليمية و التربوية في الهند، و دورها و نجاحها في إصلاح العقيدة ، و محاربة الجاهلية و الخرافية ، و الدعوة إلى الدين الحنيف الخالص ، و الانتفاضة الإسلامية ٥٨

٢٧- أكبر خطر على العالم العربي المؤمرات و المخططات الدقيقة العميقة لقطع العرب عن الإسلام ٣٩

٢٨- إلى الإسلام من جديد ٢٢٤

٢٩- إلى الراية المحمدية أيها العرب ! ١٢

٣٠- إلى شاطئ النجاة ٣٢

٣١- إلى قمة القيادة العالمية ١٣

٣٢- إلى ممثلي البلاد الإسلامية ٢٠

www.abulhasanalinadwi.org

٣٣- الإمام الحسن البصري ٣٢

٣٤- الإمام الممتحن أحمد بن حنبل ٣٩

٣٥- الإمام عبد القادر الجيلاني

٣٦- الإمام الشهيد حسن البنا ٢٤

٣٧- الإمام الذي لم يوف حقه من الإنصاف و الاعتراف ٧٥

٣٨- الإمام محمد بن إسماعيل البخاري و كتابه صحيح البخاري ٢٨

٣٩- الأمة الإسلامية وحدتها و وسطيتها و آفاق المستقبل ٢٨

٤٠- أمريكا و أوروبا و إسرائيل ٤٨

٤١- إن في ذلك لذكرىٰ لمن كان له قلب ١٦

٤٢- أهمية الحضارة في تاريخ الديانات و حياة أصحابها ٣٠

٤٣- أهمية نظام التربية و التعليم في الأقطار الإسلامية و أثره البعيد في اتجاهاتها و قياداتها ٢١

٤٤- بين الإنسانية و أصدقائها ٢٤

٤٥- بين الجباية و الهداية ٢٠

٤٦- بين الدين و المدنية ١٢٥

٤٧- بين الصورة و الحقيقة ٢٠

٤٨- بين العالم و جزيرة العرب

٤٩- بين نظرتين ٢٤

٥٠- تأملات في القرآن الكريم ١١٢

٥١- التربية الإسلامية الحرة في الحكومات و البلاد الإسلامية ١٨٦

٥٢- ترجمة السيد الإمام أحمد بن عرفان الشهيد ٣٩

www.abulhasanalinadwi.org

٥٣- ترشيد الصحوة الإسلامية ٤٢

٥٤- تضحية شباب العرب قنطرة إلى سعادة البشرية ١٢

٥٥- تعالوا نحاسب نفوسنا و قادتنا ٢٨

٥٦- التفسير السياسي للإسلام في مرآة كتابات الأستاذ أبي الأعلىٰ المودودي و سيد قطب ١٧٣

٥٧- ثورة في التفكير ١٨

٥٨- جوانب السيرة المضيئة في المدائح النبوية الفارسية و الأردية ٢٣

٥٩- حاجة البشرية إلى معرفة صحيحة و مجتمع إسلامي ٨٥

٦٠- حاجة العالم إلى الدعوة الإسلامية ٣٦

٦١- حاجة العالم إلى مجتمع إسلامي مثالي أفضل ٢٧

٦٢- الحاجة إلى التركيز على جانب حاسم ٣٢

٦٣- حديث مع الغرب ١٢٤

٦٤- الحضارة الغربية الوافدة و أثرها في الجيل المثقف كما يراه شاعر الهند الكبير لسان العصر أكبر حسين الإله آبادي ٥٠

٦٥- حكمة الدعوة و صفة الدعاة ٣٥

٦٦- خليج بين الإسلام و المسلمين ٢٤

٦٧- الداعية الكبير الشيخ محمد إلياس الكاندهلوي و دعوته ١١٤

٦٨- دراسة للسيرة النبوية من خلال الأدعية المأثورة المروية ٤٠

٦٩- درس من الحوادث ٢٤

٧٠- دعوة و تاريخ ١٤

٧١- الدعوة الإسلامية في العصر الحاضر: جبهاتها الحاسمة و مجالاتها الرئيسية ٢٤
٧٢- الدعوة الإسلامية في الهند و تطوراتها ٤٤
٧٣- الدعوة إلى الله حماية المجتمع من الجاهلية و صيانة الدين من التحريف ٣٦
٧٤- الدعوة و الدعاة مسئولية و تاريخ ٧٩
٧٥- دور الإسلام الإصلاحي في مجال العلوم الإنسانية ٧٤
٧٦- دور الإسلام في تقدم البلاد التي دخلها ٢٢
٧٧- دور الإسلام في نهضة الشعوب ٢٦
٧٨- دور الأمة الإسلامية في إنقاذ البشرية و إسعادها ٣٥
٧٩- دور الجامعات الإسلامية المطلوب في تربية العلماء و تكوين الدعاة و حماية الأقطار الإسلامية من التناقض و المجابهة ٤١
٨٠- دور الحديث في تكوين المناخ الإسلامي و صيانته ٤٦
٨١- دسلمين القيادي و الاجتهادي في الهند ٢٨
٨٢- ربانية لا رهبانية ٩٠
٨٣- رجال الفكر و الدعوة في الإسلام ١-٥ ١٦١٠
٨٤- رحلات ٨٠٠
٨٥- ردة و لا أبا بكر لها ٣٢
٨٦- رسالة التوحيد ١٥٦
٨٧- رسالة سيرة النبي الأمين إلى إنسان القرن العشرين ٣٤
٨٨- روائع إقبال ٢٤٨

٨٩- روائع من أدب الدعوة في القرآن و السيرة	١٣٦
٩٠- الزكوة	١٤٤
٩١- سياسة التربية و التعليم السليمة	٣٤
٩٢- سيرة خاتم النبيين ﷺ (للأطفال)	٣٥٥
٩٣- السيرة النبوية	٥٥٤
٩٤- شاعر الإسلام الدكتور محمد إقبال	٨٨
٩٥- شخصيات و كتب	٢٤٧
٩٦- الصراع بين الإيمان و المادية	١٢٣
٩٧- الصراع بين الفكرة الإسلامية و الفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية	٢٢٧
٩٨- الصلاة	
٩٩- الصوم	
١٠٠- صلاح الدين الأيوبي	٧٧
١٠١- صورتان متضادتان لنتائج جهود الرسول ﷺ الدعوية والتربوية وسيرة الجيل المثالي الأول عند أهل السنة و الشيعة الإمامية	١٢٥
١٠٢- الطريق إلى السعادة و القيادة للدول و المجتمعات الإسلامية الحرة	٢٢٤
١٠٣- الطريق إلى المدينة المنورة	١٣١
١٠٤- عاصفة يواجهها العالم الإسلامي و العربي	٦٤
١٠٥- العاقبة للعرب المسلمين	٢٨
١٠٦- العرب و الإسلام	١٥٢
١٠٧- العرب يكتشفون أنفسهم	٣٩

www.abulhasanalinadwi.org

١٠٨- العقيدة و العبادة و السلوك	٢٣٢
١٠٩- على الخشبة (للأطفال)	٣٤
١١٠- عمر بن عبد العزيز	٤٧
١١١- العوامل الأساسية لكارثة فلسطين	
١١٢- غارة التتار على العالم الإسلامي و ظهور معجزة الإسلام	٤٦
١١٣- فاستخف قومه فأطاعوه	٨
١١٤- الفتح للعرب المسلمين	٣٥
١١٥- فضل البعثة المحمدية على الإنسانية	٤٥
١١٦- في رحاب الدعوة	٢٣١
١١٧- في ظلال البعثة المحمدية	١٦
١١٨- في مسيرة الحياة (١-٣)	١٠٩٤
١١٩- القاديانية ثورة على النبوة المحمدية و الإسلام	٢٩
١٢٠- القاديانية مؤامرة خطيرة و ثورة على النبوة المحمدية	٢٨
١٢١- القادياني و القاديانية	١٨١
١٢٢- قارنوا بين الربح و الخسارة	٣٢
١٢٣- القراءة الراشدة للأطفال ١-٣	٣٨٢
١٢٤- القرن الخامس عشر الهجري الجديد في ضوء التاريخ و الواقع	٨٤
١٢٥- قصص من التاريخ الإسلامي للأطفال	١٤٤
١٢٦- قصص النبيين للأطفال ١-٥	٨٦١
١٢٧- قصة كتاب يحكيها مؤلفه	٣٦
١٢٨- قيمة الأمة الإسلامية بين الأمم	٥٠

www.abulhasanalinadwi.org

١٢٩– كارثة التعصب اللغوي و الثقافي ٣٠
١٣٠– كارثة العالم العربي الحقيقية و أسبابها ٣٨
١٣١– كتاب مفتوح إلى رجال الصحافة و الإذاعة
و الكتاب و الأدباء
و قادة الفكر و زعماء الإصلاح في الأقطار العربية ١٣
١٣٢– كلمة عن أدب التراجم و الحديث عن الكتب
١٣٣– كلمة تحية و ترحيب ٢٠
١٣٤– كيف توجّه المعارف في الأقطار الإسلامية ٢٠
١٣٥– كيف دخل العرب التاريخ ٣٨
١٣٦– كيف يستعيد العرب مكانتهم اللائقة بهم ٤٠
و كيف يحافظون عليها
١٣٧– كيف ينظر المسلمون إلى الحجاز و الجزيرة العربية ١٣٧
١٣٨– المأساة الأخيرة في العالم العربي و دراستها من الناحية
و الخلقية و المبدئية و الدعوية ، و تحليل أسبابها و ٢٠
انعكاساتها
١٣٩– المأساة الفلسطينية في بيروت ١٦
١٤٠– ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين ٢٦٤
١٤١– المجتمع الإسلامي المعاصر فضله و قيمته ، حاجته
و متطلباته ، و طريق الانتفاع به ٣٨
١٤٢– محاضرات في الفكر و الدعوة (١–٣) ١٩٧٦

www.abulhasanalinadwi.org

١٤٣– محمد رسول الله ﷺ الرسول الأعظم و صاحب المنة الكبرىٰ على العالم ، و مسئولية العالم المتمدن المنصف الأدبية و الخلقية نحوه ٥٢
١٤٤– مختارات من أدب العرب ١ – ٢ ٣٣٦
١٤٥– المدخل إلى دراسات الحديث ٩٢
١٤٦– المدخل إلى الدراسات القرآنية ١٨٠
١٤٧– المد و الجزر في تاريخ الإسلام ٩٥
١٤٨– مذكرات سائح في الشرق العربي ٤٠٤
١٤٩– المرتضى (سيرة علي بن أبي طالب رضي الله عنه) ٣٦٨
١٥٠– مستقبل الأمة العربية الإسلامية بعد حرب الخليج ٣٨
١٥١– المسلمون تجاه الحضارة الغربية ٨١
١٥٢– المسلمون في الهند ٢٧٠
١٥٣– المسلمون و دورهم ٥١
١٥٤– المسلمون و قضية فلسطين ١٩٥
١٥٥– مصادر العلوم الإسلامية ١٦
١٥٦– مصدر الفقه الكتاب و السنة
١٥٧– مطالبة القرآن الانقياد التام و الاستسلام الكامل ٣٣
١٥٨– مع الإسلام ٦٥
١٥٩– معقل الإنسانية
١٦٠– المعهد العالي للدعوة و الفكر الإسلامي ٧٦
١٦١– مقالات إسلامية في الفكر و الدعوة (١–٢) ١١٠٠
١٦٢– مقالات حول السيرة النبوية

www.abulhasanalinadwi.org

١٦٣- مقدمات ٣٢٠

١٦٤- مكانة المرأة في الإسلام

١٦٥- ملة إبراهيم و حضارة الإسلام يجب أن ندعو إليها على بصيرة و ثقة ٣٢

١٦٦- من أعلام المسلمين و مشاهيرهم

١٦٧- من الجاهلية إلى الإسلام ٥٠

١٦٨- من دون أحد ٢٤

١٦٩- من غار حراء ١٦

١٧٠- من النجوم إلى الأرض

١٧١- من نفحات القرن الأول ٢٨٣

١٧٢- من نهر كابل إلى نهر اليرموك

١٧٣- منهج أفضل في الإصلاح للدعاة و العلماء ٣٢

١٧٤- مواساة أم مساواة ٣٥

١٧٥- موقف العالم الإسلامي تجاه الحضارة الغربية ١٢٠

١٧٦- موقف المسلم إزاء أسلافه الجاهليين ٤٨

١٧٧- مولانا جلال الدين الرومي ٦٣

١٧٨- النبوة و الأنبياء في ضوء القرآن ٢٧١

١٧٩- النبوة هي الوسيلة الوحيدة للمعرفة الصحيحة و الهداية الكاملة ٢٧

١٨٠- النبي الخاتم ٩٢

١٨١- النبي الخاتم و الدين الكامل و ما لهما من أهمية في تاريخ الأديان و الملل ٤٥

www.abulhasanalinadwi.org

١٨٢- نحن الآن في المغرب ٣١

١٨٣- نحو تكوين مجتمع إسلامي جديد ٣٢

١٨٤- ندوة العلماء - تاريخها و رسالتها ٨

١٨٥- نصائح و توجيهات للشباب المسلم ٨٠

١٨٦- ندوة العلماء مدرسة فكرية شاملة ٨

١٨٧- نظامان إلهيان للغلبة و الانتصار ٣٩

١٨٨- نظام التربية و التعليم في الأقطار الإسلامية و أثره البعيد في اتجاهاتها و قياداتها ٤٧

١٨٩- نظرات في الأدب ١٢٣

١٩٠- نظرات في الأدب النبوي ١٢٨

١٩١- نظرات في الجامع الصحيح للإمام البخاري و ميزات أبوابه و تراجمه ٤٣

١٩٢- نظرات في الحديث ١٩٥

١٩٣- نظرة جديدة إلى التراث الأدبي العربي ١٨

١٩٤- نظرة مؤمن واع إلى المدنيات المعاصرة الزائفة ٣١

١٩٥- نفحات الإيمان بين صنعاء و عمان ١٠٩

١٩٦- هلال رمضان يتكلم

١٩٧- و أذن في الناس بالحج ١١٢

١٩٨- واقع العالم الإسلامي و ما هو الطريق السديد لمواجهته وإصلاحه ٥٤

١٩٩- وامعتصماه !!! ١٨

www.abulhasanalinadwi.org

نمبر شمار	اردو تصنیفات	صفحات
۱-	اللہ اکبر	۱۰
۲-	آئندہ نسلوں کے لئے اسلام کی ضمانت	۳۲
۳-	آج آپ سید احمد شہید کی دعوت کے امین بن رہے ہیں	۲۲
۴-	آخری نبی (ﷺ) آخری امت، آخری شریعت	۱۹
۵-	آخری نبی (ﷺ) کے دربار میں	۱۸
۶-	آدمیت سے بغاوت	۱۹
۷-	آزاد اسلامی ملک میں اہل بصیرت واصحاب غیرت کی ذمہ داری	۱۵
۸-	آنکھوں کی سوئیاں	۱۲
۹-	اپنے گھر سے بیت اللہ تک	۱۲۷
۱۰-	اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے	۲۱
۱۱-	ارکان اربعہ	۳۸۴
۱۲-	اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقا	۲۸
۱۳-	ارادۂ الٰہی اور اسباب مادی	۳۴
۱۴-	اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے	۲۴
۱۵-	اسلام کا تعارف	۱۷۰
۱۶-	اسلام کے تین بنیادی عقائد: توحید، رسالت، آخرت	۱۶۳
۱۷-	اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں	۳۶
۱۸-	اسلام میں عورت کا درجہ ومقام	۳۲۶
۱۹-	اسلام کے قلعے اور علماء ربانیین کی ذمہ داریاں	۷۰
۲۰-	اسلام کے معاشرتی وخاندانی نظام اور ملی تشخص کی حفاظت میں خواتین کا کردار	۱۲
۲۱-	اسلام ایک مکمل دین، مستقل تہذیب	۳۹

www.abulhasanalinadwi.org

۲۲- اسلام اور مغرب ۳۰

۲۳- اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین ۸۸

۲۴- اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر ۴۸

۲۵- اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار ۴۵

۲۶- اسلامی ملکوں میں نظام تعلیم کی اہمیت اور وہاں کی قیادت و فکری رجحانات میں اس کے دوررس اثرات ۲۴

۲۷- اسلام میں زکوۃ کی اہمیت ۱۰۳

۲۸- اسلامی تہذیب اور مثالی وحدت ۱۸

۲۹- اسماء حسنیٰ ۲۴

۳۰- انسان کامل اقبال کی نگاہ میں ۱۶

۳۱- انسانیت کے زوال کا سبب علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا ۱۳

۳۲- انسانی شرافت و عظمت ۱۲

۳۳- انسانی فضائل اور انسانی خدمات میں خواتین کا حصہ ۱۶

۳۴- اصلاح و استفادہ سے کوئی مستغنی نہیں ۴۲

۳۵- اصلاحیات ۱۷۶

۳۶- الإعلام بمن في الهند من الأعلام کا تعارف ۱۶

۳۷- اقوام عالم کے درمیان امت اسلامیہ کا حقیقی وزن ۲۹

۳۸- امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد ۲۴

۳۹- امت کی بقا اور عقیدۂ ختم نبوت ۲۶

۴۰- امت کے وفود آقا کے حضور میں ۳۲

۴۱- امت مسلمہ کا فرض منصبی اور اس کے انقلابی اثرات ۲۴

۴۲- امت مسلمہ کی دوہری ذمہ داریاں ۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

۴۳-	انسان کی تلاش	۱۵
۴۴-	انسانیت کی رہنمائی میں اسلام کا عظیم کردار	۲۴
۴۵-	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	۴۰۰
۴۶-	انسانیت کی صحیح گرہ کشائی	۱۰
۴۷-	انسانیت کے محسن اعظم	۳۲
۴۸-	انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی وتعمیری کردار	۷۸
۴۹-	انسانی شرافت وعظمت	۱۱
۵۰-	ایک اہم دینی دعوت	۷۲
۵۱-	ایک بہتر ہندوستانی سماج کی تشکیل میں اسلام کیا حصہ لے سکتا ہے؟	۴۴
۵۲-	ایک عزیز ترین دوست اور پُر زور خطیب و داعی اسلام ڈاکٹر سعید رمضان	۱۰
۵۳-	ایمان کا دعویٰ اور حقیقت ایمان	۱۹
۵۴-	بارگاہ نبوی میں	۱۸
۵۵-	بارہ دن ریاست میسور میں	۶۲
۵۶-	بچوں کے لئے سیرۃ النبی (ﷺ)	۲۰۸
۵۷-	بصائر	۵۶
۵۸-	پاجا سراغ زندگی	۲۰۰
۵۹-	پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	۱۰
۶۰-	پرانے چراغ (اول تا سوم)	۱۲۵۵
۶۱-	پندرہویں صدی ہجری - ایک تاریخی جائزہ	۶۲
۶۲-	پیام انسانیت	۸۸
۶۳-	تاریخ دعوت وعزیمت (جلد اول تا پنجم)	۲۰۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

۶۴- تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کا کردار ۲۴
۶۵- تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول ۱۶
۶۶- تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب ۱۵۲
۶۷- تبلیغی تقاریر ۱۳۴
۶۸- تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ ۲۴
۶۹- تحریک پیام انسانیت ۲۱
۷۰- تحفظ شریعت کے لئے مسلمانوں کا اتحاد ۲۰
۷۱- تحفۂ انسانیت ۲۳۲
۷۲- تحفۂ بھٹکل ۱۰۴
۷۳- تحفۂ پاکستان ۸۷
۷۴- تحفۂ دکن ۸۴
۷۵- تحفۂ دین ودانش ۱۱۰
۷۶- تحفۂ کشمیر ۱۰۴
۷۷- تحفۂ مشرق ۶۸
۷۸- تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ ۶۸
۷۹- تذکرہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۰
۸۰- تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۲
۸۱- تذکرہ مولانا ڈاکٹر عبدالعلی ۱۲۱
۸۲- تذکرہ مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ۳۲۸
۸۳- ترکی کی مجاہد ملت اسلامی ۳۰
۸۴- تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک ۱۷۴
۸۵- تعلیم ودعاء ۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

۸۶-	تکبیر مسلسل (مجموعہ خطبات وتقاریر دینی تعلیمی کونسل)	۷۸۴
۸۷-	تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات	۱۴۴
۸۸-	جاہلیت کسی عہد کا نام نہیں	۱۵
۸۹-	جب ایمان کی باد بہاری چلی	۲۷۱
۹۰-	جب پڑھے لکھے آدمی پر ہسٹریا کا دورہ پڑتا ہے	۲۴
۹۱-	جزیرۃ العرب اور عالم انسانیت: ایک مکالمہ، ایک پیام	۲۰
۹۲-	جنرل محمد ضیاء الحق شہید	۱۸
۹۳-	جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مت جھکو	۲۲
۹۴-	جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا	۱۰
۹۵-	جہاد افغانستان کا تاریخی پس منظر	۱۸
۹۶-	جہاد زندگی اور انبیاء علیہم السلام کا راستہ	۲۴
۹۷-	جہد مسلسل (مجموعہ خطبات وتقاریر مسلم پرسنل لا بورڈ)	۴۱۱
۹۸-	حالات کا نیا رخ	۱۶
۹۹-	حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب امیدوں اور اندیشوں کے درمیان	۱۱۱
۱۰۰-	حج کے چند مشاہدات واحساسات	۵۶
۱۰۱-	حدیث پاکستان (دعوت فکر وعمل)	۱۸۵
۱۰۲-	حرمین شریفین کے بیرونی مقیمین کی ذمہ داریاں وحقوق	۳۱
۱۰۳-	حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی کامل پیروی	۱۲
۱۰۴-	حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے حفاظت دین اور قیادت مسلمین کے آثار ومراکز	۲۱
۱۰۵-	حقیقت اسلام اور صورت اسلام	۱۰
۱۰۶-	حکومت کی تبدیلی سے سبق اور آئندہ کے لئے صحیح طریقۂ کار	۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

۱۰۷- حیات مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ۴۳۰

۱۰۸- خاتم الانبیاء (ﷺ) کی تشریف آوری دنیا کے لئے رحمت ۱۰

۱۰۹- خدمت دین وعلم کے دائمی اورابدی امکانات ۱۶

۱۱۰- خطبۂ صدارت راجستھان دینی تعلیمی کانفرنس، ٹونک ۱۹۶۱ء ۱۶

۱۱۱- خطبۂ افتتاحیہ ۱۹واں آل انڈیا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنونشن ۱۹۷۳ء ۱۹

۱۱۲- خطبۂ افتتاحیہ آل انڈیا مسلم پولیٹکل کنونشن (دہلی) ۸

۱۱۳- خطبۂ استقبالیہ اجلاس تعلیمی ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۱۹۷۵ء) ۱۹

۱۱۴- خطبۂ صدارت ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس، لکھنؤ (۱۹۷۵ء) ۲۳

۱۱۵- خطبۂ صدارت پیام انسانیت، لکھنؤ (۱۹۸۰ء) ۲۳

۱۱۶- خطبۂ صدارت صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس، بہرائچ (۱۹۸۲ء) ۱۲

۱۱۷- خطبۂ صدارت علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس، بستی (۱۹۸۳ء) ۱۳

۱۱۸- خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم مسلم پرسنل لابورڈ، کلکتہ (۱۹۸۵ء)

۱۱۹- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، اجلاس بمبئی (۱۹۸۶ء) ۳۱

۱۲۰- خطبۂ صدارت صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس، بنارس (۱۹۸۶ء) ۲۰

۱۲۱- خطبۂ صدارت مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۳۸

۱۲۲- خطبۂ استقبالیہ دینی تعلیمی کنونشن لکھنؤ (۱۹۸۹ء) ۱۶

۱۲۳- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، اجلاس کانپور (۱۹۸۹ء) ۳۸

۱۲۴- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، اجلاس دہلی (۱۹۹۱ء) ۲۴

۱۲۵- خطبۂ صدارت دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش لکھنؤ، اجلاس ۱۹۹۲ء ۱۶

۱۲۶- خطبۂ افتتاحیہ اتحاد ملت کانفرنس، حیدرآباد (۱۹۹۲ء) ۱۸

۱۲۷- خطبۂ صدارت علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس، مرادآباد (۱۹۹۲ء) ۱۶

۱۲۸- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، اجلاس جیپور (۱۹۹۳ء) ۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

۱۲۹- خطبۂ صدارت دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش، نجیب آباد (۱۹۹۴ء) ۲۰
۱۳۰- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اجلاس احمد آباد (۱۹۹۵ء) ۲۸
۱۳۱- خطبۂ صدارت ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس، مراد آباد (۱۹۹۶ء) ۲۰
۱۳۲- خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اجلاس بمبئی (۱۹۹۹ء) ۱۴
۱۳۳- خطبۂ صدارت انسٹی ٹیوٹ آف انڈسٹری ٹکنالوجی ۱۶
۱۳۴- خطرۂ ارتداد اور اس کا حل ۳۲
۱۳۵- خلفائے اربعہ ۴۷
۱۳۶- خلفائے راشدین ۲۵
۱۳۷- خواتین اور دین کی خدمت ۸۸
۱۳۹- دارارقم کا احسان انسانی دنیا پر ۲۴
۱۴۰- دارالعلوم ندوۃ العلماء ۳۲
۱۴۱- دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ۳۰۴
۱۴۲- دستور حیات ۲۴۰
۱۴۳- دعائیں ۱۴۸
۱۴۴- دعائے خیر البشر
۱۴۵- دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے ۱۳
۱۴۶- دعوت ایمان اور پیام انسانیت ۱۷
۱۴۷- دنیا میں آنے والے انسان: چمن کے کانٹے یا پھول ۳۱
۱۴۸- دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں ۲۹
۱۴۹- دو روزے ۲۰
۱۵۰- دو ہفتے ترکی میں ۱۱۵
۱۵۱- دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں ۱۲۰

www.abulhasanalinadwi.org

۱۵۲-	دین حق اور علماء ربانی شرک و بدعت کے خلاف کیوں؟	۵۶
۱۵۳-	دین حق اور دعوت اسلام	۲۴
۱۵۴-	دینی عربی مدارس کا تعلیمی، تربیتی اور وطنی کردار	۲۰
۱۵۵-	دیار غیر میں رہنے والے مسلمانوں سے خطاب	۱۶
۱۵۶-	دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں	۱۱۱
۱۵۷-	دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات	۵۰
۱۵۸-	دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کرکے آتی تھی	۱۸
۱۵۹-	دین اور علم کا دائمی رشتہ	۱۳
۱۶۰-	دین اور علم کی خدمت اور ایمانی تقاضے کی اہمیت	۴۸
۱۶۱-	ذکر خیر (مرحومہ والدہ محترمہ کی سوانح حیات)	۱۴۰
۱۶۲-	ذہنی و اعتقادی ارتداد: ایک اہم مسئلہ	۲۶
۱۶۳-	رمضان المبارک کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام	۳۲
۱۶۴-	رمضان اور اس کے تقاضے	۵۶
۱۶۵-	رمضان المبارک مومن صادق کے لئے حیات نو	۲۲
۱۶۶-	روزہ کا حکم	۱۴
۱۶۷-	روشنی کا مینار	۱۲
۱۶۸-	زبان و ادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت	۱۸
۱۶۹-	زکوۃ کا صحیح مصرف	۱۶
۱۷۰-	زمانہ کا حقیقی خلا	۲۲
۱۷۱-	زندگی کے کرشمے	۸
۱۷۲-	زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو	۲۴
۱۷۳-	سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کی بے صبری اور بے اعتمادی	۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

۱۷۴-	سپاس نامہ و پیغام	۱۱
۱۷۵-	سوانح محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۲
۱۷۶-	سوانح حیات حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۲
۱۷۷-	سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۲۰
۱۷۸-	سیرت رسول اکرم (ﷺ)	۳۶۳
۱۷۹-	سیرت محمدی (ﷺ) دعاؤں کے آئینہ میں	۴۸
۱۸۰-	سیرت نبوی اور عصر حاضر میں اس کی معنویت وافادیت	۲۴
۱۸۱-	سیرت نبوی کے مطالعہ کی دعوت	۲۸
۱۸۲-	سیرت کا پیغام موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام	۹
۱۸۳-	سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (جلد اول-دوم)	۱۱۷۶
۱۸۴-	سیرت وکردار کی تبدیلی کی ضرورت	۱۸
۱۸۵-	شرعی عائلی قوانین پر عمل کے بارے میں مسلمانوں کا غیر جانبدارانہ احتساب اور دعوت فکر وعمل	۲۴
۱۸۶-	شریعت اسلامی مسلمانوں کے لئے دستور حیات	۲۲
۱۸۷-	شرق اوسط کی ڈائری (۱۹۵۱ء کا سفرنامہ)	۵۱۴
۱۸۸-	شرق اوسط میں کیا دیکھا؟	۹۴
۱۸۹-	شفاخانہ رحمت کا مظاہرہ	۲۰
۱۹۰-	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۲۵
۱۹۱-	صحبتے با اہل دل	۳۷۶
۱۹۲-	صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی	۱۲
۱۹۳-	صنعتی اور سائنسی علوم کی تعلیمی افادیت واہمیت	۱۴
۱۹۴-	صورت وحقیقت	۲۰

www.abulhasanalinadwi.org

۱۹۵-	طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں	۴۸
۱۹۶-	طاقت کا اصل مرکز نصرت ایمانی	۲۴
۱۹۷-	عالم عربی کا المیہ	۲۰۰
۱۹۸-	عالم عربی کا تازہ المیہ	۸
۱۹۹-	عالم عربی کے لئے سب سے بڑا خطرہ	۳۲
۲۰۰-	عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ	۱۴
۲۰۱-	عالم عربی اہل مغرب کی آماجگاہ	۱۶
۲۰۲-	عرب قوم پرستی اسلامی نقطۂ نظر سے خطرناک کیوں؟	۴۸
۲۰۳-	عصر جدید کا چیلنج	۳۷
۲۰۴-	عصر حاضر کا جدید چیلنج اوراہم مدارس کی ذمہ داریاں	۱۵
۲۰۵-	عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح	۱۲۸
۲۰۶-	علماء ربانی،ان کا منصب اوران کے کام کی نوعیت	۳۴
۲۰۷-	علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری	۱۶
۲۰۸-	علم واسم کے رابطہ کی ضرورت وافادیت اورمیری چند محسن کتابیں	۱۵
۲۰۹-	علم کا مقام اوراہل علم کی ذمہ داریاں	۱۶
۲۱۰-	علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے	۸
۲۱۱-	علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ	۲۲
۲۱۲-	عورت اقبال کے کلام میں	۱۷
۲۱۳-	عورتوں کی تعلیم وتربیت اوران کی ذمہ داریاں	۴۷
۲۱۴-	عیدالفطر کا پیغام	۱۲
۲۱۵-	غارحرا سے طلوع ہونے والا آفتاب	۱۷
۲۱۶-	غلطی کو غلطی نہ تسلیم کرنا خطرناک ہے	۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

۲۱۷-	فسادات اور ہندوستانی مسلمان	۱۶
۲۱۸-	قادیانیت اسلام اور نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت	۴۸
۲۱۹-	قادیانیت: تحلیل وتجزیہ	۱۹۲
۲۲۰-	قادیانیت کا ظہور، اس کا دعوی اور دعوت، اور اس کے مؤید وسرپرست	۲۹
۲۲۱-	قرآن کا مطالبہ	۳۱
۲۲۲-	قرآن مجید کے ساتھ عشق وشغف کی داستانیں	۱۳
۲۲۳-	قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ	۱۲
۲۲۴-	قرآنی افادات	۵۶۸
۲۲۵-	قرآن کریم نے عورتوں کو کیا مرتبہ دیا	۲۵
۲۲۶-	قصہ دو باغ والے کا	۱۸
۲۲۷-	قصص الانبیاء (۱-۴)	۲۲۵
۲۲۸-	قیمتی نصائح	۱۱
۲۲۹-	کاروان ایمان وعزیمت	۱۷۵
۲۳۰-	کاروان زندگی جلد اول تا ہفتم	۳۱۶۰
۲۳۱-	کاروان مدینہ	۱۹۲
۲۳۲-	کسی ملک ومعاشرہ کے لئے سب سے خطرناک بات	۱۵
۲۳۳-	کلمۂ حق	۱۰
۲۳۴-	کل مسلمان اور مکمل اسلام	۳۱
۲۳۵-	لسانی وتہذیبی جاہلیت کا المیہ	۳۲
۲۳۶-	مالیات کا اسلامی نظام	۶۷
۲۳۷-	مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	۱۱
۲۳۸-	محبت فاتح عالم	۸

۲۳۹-	محسن عالم	۴۶
۲۴۰-	مدارس ومکاتب کا قیام سب سے ضروری چیز	۱۶
۲۴۱-	مدارس ومکاتب سانس کا حکم رکھتے ہیں	۱۳
۲۴۲-	مدرسہ کیا ہے؟	۲۸
۲۴۳-	مذہب وتمدن	۱۱۲
۲۴۴-	مسلمانوں پر ایک نظر اور قلب پر تین اثر	۱۴
۲۴۵-	المعہد العالی للدعوہ والفکر الاسلامی، ضرورت، تخیل اور نظام ونصاب	۴۸
۲۴۶-	مذہب یا تہذیب	۱۶
۲۴۷-	المرتضیٰ	۴۶۴
۲۴۸-	مرد خدا کا یقین	۳۱
۲۴۹-	مسلمانانِ ہند سے صاف صاف باتیں	۵۶
۲۵۰-	مسلمانانِ ہند کے لئے صحیح راہ عمل	۹۲
۲۵۱-	مسلمانانِ بنگال سے صاف صاف باتیں	۳۲
۲۵۲-	مسلمان غیر اسلامی ماحول میں	۱۰
۲۵۳-	مسلمانوں کے مسائل وجذبات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے	۴۶
۲۵۴-	مسلم پرسنل لا بورڈ: خدمات وسرگرمیاں	۳۰
۲۵۵-	مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت	۲۴
۲۵۶-	مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش	۳۴۲
۲۵۷-	مسلم مشاورتی اجتماع کا خیر مقدم	۱۶
۲۵۸-	مسلمان کی شانِ امتیازی	۳۲
۲۵۹-	مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی	۱۹۶
۲۶۰-	مطالعۂ حدیث کے اصول ومبادی	۸۵

www.abulhasanalinadwi.org

۲۶۱-	معرکۂ ایمان و مادیت	۱۳۲
۲۶۲-	مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں	۱۸۷
۲۶۳-	مغربی میڈیا کا چیلنج اور اہل علم کی ذمہ داریاں	۱۶
۲۶۴-	مقام انسانیت	۸۰
۲۶۵-	مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۴
۲۶۶-	مکاتیب یورپ	۶۴
۲۶۷-	ملت کا تحفظ، تحریک نفاذ شریعت اور غلبۂ اسلام	۲۳
۲۶۸-	ملت اسلامیہ کا مقام و پیغام	۲۶۱
۲۶۹-	ملت کے نوجوان اور ان کی ذمہ داریاں	۲۴
۲۷۰-	ملت اسلامیہ ہند کا تاریخی کردار	۲۹
۲۷۱-	ملت و معاشرہ کا سب سے خطرناک مرض ظلم وسفا کی	۳۲
۲۷۲-	ملک کا حقیقی مسئلہ اور اس کے لئے اصلی خطرہ	۳۵
۲۷۳-	ملک کا خطرناک رخ اور دانشور طبقہ کی ذمہ داری	۳۰
۲۷۴-	ملک کا معاشرہ انتہائی خطرناک موڑ پر ہے	۳۲
۲۷۵-	ملک کی آزادی کا صحیح مطلب اور فائدہ	۱۶
۲۷۶-	ملک کی نازک صورت حال اور ایک محبّ وطن کی ذمہ داریاں	۲۲
۲۷۷-	ملک و ملت دونوں خطرے میں	۱۸
۲۷۸-	ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں	۱۶
۲۷۹-	مناقب اور مدح صحابہ کے جلسوں کا پیغام	۳۱
۲۸۰-	منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین	۲۸۶
۲۸۱-	موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہ عمل	۱۶
۲۸۲-	موجودہ عالم اسلام کے لئے فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدان عمل	۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

٢٨٣-	مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت	٣٢٨
٢٨٤-	مولانا سید طلحہ صاحب ایم.اے.	٣٤
٢٨٥-	مولانا محمد اختر صاحب	١٢
٢٨٦-	میری علمی ومطالعاتی زندگی	٥٤
٢٨٧-	نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	١٣٩
٢٨٨-	نبوت کا اصلی کارنامہ	٢٤
٢٨٩-	نبی خاتم اور دین کامل	٤٥
٢٩٠-	نبی رحمت (ﷺ)	٧١٠
٢٩١-	ندوۃ العلماء ایک دبستان تحریک، ایک رہنما تعلیمی تحریک	٥٢
٢٩٢-	نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجئے	٢١
٢٩٣-	نشان راہ	٣١
٢٩٤-	نشان منزل	١٠
٢٩٥-	نقوش اقبال	٣٢٥
٢٩٦-	نیا طوفان اور اس کا مقابلہ	٤٠
٢٩٧-	نیپال میں طلبۂ علوم دینیہ اور عامۃ المسلمین سے خطاب	٢٤
٢٩٨-	ہدایت وتبلیغ کی اہمیت (برما کی تقریر)	٥٠
٢٩٩-	ہندوستانی سماج کی جلد خبر لیجئے	٢٤
٣٠٠-	ہندوستانی مسلمان: ایک تاریخی جائزہ	٢٤٠
٣٠١-	ہندوستانی مسلمان: ایک نظر میں	١٢٨
٣٠٢-	یہ اخلاقی گراوٹ کیوں؟	٢٠
٣٠٣-	یورپ، امریکہ اور اسرائیل	٣٢
٣٠٤-	یقیں مرد مسلماں کا	٣٢

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کی شخصیت کے تعارف میں دیگر اہل قلم کی تصنیفات

مولانا کی حیات ہی میں مولانا کے مختلف امتیازی پہلوؤں پر متعدد مصنفین و مفکرین نے کچھ مقالے اور کتابیں تیار کی تھیں، ان میں قابل ذکر بلاد عربیہ کے ممتاز ترین اسلامی مفکر اور مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے قلم سے مولانا کی دینی و فکری خصوصیات و امتیازات پر ایک مفصل تحقیقی مقالہ تھا جو "الشيخ أبو الحسن الندوي كما عرفته" کے عنوان سے دار القلم دمشق سے شائع ہوا۔

اور باقاعدہ تصنیفی سطح پر مولانا ممشاد علی قاسمی کے قلم سے "مولانا ابوالحسن علی ندوی اکابر و مشاہیر امت کی نظر میں" کے عنوان پر، اور "میر کارواں" کے عنوان سے مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے، اور "الأستاذ أبو الحسن الندوي كاتباً و مفكراً" کے عنوان سے مولانا نذر الحفیظ ندوی کے قلم سے سامنے آئی تھی، اور "نفحات الهند و اليمن بأسانيد الشيخ أبي الحسن" مولانا محمد اکرم ندوی کے قلم سے آئی تھی۔

اور مولانا کی وفات کے بعد بھی مولانا کی فکر اور ان کی علمی و ادبی خصوصیات نیز

www.abulhasanalinadwi.org

دعوتی و تصنیفی کاموں کی اہمیت اور افادیت کو عالم اسلام و بلاد عربیہ کے مختلف دانشوروں اور مصنفوں نے اہمیت دی، اور قدر ظاہر کی۔ چنانچہ مولانا کے مختلف فکری اور دعوتی پہلوؤں پر باقاعدہ تحقیقی مقالے اور کتابیں تصنیف کیں، اور مولانا کے دعوتی و فکری خیالات کو واضح کیا، مثال کے طور پر جامعة الإمام محمد بن سعود سے عبداللہ بن صالح الوشمی نے مولانا کے ادب اسلامی اور تنقید کے موضوع پر مولانا کی خصوصیات اور امتیازات کو موضوع بنایا، جو ان کے ایم۔اے۔کے مقالہ کے طور پر شائع ہوا۔ اسی طرح ڈاکٹر محی الدین ابو صالح نے مولانا کے تعلیمی نظریات پر ایک تحقیقی مقالہ مرتب کیا، جو کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔

اسی موضوع پر محمد عبدالسلام العجمی نے تحقیقی مقالہ تیار کیا جو ریاض سے شائع ہوا۔

اور ترکی عبد المجید السلمانی نے مولانا کے ان نظریات کا جائزہ اور تعارف کو موضوع بنایا، جو مولانا نے سیاست حاضرہ اور اس کے موجودہ طریقۂ کار کے سلسلہ میں اپنے مقالات اور تصنیفات میں ظاہر کیا تھا، یہ کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔

رفعت صاحبہ نے برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال سے "مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی حیات اور خدمات" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا۔

بنگلہ دیش کے ایک طالب علم لطف الرحمٰن بنگلہ دیشی نے قاہرہ یونیورسٹی سے "الشيخ أبو الحسن و جهوده في تجديد الفكر الإسلامي" کے موضوع پر Ph.D. کا مقالہ تیار کیا جو شائع ہوا۔

ہندوستان کے مشہور عالم و مصنف مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی نے مولانا کے نظریات و خیالات پر ایک تصنیف "نقوش و آثار مفکر اسلام" کے نام سے تصنیف کی اور شائع کی۔ اور انگریزی میں مولانا کو کئی عالمی اداروں کی طرف سے "ممتاز شخصیت" کا انعام بھی ملا تھا، اور سری نگر کشمیر یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی

ڈگری بھی ملی تھی۔

پھر مولانا کی وفات کے بعد جگہ جگہ ان کی شخصیت پر سیمینار منعقد کیے گئے، جن میں خاص طور پر قابل ذکر مرکز اسلامی آکسفورڈ اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے پاکستانی مرکز لاہور کے سیمینار ہیں، دہلی یونیورسٹی دہلی کے شعبۂ ادب عربی نے مولانا کی مختلف تصنیفات کی خصوصیات پر، اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے مرکز استنبول ترکی میں مولانا کی خصوصیات اور فکری امتیازات پر سیمینار منعقد ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ عربی نے اور شعبۂ دینیات نے الگ الگ سیمینار منعقد کیے۔ جامعہ سید احمد شہید کٹولی لکھنؤ اور جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد میں بھی سیمینار منعقد ہوئے۔

ان سب سیمیناروں کے مقالات کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اور تا حال مولانا کی شخصیت کے امتیاز اور ان کی خصوصیات پر مختلف جگہوں پر کام انجام دیا جا رہا ہے۔

مولانا کے حالات پر دہلی کے ڈاکٹر نفیس حسن صاحب کی کتاب ''سرگزشت'' بھی شائع ہوئی، اور مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کی ''سوانح مفکر اسلام''۔

محمد حسن انصاری صاحب کی کتاب ''حیات، کارنامے اور ملفوظات'' ڈاکٹر عباد الرحمٰن صاحب نشاط کی کتاب ''نقوش حیات''۔

مولانا محمد اکرم صاحب ندوی (آکسفورڈ) کی وقیع اور مفصل کتاب عربی میں شائع ہوئی۔

مولانا محمد اجتباء ندوی صاحب کی کتاب "الشيخ أبو الحسن علي الحسني الندوي الداعية الحكيم و العربي الجليل" بھی شائع ہوئی۔

دار ابن کثیر دمشق نے بھی ایک مفصل کتاب شائع کی۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی کتاب "المسحة الأدبية في كتابات

الشيخ أبي الحسن الندوي "رابطۂ ادب اسلامی لکھنؤ سے منظر عام پر آئی۔

اور اسی طرح مولوی سید عبدالماجد غوری کی کتاب " الشيخ أبو الحسن علي الحسني الندوي الإمام المفكر و الداعية الأديب "دار ابن کثیر دمشق سے شائع ہوئی۔

بنگلہ دیش سے بنگلہ زبان میں مولانا سلمان قاسمی صاحب نے ایک کتاب شائع کی۔

ایران میں بھی فارسی زبان میں مولانا کی شخصیت پر تحقیقی کام کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کے ممتاز علمی و تحقیقی مرکز ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد سے ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کی مرتب کردہ کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی: حیات و افکار کے چند پہلو" کے نام سے سامنے آئی۔

دار الکتاب دیوبند نے بھی ایک کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی حیات اور کارنامے" مرتبہ مولوی محمد اسجد ندوی شائع کی۔

مجلس نشریات اسلام کراچی نے مولانا فضل ربی کی مرتب کردہ کتاب "نذرانۂ عقیدت" شائع کی۔ ان ہی کی مرتب کردہ "مولانا ابوالحسن علی ندوی کے خطوط" نامی کتاب بھی منظر عام پر آئی، اسی طرح مولانا عبدالکریم پاریکھ نے "مولانا علی میاں کے خطوط" کے نام سے مولانا کے خطوط شائع کیے۔

ان کے علاوہ مولانا کی شخصیت کے کسی خاص پہلو کو موضوع بنا کر بھی کام کیا گیا، مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کی کتاب "مولانا علی میاں اور علم حدیث" مجلس تحقیقات و نشریات اسلام سے، اور بمبئی کے ایک ادارہ سے جناب شمیم طارق صاحب کی کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی اور تصوف" شائع ہوئی۔

دوسری طرف مختلف اسلامی اور ادبی رسالوں اور ہفتہ واری اخبار کے خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے، جن میں دہلی سے نکلنے والا کثیر الاشاعت ہفت روزہ اخبار "نئی دنیا" کو

سبقت حاصل رہی، جو مولانا کی وفات کے پندرہویں دن منظر عام پر آگیا تھا، یہ خصوصی نمبر عربی، اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی سامنے آئے، جن میں سہ ماہی، ششماہی، اور پندرہ روزہ رسالے اور مجلے ہیں، جن میں سے ہر ایک کا تذکرہ یہاں کیا جانا مشکل ہے، ان میں ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلنے والے رسائل و جرائد عربی میں پندرہ روزہ جریدہ "الرائد"، ماہنامہ مجلّہ "البعث الاسلامی" اور اردو میں پندرہ روزہ "تعمیر حیات" سہ ماہی "کاروان ادب"، انگریزی میں سہ ماہی "دی فریگرنس آف ایسٹ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے "الداعی" کی خصوصی اشاعت مولانا پر شائع ہوئی، اسی طرح دارالعلوم حیدر آباد سے "الصحوۃ الاسلامیہ" کی خصوصی اشاعت سامنے آئی اور احمد آباد گجرات نے "صوت القرآن" کلکتہ سے "لاریب" کی خصوصی اشاعت اور اعظم گڑھ سے "الشارق" کا مولانا علی میاں نمبر سامنے آیا۔ دارالعلوم الاسلامیہ بستی سے "فکر اسلامی" کا مفکر اسلام نمبر، اور لکھنؤ سے "الفرقان" کی خصوصی اشاعت سامنے آئی، اور اسی طرح لکھنؤ ہی سے "بانگ درا" نے مولانا پر خاص نمبر شائع کیا، جامعۃ الہدایہ جے پور نے مولانا سے متعلق تحقیقی مقالات کا مجموعہ شائع کیا، جبکہ "الرشید" ملتان (پاکستان) اور "الحق" اکوڑہ خٹک (پاکستان) نے مولانا سے متعلق خصوصی اشاعتیں شائع کیں۔ اردو بک ریویو نئی دہلی نے کئی قسطوں میں ایک تحقیقی مضمون شائع کیا ہے، جس میں مولانا سے متعلق ان کاموں کا ذکر کیا گیا، جو مولانا سے متعلق کیے گئے اور ان مضامین کی فہرست دی گئی ہے جو مولانا سے متعلق لکھے گئے۔

مولانا سے متعلق جو کام سامنے آئے ہیں، ان میں ایک اہم کام مولانا سعید مرتضیٰ ندوی (مقیم ریاض) صاحب کا ہے جنھوں نے مولانا سے متعلق ایک ویب سائٹ تیار کرائی ہے، جو بہت اہم اور وقیع ہے، اس ویب سائٹ پر جو کہ خوبصورت اور مزین ہے، مولانا سے متعلق مکمل معلومات موجود ہیں مولانا کی بعض اہم شاہکار تقاریر بھی

موجود ہیں، آج کے دور میں اس ویب سائٹ سے مولانا کے کام اور پیغام کے تعارف کرانے میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ مولانا کے کام ومقام کو دین وملت کے فروغ کے مقصد میں کس قدر مفید اور اہم قرار دیا گیا، اور اس سلسلہ میں مولانا کی جدوجہد کو کتنا سراہا گیا کہ اس وقت ان کی وفات کو چھ سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے کام کے تعارف اور ان کی قدر دانی کا سلسلہ برابر قائم ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کے بہتر سے بہتر نتائج سامنے لائے، اور یہ سب کوششیں دین اسلام اور مسلمانوں کی تقویت ونصرت کا باعث بنے اور لوگوں کو رجوع الی اللہ اور دین اسلام سے صحیح وابستگی کی توفیق ہو۔ و اللہ ولي التوفيق و هو يهدي السبيل .

اشاریہ

(انڈیکس)

www.abulhasanalinadwi.org

شخصیات

(الف)

(حضرت سید) احمد شہیدؒ-۱۰، ۲۵، ۳۱، ۳۶، ۶۰، ۱۰۹، ۲۳۷

اندرا گاندھی (سابق وزیر اعظم)-۲۰۳

اٹل بہاری واجپئی (سابق وزیر اعظم)-۱۲۷، ۲۰۴، ۲۹۵

(مولانا) اسحاق جلیس-۱۸۳، ۲۰۶، ۲۴۷، ۲۹۲

(پروفیسر) انیس چشتی-۲۰۶،

(ڈاکٹر) اشتیاق حسین قریشیؒ-۸۷، ۱۸۳، ۲۱۲، ۲۱۳_۲۲۴، ۲۴۷، ۲۷۴

(مولانا) ابو اللیث اصلاحی ندویؒ-۶۷، ۲۳۵

(مولانا) ابوالاعلیٰ مودودیؒ-۳۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۷، ۲۳۷

(مولانا) ابوالعرفان خاں ندویؒ-۲۴۶، ۲۹۶

(استاد، ادیب) احمد عبدالغفور عطار-۲۶۰، ۲۶۲

(سید) احمد فیض آبادی-۲۶۳

(مفتی) امین الحسینی فلسطین-۲۶۵

(شیخ) امین سراج ترکی-۲۶۵

(شیخ) احمد الحارون العسل الحجار-۹۷، ۲۶۵

احمد بائیلو (حکمراں نائجیریا)-۲۷۱

(مولانا) ابراہیم احمد (مظاہری)-۲۸

احمد فہمی زمزم-۲۹۰

(حضرت مولانا) احمد علی لاہوری-۲۴، ۳۷، ۶۲، ۹۲، ۱۰۹، ۲۹۱

(مولانا) ابوسحبان روح القدس-۳۵۸

امۃ العزیز-۱۸

امۃ اللہ تسنیم-۱۸

(مولانا) ابوالخیر-۳۶

اقبال (شاعر اسلام)-۳۷

(ڈاکٹر) احمد عبدالحئی-۴۱

ابن جوزی-۱۱۲، ۱۳۷

ابن تیمیہ-۱۱۲، ۱۳۷

ابن قیم-۱۱۲

(مولانا) انعام الحسن کاندھلوی-۱۲۰

ابن خلدون-۱۳۷

(ب، ت، ث)

(مولانا) بلال عبدالحئی حسنی-۶، ۱۹، ۳۵۷

(شیخ) تقی الدین ہلالی (مراکشی)-۳۶، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۱۷۰، ۲۳۵

(مولانا) تقی الدین ندوی-۴۶

(ج، ح، خ)

(قاری) حبیب احمد-۲۰

(مولانا شاہ) حلیم عطا سلونی-۲۴۵

(شیخ) حسن المشاط-۲۵۳

(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی-۲۴، ۳۶، ۶۲، ۶۹، ۲۶۴

(شیخ) حسن البنا-۲۶۳، ۲۷۲، ۲۷۴

www.abulhasanalinadwi.org

(مولانا) حیدر حسن خاں (ٹونکی)-۳۶، ۶۸
(ڈاکٹر) حامد عبدالحیٔ-۴۹
حسن بصری-۱۱۱
(شاہ) حسین اردن-۱۳۵
(مولانا) حبیب الرحمٰن خاں شیروانی-۱۵۲
(سید) خلیل الدین احمد-۱۷
(شیخ) خلیل عرب-۳۵، ۶۴
(شاہ) خالد (مملکتِ سعودیہ)-۱۳۰

(د، ذ، ر، ز)

دیوگوڑا (سابق وزیر اعظم)-۱۲۷
(مولانا) رشید احمد گنگوہی-۱۵۲
(سید) رشید احمد حسنی-۱۷
(شیخ) رشید رضا مصری-۶۷
رحمت اللہ کیرانوی-۲۶۳
(پرنسپل) ریاض الدین-۲۱۲
(مولانا سید) رضوان علی ندوی-۲۵۷
راجیو گاندھی (سابق وزیر اعظم)-۴۸، ۲۰۳، ۲۲۷
(ڈاکٹر) زکریا بڑی-۴۴
(شیخ) زائد-۴۷

(س، ش)

سعید رمضان-۴۱، ۱۳۳، ۲۷۰، ۲۷۴
سردار فاروق احمد خاں (صدر پاکستان)-۵۲، ۲۹۴
(مولانا) سلمان حسینی ندوی-۵۲، ۲۹۶، ۲۹۷
(مولانا) سلمان قاسمی-۳۵۸
(ڈاکٹر) سفیر اختر-۳۵۸
(مولانا) سعید مرتضیٰ ندوی-۳۵۹
(شیخ) سلطان بن محمد القاسمی-۴۴
سعود بن عبدالعزیز-۱۳۰، ۱۳۸، ۲۷۱
(علامہ سید) سلیمان ندوی- ۶۸، ۱۸۹، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۹۳
(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی-۲۱۳، ۲۴۷
(مولانا) سعید احمد خاں-۲۵۵
(شیخ) سعید العامودی-۲۶۱
سمپورنند (سابق وزیر اعلیٰ، یوپی)-۲۱۷
(شیخ) شامل-۲۶۵
شمیم طارق-۳۵۸
شکیب ارسلان-۶۷
(مولانا) شبلی نعمانی-۱۵۱

(ص، ض، ط، ظ)

صدام حسین (سابق صدر عراق)-۱۵۷
ضیاء الحق (سابق صدر پاکستان)-۲۵، ۴۵، ۱۲۵، ۲۹۳
(سید) ضیاء النبی حسنی-۱۷، ۵۷، ۶۰، ۹۲
(وکیل) ظفر احمد صدیقی-۲۱۲

(ع، غ)

(مولانا) عبداللہ عباس ندویؒ-۶، ۷، ۱۴، ۲۰، ۸۸، ۲۴۶، ۲۵۷، ۳۵۵
(مولانا حکیم سید) عبدالحیٔ حسنیؒ-۱۰، ۱۷، ۱۵۱، ۱۵۴، ۲۰۱

www.abulhasanalinadwi.org

(مولانا ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنیؒ-۱۰، ۱۷، ۲۴، ۳۵،
۴۱، ۱۱۸، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۹، ۲۵۲، ۲۸۷

(مولانا) عبدالکریم پاریکھ-۴۸، ۸۸، ۲۰۶، ۲۳۰،
۲۹۶، ۳۵۸

(قاضی) عبدالحمید اندوری-۵۸، ۲۰۶

(مفتی) عتیق الرحمن عثمانی-۲۲۴

(مولانا) عبدالسلام قدوائی ندوی-۱۶۱، ۲۳۶، ۲۴۵، ۲۴۶

(شیخ) عبدالرزاق حمزہ-۲۵۳، ۲۵۴

(شیخ) علوی مالکی-۲۵۳

(مولانا) عبیداللہ بلیاوی-۲۵

(مولانا) عبدالرشید اعظمی ندوی-۲۵۵، ۲۵۶،

(حضرت مولانا) عبدالقادر رائے پوری-۲۴، ۳۷،
۶۳، ۹۲، ۱۰۹، ۱۱۹، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۹۱

(شاہ) عبداللہ اردن-۲۵

(شیخ) علی طنطاوی-۲۷

(شیخ) عبدالعزیز رفاعی-۲۷، ۴۴

(قاضی) عدیل عباسی-۳۰

(ڈاکٹر) عبدالرحمن پاشا-۴۳، ۱۹۱

(شیخ) عبداللہ ابراہیم الانصاری-۴۳

(شیخ) عبدالفتاح ابوغدہ-۵۱

(حافظ سید) عبداللہ-۵۹

(مولانا) عزیز الرحمن حسنی-۶۳

(شیخ) عبدالقادر جیلانی-۱۱۱

(خواجہ) عبیداللہ احرار-۱۱۲

عبداللہ سالم (امیر قویت)-۱۴۸

(ادیب) علی حسن فدعق-۲۶۱

(ادیب صحافی) عبدالقدوس انصاری-۲۶۱

(شیخ) عبدالکریم زیفی-۲۶۵

(امیر) عبدالقادر الجزائری-۲۶۵

(کرنل) جمال عبدالناصر مصری-۳۰، ۱۷۵، ۲۶۶

(مولانا قاری) عبدالرحمن قاسمی-۲۸۷

عبداللہ بن صالح الوشمی-۳۵۶

عبدالسلام العجمی-۳۵۶

عبدالمجید السلمانی-۳۵۶

(ڈاکٹر) عبادالرحمن نشاط-۳۵۷

عبدالماجد غوری-۳۵۸

(خلیفہ) غلام محمد دین پوریؒ-۶۲

(امام) غزالیؒ-۱۱۲

(ف، ق، ک)

(مولانا حکیم سید) فخرالدین خیالیؒ-۱۰

(شاہ) فیصل (مملکتِ سعودیہ)- ۲۵، ۴۳، ۱۳۰،
۱۴۵، ۲۷۱

(شاہ) فہد (مملکتِ سعودیہ)-۱۳۰

(شاہ) فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ-۱۵۲

(سید) قطب شہید (مصر)-۲۷

کرشن کانت (سابق صدر جمہوریہ)-۲۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

(ل،م،ن)

لطف الرحمن بنگلہ دیش-۳۵۶

(مولانا) محمود الحسن عثمانی-۲۱۲

(حضرت مولانا) محمد منظور نعمانیؒ- ۸۷،۱۰۹،۱۱۰،
۱۱۷،۲۱۲،۲۲۳،۲۲۴،۲۲۵

(حضرت مولانا قاری) محمد طیب-۱۲،۴۵،۲۲۵

(مولوی) محمود حسن حسنی-۱۶،۱۹

(ڈاکٹر) مسعود الحسن عثمانی-۲۱۳،۲۲۱

(مولانا) محمد اسحاق سندیلوی-۲۱۷،۲۴۵

(مولانا سید) منت اللہ رحمانی- ۴۵،۱۲۶،۲۲۵،
۲۲۷،۲۲۸

محمد ناظم ندوی-۶۷،۲۳۵

(مولانا) مسعود عالم ندوی-۶۷،۲۳۵

(مولانا) محمد عمران خاں ندوی-۲۳۵،۲۳۹،۲۴۵،۲۴۶

(حضرت مولانا) محمد الیاس کاندھلوی-۲۴،۲۵،۳۸،
۶۲،۸۸،۱۰۹،۱۱۰،۱۱۷،۲۳۷،۲۵۴

(مولانا) معین اللہ اندوری ندوی-۲۳۹،۲۴۶،
۲۵۵،۲۵۶،۲۶۲،۲۸۵،۲۹۲

(مولانا) محمد الحسنی-۱۹،۲۸،۲۹،۲۴۷،۲۹۲

(امام حرم) محمد بن عبداللہ السبیل-۲۴۱

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی-۲۴۵،۲۴۶

(مولانا) محمد اویس نگرامی ندوی-۲۴۵

(مولانا) محمد واضح رشید حسنی ندوی-۲۰،۲۴۷،۳۵۷

(شیخ) محمد علی المغربی-۲۵۳

(مولانا) محمد ثانی حسنی-۲۵۴،۲۹۱

(مولانا) محمد یوسف کاندھلوی-۱۲۰،۲۵۴،۲۵۵

(شیخ الحدیث) محمد زکریا- ۲۴،۲۵،۳۸،۶۲،۹۲،
۱۰۹،۱۱۹،۲۵۵

(مولانا سید) محمد طاہر-۲۵۷

(شیخ) محمود حافظ-۲۵۹

(شیخ) محمد محسن باروم-۲۶۲

(شیخ) محمد سرور الصبان-۲۶۲،۲۶۹

(مولانا) محمود مدنی-۲۶۳

(شیخ) مصطفیٰ سباعی-۲۶۶

(ڈاکٹر) معروف الدوالیبی-۲۶۶

(شیخ) مصطفیٰ الزرقاء-۲۶۶

(شیخ) محمد المبارک-۲۶۶

مصطفیٰ کمال اتاترک-۲۶۷-۲۶۸

محمد علی رجب-۲۹۰

(مولانا) محمد سلطان ذوق-۲۹۶

(شیخ) محمد علی الحرکان-۲۹۷

محمد عظیم (بنگلہ دیش)-۲۹۷

(مولانا) ممشاد علی قاسمی-۳۵۵

(مولانا) محمد اکرم ندوی-۳۵۵،۳۵۷

(ڈاکٹر) محی الدین ابو صالح-۳۵۶

(مولانا) قمر الزماں الہ آبادی-۳۵۶

www.abulhasanalinadwi.org

محمد حسن انصاری-۳۵۷
(مولانا) محمد اجتباء ندوی-۳۵۷
(مولانا) محمد اسجد ندوی-۳۵۸
(شاہ) محمد یعقوب مجددی-۲۴،۲۵
(مولانا) محمد احمد پھول پوری-۲۴
(انجینئر) محمد عثمان حیدرآبادی-۴۶
(مولانا سید) محمد مرتضیٰ-۸۸
(مولانا) محمد برہان الدین-۸۸
(خواجہ) معین الدین چشتی-۱۱۴
ملائم سنگھ (وزیر اعلیٰ، یوپی)-۱۲۸
(ڈاکٹر) محمد ناصر (سابق وزیر اعظم، ملیشیا)-۱۴۳
(مولانا) محمد علی کانپوری، مونگیری-۱۵۱
نرسمہا راؤ (سابق وزیر اعظم)-۲۴،۱۲۷
(پروفیسر) نفیس احمد صدیقی-۲۱۳
(مولانا) نظام الدین-۲۲۸
(مولانا) نذر الحفیظ ندوی ازہری-۲۳۳،۳۵۵
(ڈاکٹر) نفیس حسن-۳۵۷
(مولانا) ناصر علی-۵۱

(و،ہ،ی)

(حضرت شاہ) ولی اللہ دہلوی-۲۴،۹۲،۱۱۲،۱۳۷،۲۵۲
(حضرت شاہ) وصی اللہ فتحپوری-۲۴،۲۵
(مولانا سید) ولی رحمانی-۲۳۳
وی۔ پی۔ سنگھ (سابق وزیر اعظم)-۴۹،۱۲۷،۲۰۴
یوسف نعمت-۲۹۰
(شیخ) یوسف القرضاوی-۳۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

ادارے

(الف)

ام القریٰ یونیورسٹی (مکہ مکرمہ) - ۶

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ - ۱۲، ۲۱، ۴۵، ۴۹، ۷۸، ۸۷، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸

ادب اسلامی کی تحریک یا رابطہ ادب اسلامی (عالمی) - ۲۱، ۳۰، ۴۰، ۴۵، ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۵۷

اسلامک سنٹر جنیوا - ۴۰

اسلامک سنٹر آکسفورڈ - ۴۴، ۴۷، ۵۱، ۳۵۷

آبجیکٹیو اسلامک اسٹڈیز دہلی - ۵۳

آر۔ایس۔ایس - ۱۲۹

(ب)

برلن یونیورسٹی - ۶۳۴

برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال - ۳۵۶

بی۔جے۔پی - ۱۲۹

تحریک پیام انسانیت - ۱۲، ۲۱، ۸۷، ۲۰۸

(ج، ح، خ)

جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) - ۴۰، ۴۴، ۱۴۱، ۲۳۵، ۲۶۹

جامعہ اسلامیہ بنارس - ۷۷

جمعیت علماء ہند - ۷۷، ۸۷

جماعت اسلامی ہند - ۷۷، ۲۳۵

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی - ۷۹، ۲۳۹

جامعہ عباسیہ بہاولپور، پاکستان - ۲۳۵

جامعہ اشرفیہ لاہور - ۲۹۵

جامعۃ المعارف الاسلامیۃ - ۲۹۶

الجامعۃ النظمیۃ سیلون - ۲۹۷

جامعۃ الامام محمد بن سعود - ۳۵۶

جامعہ سید احمد شہید کٹولی - ۳۵۷

جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم - ۳۵۷

جامعۃ الہدایہ جے پور - ۳۵۹

(د، ذ، ر، ز)

دار عرفات، رائے بریلی - ۶

دینی تعلیمی کونسل - ۱۲، ۲۱، ۴۰، ۷۷، ۱۱۹، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱

دارالعلوم دیوبند - ۳۵، ۴۳، ۶۴، ۶۹، ۷۷، ۲۲۵، ۳۵۹

دارالعلوم حیدرآباد - ۳۵۹،

دارالعروبہ الاسلامیہ جالندھر - ۲۳۵

دارالعلوم الاسلامیہ بستی - ۳۵۹

دمشق یونیورسٹی - ۴۰

دارالقلم دمشق - ۳۵۵

دار ابن کثیر - ۳۵۸

دارالکتاب دیوبند - ۳۵۸

دارالمصنفین اعظم گڑھ - ۴۴

دہلی یونیورسٹی - ۳۵۷

رابطہ عالم اسلامی - ۴۴، ۴۶، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۷۷، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۹، ۲۳۶، ۲۶۹، ۲۷۱

www.abulhasanalinadwi.org

(ع،غ)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی-۳۵۷

(ف،ق،ک)

کانگریس پارٹی-۴۲

کشمیر یونیورسٹی-۴۴

قاہرہ یونیورسٹی-۳۵۶

(ل،م،ن)

مظاہر العلوم سہارنپور-۷۷

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ-۲۶۲

مدرسہ الاصلاح سرائے میر-۷۷

مسلم لیگ-۷۸

مجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ-۶، ۷، ۴۰، ۸۷، ۱۱۹،
۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۹۶، ۳۵۸

مجلس نشریات اسلام کراچی-۳۵۸

مسلم مجلس مشاورت-۲۱، ۴۱، ۷۲، ۷۸، ۸۷، ۲۲۳، ۲۲۴

ندوۃ العلماء-۷، ۱۲، ۱۳، ۱۷، ۳۱، ۳۵، ۳۷، ۴۰، ۴۱،
۴۲، ۴۵، ۷۲، ۸۷، ۱۱۹، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۳،
۱۶۴، ۱۶۹، ۱۸۷-۱۹۱، ۲۳۵-۲۵۰، ۲۸۷، ۳۵۹

میڈیکل کالج لکھنؤ-۴۷

مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ-۲۶۳